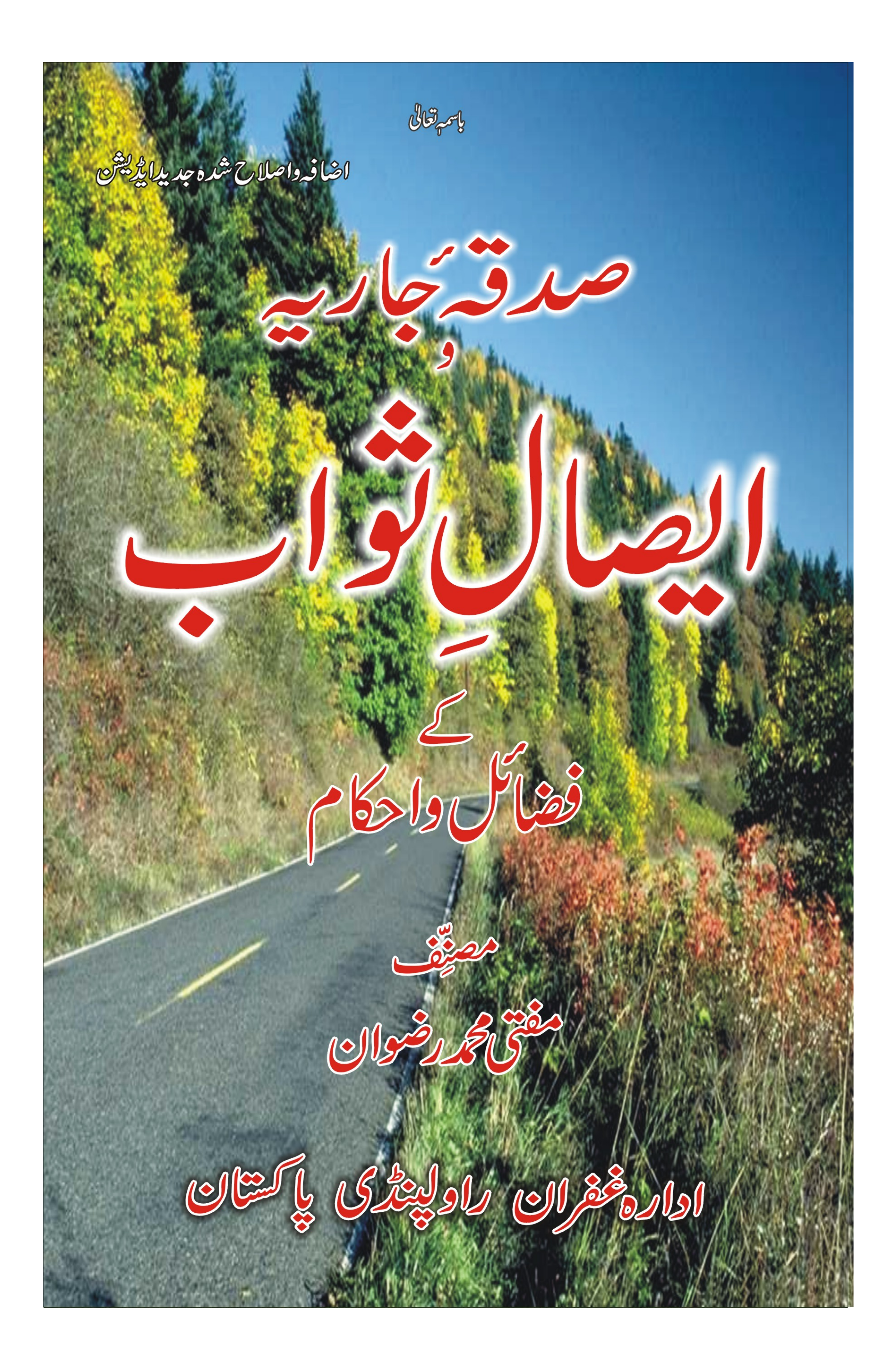


باسمہٖ تعالیٰ
اضافہ واصلاح شدہ جدید ایڈیشن
صدقۂ جاریہ
ایصالِ ثواب
کے
فضائل واحکام
مصنِّف
مفتی محمد رضوان
ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صدقۂ جاریہ

و

ایصالِ ثواب

کے فضائل واحکام

صدقۂ جاریہ کی حقیقت اور نیکی کا ذریعہ بننے کی صورتیں

ایصالِ ثواب کا قرآن وسنت، اجماع اور شرعی قیاس سے ثبوت

مطلَق اور عام ایصالِ ثواب کے منکِر کا حکم

چاروں فقہ کے سلسلہ کی کتابوں سے

مالی اور بدنی عبادات کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کا ثبوت

دعا واستغفار، ذکر وتلاوت، نماز، روزہ، صدقات وخیرات، حج وعمرہ

اور قربانی وغیرہ کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب پر احادیث وروایات

ایصالِ ثواب کی شرائط، ایصالِ ثواب سے متعلق بدعات ورسوم

ایصالِ ثواب کے طریقے اور اس سے متعلق مختلف مسائل واحکام

اور ایصالِ ثواب کے منکرین کے شبہات واعتراضات کا جائزہ

مصنِّف

مفتی محمد رضوان

ادارہ غفران: چاہ سلطان راولپنڈی پاکستان

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

نام کتاب: صدقۂ جاریہ وایصالِ ثواب کے فضائل واحکام

مؤلف: مفتی محمد رضوان

طباعتِ اوّل: شعبان ۱۴۲۹ھ بمطابق اگست 2008ء۔ طباعتِ دوم: ذیقعدۃ ۱۴۳۳ھ۔ اکتوبر 2012ء

صفحات: ۳۴۸

ملنے کے پتے

کتب خانہ ادارہ غفران: چاہ سلطان، گلی نمبر 17، راولپنڈی۔ فون: 051-5507270
ادارہ اسلامیات: ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔ فون: 042-37353255
کتب خانہ رشیدیہ: مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی۔ فون: 051-5771798
دارالاشاعت: اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32631861
مکتبہ سید احمد شہید: 10- الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-37228196
مکتبہ اسلامیہ: گامی اڈہ، ایبٹ آباد۔ فون: 0992-340112
ادارہ اشاعت الخیر: شاہین مارکیٹ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان۔ فون: 061-4514929
ادارۃ المعارف: دارالعلوم کراچی۔ فون: 021-35032020
مکتبہ سراجیہ: چوک سیٹلائیٹ ٹاؤن، سرگودھا۔ فون 048-3226559
مکتبہ شہید اسلام، متصل مرکزی جامع مسجد (لال مسجد) اسلام آباد۔ فون: 0321-5180613
ملت پبلیکیشنز بک شاپ: شاہ فیصل مسجد، اسلام آباد۔ فون: 051-2254111
ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، چوک فوارہ، ملتان۔ فون: 061-4540513
مکتبہ العارفی: نزد جامعہ امدادیہ، ستیانہ روڈ، فیصل آباد۔ فون: 041-8715856
کتب خانہ شمسیہ، نزد ایری گیشن مسجد، سریاب روڈ، کوئٹہ۔ فون: 0333-7827929
مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم کراچی۔ فون: 021-35123130
تاج کمپنی، لیاقت روڈ، گوالمنڈی، راولپنڈی۔ فون: 051-5774634
مکتبۃ القرآن: گورومندر، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی۔ فون: 021-34856701
مکتبہ الفرقان، اردو بازار، گوجرانوالہ۔ فون: 055-4212716
مکتبہ القرآن: رسول پلازہ، امین پورہ بازار، فیصل آباد۔ فون: 041-2601919
اسلامی کتب خانہ، پھولوں والی گلی، بلاک نمبر 1، سرگودھا۔ فون: 048-3712628
اسلامی کتاب گھر: خیابانِ سرسید، سیکٹر 2، عظیم مارکیٹ، راولپنڈی۔ فون: 051-4830451
مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ، 17، اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-37232536
الخلیل پبلشنگ ہاؤس: اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی۔ فون: 051-5553248
قرآن محل، اقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک، راولپنڈی۔ فون: 0312-5123698 0321

فہرست

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(از مؤلف)

ایک مسلمان کے نیک عمل اور سعی سے دوسرے مسلمان کو کوئی دینی واخروی نفع وفائدہ پہنچ سکتا ہے یا نہیں، اور خاص اصطلاح اور عرفی زبان کے مطابق ایک مسلمان کے نیک عمل کے ذریعہ سے دوسرے مسلمان کو ثواب پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟

تو اس بارے سمجھ لینا چاہئے کہ تفصیلات وجزئیات کے بعض معمولی اختلافات کے باوجود ایصالِ ثواب کے برحق ہونے پر امت کے سلف وخلف اور چاروں فقہائے کرام کا اتفاق رہا ہے۔

معتزلہ فرقہ کے علاوہ امت کے مستند فقہا ومجتہدین اور محدثین ومفسرین نیز محقق صوفیائے کرام واولیائے عظام سب ہی اس کے قائل رہے ہیں۔

معتزلہ کی طرح ہمارے زمانے کا ایک طبقہ بھی ایصالِ ثواب کا سِرے سے منکِر ہے، بلکہ ایک طبقہ تو دوسرے مسلمان کی طرف سے حج وغیرہ میں بھی نیابت اور وکالت کا بھی منکر ہے، جس کے نزدیک ایک مسلمان، دوسرے مسلمان کی طرف سے نائب اور وکیل بن کر حجِ بدل وغیرہ کا عمل بھی انجام نہیں دے سکتا، اور اس طبقہ میں زیادہ حصہ ان لوگوں کا ہے، جو درِ پردہ احادیث کے حجت ومعتبر ہونے پر یقین واعتماد نہیں رکھتے، اور اپنی ناقص فہم اور کم علمی کے باعث جن صحیح اور قوی احادیث کو قرآن مجید کے ظاہری معنیٰ بلکہ اپنی مادی عقل وفہم کے خلاف سمجھتے ہیں، ان کا انکار کر بیٹھتے ہیں؛ خواہ وہ احادیث سنَد کے لحاظ سے کتنی ہی زیادہ قوی اور مضبوط ومستند اور مجموعی طور پر ایک دوسرے کی مؤید وموکِد کیوں نہ ہوں، اور ان احادیث کو امت نے قبول ہی کیوں نہ کیا ہو۔

اس طبقے کے برعکس عوامی دنیا کا ایک بہت بڑا طبقہ وہ ہے جو ایصالِ ثواب کے نام سے ہر قسم کی بدعات وخرافات اور فضولیات ورسم ورواج میں مبتلا ہوکر اپنے مال، وقت، اور صلاحیتوں کو نہ صرف برباد کرتا ہے بلکہ اسی کے ساتھ ثواب کے عنوان سے گناہوں کا وبال اپنے نامۂ اعمال میں جمع کرتا ہے، اور اوپر سے ان خودساختہ ومن گھڑت اور نوایجاد طریقوں سے منع کرنے والوں پر ایصالِ ثواب کے منکر ہونے کا الزام بھی عائد کرتا ہے۔

اس طرح افراط وتفریط میں مبتلا اور اعتدال کے راستے سے ہٹے ہوئے یہ دونوں طبقے ہی اصلاح کے مستحق ہیں اور ان حالات میں ضرورت ہے کہ افراط وتفریط کو چھوڑ کر اعتدال کے راستے کو اختیار کیا جائے۔

اہلُ السنۃ والجماعۃ اہلِ علم حضرات کی یہ خوبی ہے کہ انہوں نے جہاں ایک طرف "جَـــاءَ الْـحَـقُّ" کا مصداق بن کر احقاقِ حق کا فریضہ سرانجام دیا ہے، اسی کے ساتھ دوسری طرف "وَزَهَـقَ الْبَاطِلُ" کا مصداق بن کر ابطالِ باطل کے فریضہ کو انجام دینے میں غفلت اختیار نہیں فرمائی، اور اس طرح انہوں نے اہلُ السنۃ والجماعۃ کے سلسلہ کو حق وباطل کی تلبیس سے پاک وصاف رکھا، اور ان حضرات کی مسلسل جدوجہد سے دینِ حق صاف وشفاف آئینہ کی طرح ہوکر ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ تک پہنچا۔

ان حضرات کی جدوجہد کی وراثت منتقل در منتقل ہوتے ہوئے اس پرآشوب دور میں بھی پہنچی، جس سے ہر ایک نے اپنی استعداد کے مطابق فائدہ اٹھایا، جبکہ یہ زمانہ قیامت کی درمیانے درجے کی علامات سے بھرا ہوا اور پُر ہے، جس کی وجہ سے اس دور کے فتنے بھی شدید ہیں کہ ان کی زَد سے بچنا ہر ایک کا کام نہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور قرآن وسنت اور اکابر اہلُ السنۃ والجماعۃ حضرات کے ساتھ وابستگی کی برکت سے ہی ان فتنوں سے حفاظت ہوسکتی ہے۔

اس قربِ قیامت کے پُرفتن دور میں جب یہ بات دیکھنے میں آئی کہ ایصالِ ثواب کے مسئلہ میں افراط وتفریط اپنے عروج پر ہے، جس کی وجہ سے عوامی دنیا سے راہِ اعتدال دھندلی محسوس

ہورہی ہے، تو اس مسئلہ کے اعتدال وحسن کے پہلوؤں کو واضح کرنے اور افراط وتفریط کی صورتوں کو نمایاں کرنے لئے ایصالِ ثواب سے متعلق یہ کتاب تحریر وترتیب دینے کی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے توفیق حاصل ہوئی۔

اسی کے ساتھ مناسب خیال کیا کہ شروع میں صدقۂ جاریہ اور نیکی کا ذریعہ بننے کے متعلق فضائل اور کچھ تفاصیل کو بھی اس کتاب میں شامل کرلیا جائے، تاکہ ہر شخص اپنی زندگی میں ان اعمال کا اہتمام کرے، اور دوسرے کے لئے ایصالِ ثواب کرتے وقت ممکنہ حد تک حسبِ حیثیت صدقاتِ جاریہ کی صورتوں کو ترجیح وفوقیت دینے کا اہتمام کرے، جن کا نفع بہت عظیم اور متعدی ہے۔

نیز منکرینِ ایصالِ ثواب کی طرف سے وقتاً فوقتاً جو شبہات واعتراضات پیش کئے جاتے ہیں، ان کا بھی جواب دیا جائے، اس لئے ان ابحاث کو بھی اس کتاب میں شامل کیا گیا۔

اب جبکہ یہ کتاب دوسری مرتبہ شائع ہورہی ہے، تو اس کتاب کی مباحث پر بندہ نے نظرِ ثانی اور تخریج وتحقیق کا کام دوبارہ کیا، اور اصل مراجع کی طرف مراجعت کا اہتمام کیا، جس کی وجہ سے اس کی افادیت میں بحمداللہ تعالیٰ مزید اضافہ ہوگیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرماکر بندہ اور بندہ کے معاونین ورفقائے کار کے لئے ذخیرۂ آخرت اور جملہ مسلمانوں کے لئے نافع بنائیں، اور حق پر عمل کرنے اور باطل سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ فقط۔ والسلام

محمد رضوان

ادارہ غفران راولپنڈی، پاکستان

مؤرخہ ۲۴/ شعبان ۱۴۲۹ھ۔ 27 / اگست 2008ء بروز بدھ

نظرِ ثانی واضافہ

۳/ ذی الحجہ/ ۱۴۳۳ھ 21 / اکتوبر/ 2012ء، بروز ہفتہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صدقۂ جاریہ اور نیکی کا ذریعہ بننے پر عظیمُ الشّان ثواب

سب سے پہلے تو یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ:

قرآن وسنت کے بے شمار دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اعمال ایسے ہیں کہ جن کا مؤمن بندہ سبب بنتا ہے تو اس کو ان نیک اعمال کا سبب بننے کی وجہ سے دنیاوی زندگی میں اور دنیا سے رخصت ہونے کے بعد عالَمِ برزخ میں موجود ہوتے ہوئے ثواب پہنچتا ہے، اور وہ ثواب اس وقت تک پہنچتا رہتا ہے جب تک اُس نیک عمل کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر کس قدر انعام واحسان ہے کہ مسلمان کے فوت ہوجانے کے بعد جب اس کے بطورِ خود نیک اعمال کرنے اور انجام دینے کا وقت ختم ہوجاتا ہے اور وہ خود سے دنیا میں رہ کر عمل کرنے سے بے کار ہوجاتا ہے، تو اگر وہ اپنی زندگی میں یہ چاہے کہ اس کے فوت ہونے کے بعد نیک اعمال کے ذریعے اس کے نامۂ اعمال میں اضافہ ہوتا رہے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اس کے مختلف ذرائع پیدا فرما دیئے ہیں۔

صدقۂ جاریہ، نفع اٹھائے جانے والا علم اور نیک اولاد

کئی احادیث میں انسان کے فوت ہونے کے بعد، صدقۂ جاریہ، نفع اٹھائے جانے والے علم اور نیک صالح اولاد جو دعا کرے، ان چیزوں کے ثواب ملتے رہنے کا ذکر ہے۔

چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن رحمہ اللہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْعِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهٗ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (مسلمان) انسان (خواہ مرد ہو یا عورت) جب فوت ہوجاتا ہے تو اس کا (اپنا) عمل منقطع وختم ہوجاتا ہے، لیکن (اُصولی طور پر) تین (اعمال ایسے ہیں کہ اُن) کا سلسلہ منقطع وختم نہیں ہوتا (اُن میں سے) ایک صدقۂ جاریہ ہے، دوسرے ایسا علم ہے جس سے فائدہ اُٹھایا جائے، تیسرے نیک صالح اولاد ہے جو اس (فوت ہونے والے) کے لئے دعا کرتی ہے (مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ایسی تین اُصولی چیزیں ذکر فرمائی ہیں کہ اگر کوئی خوش نصیب مسلمان اُن میں سے کوئی چیز اپنی زندگی میں چھوڑ کر دنیا سے رُخصت ہوگیا، تو اس کو فوت ہونے کے بعد برابر ثواب اور نفع پہنچتا رہتا ہے۔

حالانکہ بعد میں ان چیزوں کا سلسلہ جاری رکھنا ظاہر ہے کہ دنیا سے رخصت ہونے والے لوگوں کا ذاتی عمل نہیں ہوتا، لیکن اس کارِ خیر اور سلسلۂ خیر میں چونکہ یہ لوگ سبب، واسطہ اور ذریعہ بنے تھے، اس لئے ان سلسلوں کا ثواب ان کو برابر ملتا رہتا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۱۶۳۱ "۱۴"، کتاب الوصیة، باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاته، واللفظ لهٗ، ابوداؤد، رقم الحدیث ۲۸۸۰؛ ترمذی، رقم الحدیث ۱۳۷۶؛ نسائی، رقم الحدیث ۳۶۵۱؛ مسند احمد، رقم الحدیث ۸۸۴۴؛ شعب الایمان للبیهقی، رقم الحدیث ۳۱۷۳؛ سنن الدارمی، رقم الحدیث ۵۷۸؛ مسند ابی یعلیٰ الموصلی، رقم الحدیث ۶۴۵۷؛ صحیح ابنِ حبان، رقم الحدیث ۳۰۱۶؛ صحیح ابنِ خزیمه، رقم الحدیث ۲۴۹۴؛ مستخرج ابوعوانة، رقم الحدیث ۵۸۲۴؛ الادب المفرد للبخاری، رقم الحدیث ۳۸.

قال الترمذی: هذا حدیث حسن صحیح.

وفی حاشیة مسند احمد: اسنادهٗ صحیح.

[2] قال العلماء: معنی الحدیث أن عمل المیت ینقطع بموته، وینقطع تجدد الجواب له، إلا فی هذه الأشیاء الثلاثة؛ لکونه کان سببها؛ فإن الولد من کسبه، وکذالک العلم الذی خلفه من تعلیم أو تصنیف، وکذالک الصدقة الجاریة وهی الوقف.

وفیه فضیلة الزواج لرجاء ولد صالح، وقد سبق بیان اختلاف أحوال الناس فیه، وأوضحنا ذالک

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اُن تین چیزوں میں سے پہلی چیز صدقۂ جاریہ ہے۔

صدقۂ جاریہ سے ایسا صدقہ مراد ہے جس کا نفع باقی رہنے والا ہو، اوراس مفہوم میں بہت ساری چیزیں داخل ہیں۔

کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کردی، وہ صدقۂ جاریہ میں داخل ہے، مثلاً کوئی مسلمان اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضاء کی خاطر نام ونمود کے بغیر مسجد بنوا گیا جس میں لوگ نماز پڑھتے ہیں تو جب تک اس میں نماز ہوتی رہے گی، بنوانے والے کو اس کا ثواب خود بخو دملتا رہے گا۔

اسی طرح کوئی دینی مدرسہ اوردینی ادارہ ہے کہ جب تک لوگ اس سے دین کا فائدہ اٹھاتے رہیں گے، اس وقت تک بنوانے والے کو برابر ثواب ملتا رہے گا، بشرطیکہ بنانے والے نے اخلاص کے ساتھ یہ عمل انجام دیا ہو۔

اسی طرح مثلاً کوئی شخص مسافرخانہ یا شفا خانہ بنواکر یا کوئی مکان ضرورت مند لوگوں یا مسافروں کے لئے وقف کرکے دنیا سے رخصت ہوگیا جس سے غریب غرباء اور دوسرے ضرورت مند لوگوں کو نفع پہنچتا رہا، تو اس فوت ہونے والے شخص کو اس کا برابر ثواب ملتا رہے گا۔

یا مثلاً کوئی مسلمان لوگوں کی ضرورت والی جگہ پر کنواں بنواکر یا ٹیوب ویل لگواکر یا پانی کی بورنگ کراکر فوت ہوگیا، تو جب تک لوگ اس سے پانی پیتے رہیں گے، وضو کرتے رہیں گے، اور پانی سے دوسری ضروریات پوری کرتے رہیں گے، اس مرنے والے مسلمان کو بھی ثواب ملتا رہے گا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی کتاب النکاح، وفیه دلیل لصحة أصل الوقف، وعظیم ثوابه، وبیان فضیلة العلم، والحث علی الاستکثار منه. والترغیب فی توریثه بالتعلیم والتصنیف والإیضاح، وأنه ینبغی أن یختار من العلوم الأنفع فالأنفع. وفیه أن الدعاء یصل ثوابه إلی المیت، وکذالک الصدقة، وهما مجمع علیهما، وکذالک قضاء الدین کما سبق (شرح النووی علی مسلم، تحت رقم الحدیث ۱۶۳۱، ج ۱۱ ص ۸۵، کتاب الوصیة، باب مایلحق الانسان من الثواب بعد وفاته)

اس قسم کی سب چیزیں صدقۂ جاریہ میں شامل ہیں۔

اس حدیث میں دوسری چیز جس کا ثواب مرنے کے بعد انسان کو ملتا رہتا ہے یہ بیان فرمائی گئی کہ جس علم سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے، اس علم کا بنیادی مصداق دینی علم ہے۔

اور فائدہ اٹھانے کا مفہوم بھی بہت وسیع ہے۔

مثلاً ایک شخص نے کسی کو دین سکھلایا، اُس کے بعد یہ سکھلانے والا مر گیا۔

پھر اس کے شاگرد نے بہت سے لوگوں کو دین سکھلایا اور اسی طرح اس کے بعد بھی یہ سلسلہ چلتا رہا تو سینکڑوں ہزاروں سال گزر جانے کے بعد بھی یہ علمی فیض اگر واسطہ در واسطہ جاری رہے گا، تو پہلے معلّم اور تعلیم دینے والے مسلمان شخص کو اُس کے ثواب کا حصہ ملتا رہے گا، اور درمیان والوں کو بھی آگے والوں کی وجہ سے ثواب ملتا رہے گا (اس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے)

تیسری چیز جو اس حدیث میں ذکر کی گئی وہ نیک اولاد ہے، جو مرنے کے بعد اپنے والدین کے لئے دعاء واستغفار کرتی ہے۔

اوّل تو اولاد کو نیک صالح بنانا ہی مستقل صدقۂ جاریہ ہے کہ جب تک وہ کوئی نیک کام کرے گی والدین کو اس کا ثواب ملتا رہے گا۔

دوسرے اگر وہ اولاد اپنے والدین کے لئے دعا بھی کرتی رہے تو یہ والدین کے لئے ایک اور مستقل ذخیرہ ہے۔

آج اپنی اولاد کو نیک صالح بنانے اور اس کو دین کا علم سِکھانے کی طرف سے بہت سے مسلمانوں کی طرف سے غفلت پائی جاتی ہے۔

ان لوگوں کو مذکورہ حدیث بار بار ملاحظہ کرنے کی ضرورت ہے۔ [1]

---

[1] ایصالِ ثواب کے بعض منکرین نے اس موقعہ پر یہ شبہ کیا ہے کہ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:
اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَـلَاثَةٍ.
''کہ (مسلمان) انسان جب فوت ہوجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے، لیکن تین (اعمال ایسے ہیں کہ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر جس شخص کو مذکورہ حدیث میں بیان کیے گئے ان تینوں قسم کے نیک اعمال اپنی زندگی میں انجام دینے کی توفیق ہوجائے، اس کے ثواب کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں، اس نے تو گویا کہ دنیا اورآخرت کی خیر کو جمع کرلیا ہے، اوراپنے لیے بہت بڑے ذخیرہ کا سامان کرلیا ہے۔ [1]

مذکورہ حدیث میں جوتین چیزیں بیان فرمائی گئیں وہ ایسی بنیادی اوراصولی چیزیں ہیں کہ ان کے اندرکئی دوسری چیزیں بھی داخل ہیں جن کا بعض دوسری احادیث میں ذکرآیا ہے، اوران میں سے بعض احادیث آگے آرہی ہیں۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اُن) کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا''

تواس سے معلوم ہوا کہ فوت ہونے کے بعد مسلمان کوان تین اعمال کے علاوہ کسی اور ذریعے سے ثواب حاصل نہیں ہوتا۔

لہٰذا زندہ لوگوں کے اعمال کا فوت شدہ کو ایصالِ ثواب نہیں کیا جاسکتا۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل منقطع ہونے کا فرمایا ہے، نفع اور ثواب منقطع ہونے کا نہیں فرمایا۔

لہٰذا یہ شبہ درست نہیں، اوراس سے ایصالِ ثواب کی نفی نہیں ہوتی۔

چنانچہ علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ اسی شبہ کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

وأما استدلالكم بقوله صلى الله عليه وسلم إذا مات العبد إنقطع عمله فاستدلال ساقط فإنه صلى الله عليه وسلم لم يقل إنقطع إنتفاعه وإنما أخبر عن إنقطاع عمله وأما عمل غيره فهو لعامله فإن وهبه له فقد وصل إليه ثواب عمل العامل لا ثواب عمله فالمنقطع شئ والواصل إليه شئ آخر وكذالك الحديث الآخر وهو قوله إن ممايلحق الميت من حسناته وعمله فلا ينفى أن يلحقه غير ذالك من عمل غيره وحسناته (الروح، صفحة ١٢٩، المسألة السادسة عشرة وهى هل تنتفع ارواح الموتىٰ بشئ من سعى الاحياء أم لا؟)

(مزید تفصیل آخر میں شبہات کے جوابات کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں)

[1] ومن جمع هذه الثلاثة أشياء فقد جمع ماعسى أن يكون قد اجتمع له به خير الدنيا وخير الآخرة (شرح مشكل الآثار للطحاوى، ج۵، ص ۲۹۴، باب بيان ما روى خير الناس مؤمن بين كريمين)

[2] اى هذه الاعمال المذكورة يجرى على المؤمن ثوابها، ويتجدد من بعد موته فاذا مات انقطع عمله الا منها ولاينافى ما ذكر هناالحصر المذكور فى الحديث المار اذا مات ابن آدم انقطع عمله الا من ثلاث فان المذكورات تندرج فى تلك الثلاث لان الصدقة الجارية تشمل الوقف والنهر والبئر والنخل والمسجد والمصحف فيمكن رد جميع ما فى الاحاديث الى تلك

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پرملاحظہ فرمائیں﴾

اسلامی سرحدوں کی حفاظت اور تعلیم وتعلُّم

کئی احادیث میں اسلامی سرحدوں کی حفاظت اور دوسرے کو علم سکھانے کے نتیجہ میں اس پر عمل کئے جانے کے ثواب کے بھی فوت ہونے کے بعد ملتے رہنے کا ذکر ہے۔

چنانچہ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اَرْبَعٌ تَجْرِیْ عَلَيْهِمْ اُجُوْرُهُمْ بَعْدَ الْمَوْتِ: رَجُلٌ مَاتَ مُرَابِطًا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَرَجُلٌ عَلَّمَ عِلْمًا فَاَجْرُهٗ يَجْرِیْ عَلَيْهِ مَاعُمِلَ بِهٖ، وَرَجُلٌ اَجْرٰى صَدَقَةً فَاَجْرُهَا يَجْرِیْ عَلَيْهِ مَاجَرَتْ عَلَيْهِمْ، وَرَجُلٌ تَرَكَ وَلَدًا صَالِحًا يَدْعُوْ لَهٗ (مسند احمد) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الثلاث،ولاتعارض (التيسير بشرح الجامع الصغير للمناوی، ج ۱، ص ۱ ۳۵، حرف الهمزة)
وورد فی احاديث اخر زياده على الثلاثة وتتبعها السيوطی فبلغت احد عشر ونظمها فی قوله: اذا مات ابن آدم ليس يجری عليه من فعال غير عشر علوم بثها ودعاء نجل وغرس النخل والصدقات تجری وراثة مصحف ورباط ثغر وحفر البئر اواجراء نهر وبيت للغريب بناه يأوی اليه او بناه محل ذكر وتعليم لقرآن كريم فخذها من احاديث بحصر وسبقه الیٰ ذالک بن العماد فعدها ثلاثة عشر وسرد احاديثها. والكل راجع الیٰ هذه الثلاث، انتهیٰ (عون المعبود شرح ابوداؤد، تحت رقم الحديث ۲۸۸۰، ج۸ص ۶۲، باب ماجاء فی الصدقة عن الميت)

[1] رقم الحديث ۲۲۳۱۸، واللفظ لهٗ؛ المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۷۸۳۱؛ اخلاق العلماء للآجری، ج ۱، ص۴۳، باب ذكر ما جاء ت به السنن والآثار من فضل العلماء فی الدنيا والآخرة.

فی حاشية مسند احمد:

صحيح لغيره، وهذا إسناد ضعيف لإبهام الراوی له عن أبی أمامة، وابن لهيعة -وهو عبد الله الحضرمی المصری -سیء الحفظ، لكن رواية عبد الله بن المبارک عنه ارتضاها بعض أهل العلم

وقال المنذری:

رواه الإمام أحمد والبزار والطبرانی فی الكبير والأوسط وهو صحيح مفرقا من حديث

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ چار طرح کے کام ایسے ہیں، کہ ان پر انسان کو فوت ہونے کے بعد برابر اجر وثواب ملتا رہتا ہے، ایک تو وہ شخص ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہرہ دینے کی حالت میں فوت ہو گیا، اور دوسرا شخص وہ ہے کہ جس نے کسی کو علم سِکھایا تو اس کا اجر سِکھانے والے کو برابر ملتا رہے گا جب تک اس علم پر عمل کیا جاتا رہے گا، اور تیسرا شخص وہ ہے کہ جس نے کوئی صدقۂ جاریہ کیا تو اس صدقہ کا اجر وثواب جب تک وہ جاری رہے گا اس کو برابر ملتا رہے گا، اور چوتھا شخص وہ ہے کہ جس نے نیک صالح اولاد چھوڑی اور وہ اس کے لئے دعا کرتی رہے (مسنداحمد)

اسی قسم کی حدیث حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی سند سے بھی مروی ہے۔ [1]

اس حدیث میں ایک عمل اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہرہ دینے کی حالت میں فوت ہونا بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہرہ دینے سے مراد اسلامی سرحدوں کی حفاظت اور اُن کو دشمن کی یلغار سے محفوظ رکھنا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

غير واحد من الصحابة رضى الله عنهم (الترغيب والترهيب، ج ا ص ٦٩، الترغيب فى نشر العلم والدلالة على الخير)

وقال الهيثمى:

رواه أحمد والطبرانى فى الكبير والأوسط والبزار، وفيه ابن لهيعة ورجل لم يسم (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٧٦٨، باب فيمن سن خيرا أو غيره أو دعا إلى هدى)

[1] عن سلمان، قال :سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :أربع من عمل الأحياء تجرى للأموات، رجل ترك عقبا صالحا يدعو له؛ يبلغه دعاؤهم، ورجل تصدق بصدقة جارية من بعده؛ فله أجر من عمل به من غير أن ينقص من عمله شيئا، ورجل مات مرابطا؛ ينمو له عمله إلى يوم الحساب (مسند الشاميين للطبرانى، رقم الحديث ٣٥٣١)

قال الالبانى: حسن (الجامع الصغير وزيادته، تحت رقم الحديث ٨٩٠)

جب کوئی اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرتا ہے، تو یہ عمل ملک میں بسنے والے لاکھوں مسلمانوں کو چین وسکون سے عبادت اور نیک اعمال کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا ذریعہ بنتا ہے، اس لئے اس عمل کا ثواب بھی جاری رہنے اور بڑھنے والا ہے۔ ل

کئی دوسری احادیث میں اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے عمل کے عظیم فضائل آئے ہیں۔ ۲

ل (أربعة) أى أربعة أشخاص (تجرى) بفتح أوله (عليهم أجورهم بعد الموت) أى لا ينقطع ثواب أعمالهم بموتهم بل يستمر (من مات مرابطا فى سبيل الله) أى إنسان مات حال كونه ملازما ثغر العدو بقصد الذب عن المسلمين (و) الثانى (من علم علما أجرى له عمله ما عمل به) أى وأى إنسان علم علما وعمله غيره ثم مات فيجرى عليه ثوابه مدة دوام العمل به من بعده (و) الثالث (من) أى إنسان (تصدق بصدقة) جارية مستمرة من بعده كوقف (فأجرها يجرى له ما وجدت) أى فيجرى له أجره مدة بقاء العين المتصدق بها وزاد بيان الجزاء فى هذين لخفاء النفع فيه أو إيماء إلى تفضيلهما على الأول والأخير (و) الرابع (رجل) وصف طردى والمراد إنسان مات (ترك ولدا صالحا) أى فرعا مسلما هبه ذكرا أو أنثى أو ولد ولد كذلك وإن سفل (فهو يدعو له) بالرحمة والمغفرة فإن دعاءه أرجى إجابة وأسرع قبولا من دعاء الأجنبى ومر أنه لا تعارض بين قوله هنا أربعة وقوله فى الحديث المتقدم إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث لأن أعمال الثلاثة متجددة وعمل المرابط ينمو له .وفرق بين إيجاد العدوم وتكثير الموجود.

(حم طب) وكذا البزار (عن أبى أمامة) الباهلى رمز المصنف لحسنه وأعله الهيتمى وغيره بأن فيه ابن لهيعة ورجل لم يسم لكن قال المنذرى هو صحيح من حديث غير واحد من الصحابة (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۹۳۳)

وفى النهاية : الرباط فى الأصل الإقامة على جهاد العدو بالحرب وارتباط الخيل وإعدادها (مرقاة المفاتيح، ج٦ ص۲۴۵۷، كتاب الجهاد)

فالجهاد فى سبيل الله والرباط من أفضل الأعمال وأجل القربات وأفضل العبادات؛ إذ إن بعض الأعمال نفعه قاصر، بخلاف الجهاد فإن نفعه متعد، فالرباط وملازمة حدود الدولة الإسلامية حتى لا يأتى الأعداء منها، من أفضل القربات (شرح سنن النسائى لعبد العزيز الراجحى، ج٨، ص۲۰، كتاب الطهارة)

۲ عن واثلة بن الأسقع، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :من سن سنة حسنة فله أجرها ما عمل به فى حياته وبعد مماته حتى يترك، ومن سن سنة سيئة فعليه إثمها حتى يترك، ومن مات مرابطا فى سبيل الله جرى له أجر المرابط حتى يبعث يوم القيامة (المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۱۸۴؛ مسندالشاميين للطبرانى، رقم الحديث ۲۵٦۰)

قال المنذرى: رواه الطبرانى فى الكبير بإسناد لا بأس به (الترغيب والترهيب، ج ۱ ص ۴۴۹،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں چار عمل بیان کرتے ہوئے ''عَلَّمَ عِلْمًا'' کے بجائے ''عَمِلَ عَمَلًا '' کے الفاظ آئے ہیں، یعنی اس روایت میں علم کے بجائے دوسری چیز عمل بیان کی گئی ہے، چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

وَمَنْ عَمِلَ عَمَلًا أُجْرِيَ لَهُ مِثْلُ مَا عَمِلَ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: اور (دوسرا) وہ شخص جس نے کوئی نیک عمل جاری کیا، تو اُس کو اس کے مِثل اَجر دیا جائے گا جو اُس کے بعد اُس پر عمل کرے گا (مسند احمد)

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے ایسے نیک عمل کی بنیاد ڈالی اور تعلیم دی، جو دوسروں کے عمل کرنے کا سبب بن گیا، تو جب تک اس پر دوسرے لوگ عمل کرتے رہیں گے تب تک اس بنیاد ڈالنے والے شخص کو اُن سب کا ثواب ملتا رہے گا، اور دوسرے لوگوں کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الترغيب فى الإخلاص والصدق والنية الصالحة)

وقال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الكبير، ورجاله موثقون (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۷۷۲، باب فيمن سن خيرا أو غيره أو دعا إلى هدى)

عن سلمان الخير، أنه سمعه وهو يحدث شرحبيل بن السمط وهو مرابط على الساحل يقول :سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول " :من رابط يوما أو ليلة كان له كصيام شهر للقاعد، ومن مات مرابطا فى سبيل الله، أجرى الله له أجره الذى كان يعمل :أجر صلاته وصيامه ونفقته، ووقى من فتان القبر، وأمن من الفزع الأكبر "(مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۷۲۷)

فى حاشية مسند احمد: حديث صحيح، وهذا إسناد ضعيف من أجل عبد الله بن لهيعة، ولكنه لم ينفرد به.

[1] رقم الحديث ۲۲۲۴۷؛ تعزية المسلم لابن هبة الله المعروف لابن عساكر، رقم الحديث ۱۰۰، جزء ۱ صفحه۷۳.

فى حاشية مسند احمد: صحيح لغيره.

وقال الهيثمى:رواه أحمد، وقد تقدمت له طريق فيمن علم علما، وفيه ابن لهيعة، وفيه كلام (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۷۵۸۴، باب فيمن يجرى عليه أجره بعد موته)

مدرسہ بنانا، پانی کا انتظام، مسافر خانہ کی تعمیر

احادیث میں پانی کے انتظام کرنے، مسافر خانہ اور مدرسہ وغیرہ بنانے کو بھی صدقۂ جاریہ میں شمار کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَبْعٌ یَجْرِیْ لِلْعَبْدِ اَجْرُھُنَّ بَعْدَ مَوْتِہٖ وَھُوَ فِیْ قَبْرِہٖ مَنْ عَلَّمَ عِلْماً اَوْ اَکْریٰ نَھْراً اَوْحَفَرَ بِئْراً اَوْغَرَسَ نَخْلًا اَوْبَنیٰ مَسْجِداً اَوْتَرَکَ وَلَدًا یَسْتَغْفِرُلَہٗ بَعْدَ مَوْتِہٖ اَوْ وَرَّثَ مُصْحَفاً (المصاحف لابن ابی داوٗد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات کام ایسے ہیں کہ مومن بندے کو ان کا اجر وثواب اس کے فوت ہونے کے بعد جب کہ وہ قبر میں ہوتا ہے، برابر ملتا رہتا ہے، ان میں سے ایک وہ دین کا علم ہے جو کسی کو سکھایا، دوسرے وہ نہر ہے جس کو اس نے جاری وتیار کیا (جس سے لوگ اپنی کھیتی باڑی اور دوسری ضروریات پوری کرتے ہیں) تیسرے وہ کنواں (یا بورنگ وغیرہ) ہے جو کھدوایا،

---

[1] ص۴۶۳، فضل توریث المصاحف،الناشر: الفاروق الحدیثۃ ،مصر/القاھرۃ، واللفظ لہٗ؛ شعب الایمان للبیھقی، رقم الحدیث ۳۲۹۵؛ مسند البزار، رقم الحدیث ۷۲۸۹.

قال المنذری:

رواہ البزار وأبو نعیم فی الحلیۃ وقال ھذا حدیث غریب من حدیث قتادۃ تفرد بہ أبو نعیم عن العزرمی ورواہ البیھقی ثم قال محمد بن عبد اللہ العزرمی ضعیف غیر أنہ قد تقدمہ ما یشھد لبعضہ وھما یعنی ھذا الحدیث والحدیث الذی ذکرہ قبلہ لا یخالفان الحدیث الصحیح (الترغیب والترھیب، ج ا ص۵۳، تحت رقم الحدیث ۱۱۳، کتاب العلم الترغیب فی العلم وطلبہ وتعلمہ وتعلیمہ وما جاء فی فضل العلماء والمتعلمین)

وقال الھیثمی:

رواہ البزار، وفیہ محمد بن عبید اللہ العرزمی، وھو ضعیف (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۷۶۹، باب فیمن سن خیرا أو غیرہ أو دعا إلی ھدی)

وقال الالبانی: حسن (الجامع الصغیر وزیادتہ، تحت رقم الحدیث ۵۹۱۵)

چوتھے وہ درخت ہے جو اس نے (لوگوں کے فائدے کے لیے) بویا (تا کہ لوگ اس کے پھل، لکڑی یا سائے وغیرہ سے مستفید ہوں) پانچویں وہ مسجد ہے جو اس نے تعمیر کرائی، چھٹے وہ اولاد ہے کہ جو کسی نے چھوڑی اور وہ اس کے فوت ہونے کے بعد اس کے لئے استغفار کرتی رہی، ساتویں قرآن مجید کا وہ نسخہ ہے کہ جو دوسرے کے لئے وراثت میں چھوڑا (مصاحف لابنِ ابی داؤد)

ان سب چیزوں میں یہ ضروری نہیں کہ ساری تنہا خود ہی کی ہوں، بلکہ اگر کسی چیز میں تھوڑی بہت شرکت بھی کرنے کی توفیق ہوگئی تو اپنے حصے کے بقدر اس کے ثواب میں سے ان شاء اللہ تعالیٰ حصہ ملتا رہے گا۔

حضرت ابوعبداللہ اغر رحمہ اللہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث اس طرح روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ وَحَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْماً عَلَّمَه وَنَشَرَهٗ وَوَلَداً صَالِحاً تَرَكَهٗ وَمُصْحَفاً وَرَّثَهٗ أَوْ مَسْجِداً بَنَاهُ اَوْبَيْتاً لِاِبْنِ السَّبِيْلِ بَنَاهُ اَوْنَهْراً اَجْرَاهُ اَوْصَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهٖ فِيْ صِحَّتِهٖ وَحَيَاتِهٖ يَلْحَقُهٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهٖ

(ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کو اس کے جن نیک اعمال اور اچھائیوں کا ثواب اور نفع مرنے کے بعد بھی پہنچتا ہے وہ یہ ہیں، ایک تو وہ علم

---

[1] باب ثواب معلم الناس الخير، رقم الحديث ۲۴۲؛ شعب الايمان للبيهقى، الاختيار فى صدقة التطوعِ، رقم الحديث ۳۱۷۴؛ ابنِ خزيمة، باب فضائل بناء السوق لأبناء السابلة وحفر الأنهار للشارب، رقم الحديث ۲۴۹۰.

قال المنذرى:

رواه ابن ماجه واللفظ له وابن خزيمة فى صحيحه والبيهقى وإسناد ابن ماجه حسن والله أعلم (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۴۲۳، ج ۱ ص ۱۲۱، الترغيب فى بناء المساجد فى الأمكنة المحتاجة إليها)

جو اس نے کسی کو سکھایا اور پھیلایا، اور وہ نیک اولاد جس کو وہ اپنے پیچھے چھوڑ گیا، اور قرآن مجید کا نسخہ جو اس نے اپنی میراث میں چھوڑا یا مسجد یا مسافر خانہ یا نہر (تالاب، کنواں جو اللہ کی مخلوق کی نفع رسانی کے لئے اپنی زندگی میں) وہ بنوا گیا یا کوئی اور صدقہ جس کو اُس نے اپنے مال میں سے اپنی صحت اور حیات کی حالت میں نکالا تھا (اور اللہ کی مخلوق کو بعد میں بھی اُس سے نفع پہنچتا رہا) تو اس کا ثواب مرنے کے بعد بھی اُس کو پہنچتا رہے گا (ابنِ ماجہ)

علم کی اشاعت کا مطلب یہ ہے کہ کسی مدرسے میں چندہ دیا ہو، یا کسی کو کوئی شرعی فتویٰ دیا ہو یا دینی کتاب تصنیف کی ہو، یا پڑھنے والوں میں تقسیم کی ہو، یا مسجدوں اور مدرسوں میں قرآن مجید یا حدیث کی یا معتبر ومستند دینی مضمون کی کتابیں وقف کی ہوں یا میراث میں چھوڑی ہوں، وہ سب صدقۂ جاریہ ہیں، اور جس صدقے کا ثواب مَرنے کے بعد پہنچتا ہے، اُس سے مراد صدقۂ جاریہ ہے، مثلاً کوئی جگہ خیر کے مصرَف مسافر خانہ وغیرہ میں وقف کر گیا۔

ملحوظ رہے کہ حدیث میں جن چیزوں کے ثواب کو صدقۂ جاریہ فرمایا گیا ہے، ان سب میں ثواب کے لئے اخلاص شرط ہے، اور پانی کے انتظام کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

---

[1] (إن مما يلحق المؤمن من عمله وحسناته بعد موته علما نشره) بين الناس بنحو نقل وإفتاء وتأليف (وولدا صالحا) أى مسلما (تركه) أى خلفه بعده يدعو له (ومصحفا ورثه) بالتشديد أى خلفه لوارثه ويظهر أن مثله كتب الحديث كالصحيحين (أو مسجدا بناه) لله تعالى لا للرياء والسمعة ومثله الرباط والمدرسة ومصلى العيد ونحو ذلک كما يعلم بالأولى من قوله (أو بيتا لابن السبيل بناه) لله تعالى لا للرياء يعنى خانا تنزل فيه المارة من المسافرين بنحو جهاد أو حج (أو نهرا أجراه) أى حفره وأجرى فيه الماء لتحيي به الأرض وأهلها (أو صدقة أخرجها من ماله فى صحته وحياته) وهو يؤمل البقاء ويخشى الفقر (تلحقه من بعد موته) أى هذه الأعمال يجرى على المؤمن ثوابها من بعد موته فإذا مات انقطع عمله إلا منها وتحصل من الأخبار أن الذى تجرى عليهم أجورهم بعد الموت أحد عشر نظمها المؤلف وبسطها السخاوى وغيره وتمسک بظاهر هذا الخبر وما أشبهه من زعم أن الميت لا ينتفع إلا بما نسب إليه فى الحياة وأطالوا فى رده (فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوى، تحت رقم الحديث ۲۴۹۷، ج۲ ص ۵۴۰)

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ اَنْ يَّتَعَلَّمَ الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ عِلْمًا ثُمَّ يُعَلِّمَهٗ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ (سنن ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل صدقہ یہ ہے کہ مسلمان آدمی علم حاصل کرے پھر اپنے مسلمان بھائی کو اس کی تعلیم دے (ابنِ ماجہ)

مسلمان کا علم کو حاصل کرنا اور پھر اس کی دوسرے مسلمان کو تعلیم دینا افضل صدقہ اس لئے ہے کہ دینی علم کا فائدہ مال ودولت وغیرہ کے فائدہ سے بڑھا ہوا ہے، کیونکہ مال فنا ہونے والی چیز ہے، اور علم باقی رہنے والی چیز ہے۔ [2]

دینی علم کی تعلیم میں یہ بھی داخل ہے کہ کسی مدرسے میں کوئی کتاب وقف کر گیا ہو، جب تک وہ کتاب باقی ہے، اس سے لوگ نفع اُٹھاتے رہیں گے، اس کو خود بخود ثواب ملتا رہے گا۔

کسی دینی مدرسے کے طالبِ علم کو اپنے خرچ سے قرآن مجید کا حافظ یا عالم بنا دیا تو جب تک اُس کے حفظ اور علم سے نفع پہنچتا رہے گا، اُس شخص کو اس کا ثواب ملتا رہے گا۔

مثلاً کسی کو حافظ بنایا تھا، اُس نے چند لوگوں کو قرآن مجید پڑھا دیا، تو جب تک یہ لوگ قرآن مجید پڑھتے پڑھاتے رہیں گے، اُس پہلے پڑھانے والے اور حافظ بنانے والے شخص کو مستقل ثواب ملتا رہے گا۔

اور جب تک یہ سلسلہ آگے چلتا رہے گا، پہلے اور درمیان والے لوگوں کو درجہ بدرجہ ثواب ملتا

---

[1] رقم الحديث ۲۴۳، باب ثواب معلم الناس الخير.
قال المنذرى:
رواه ابن ماجه بإسناد حسن من طريق الحسن أيضا عن أبى هريرة (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۱۲۰، كتاب العلم الترغيب فى العلم وطلبه وتعلمه وتعليمه وما جاء فى فضل)

[2] (أفضل الصدقة أن يتعلم المرء المسلم علما) أى شرعيا أو ما كان آلة له (ثم يعلمه أخاه المسلم) فتعليمك العلم لغيرك صدقة منك عليه بل هو من أفضل أنواع الصدقة لأن الانتفاع به فوق الانتفاع بالمال لأن المال ينفد والعلم باق إلا أن إطلاق الصدقة على نحو هذا من قبل المجاز كما يشير إليه كلام العلامة الزمخشرى فى الفائق. وتعلم العلوم الشرعية وتعليمها من تفسير وحديث وفقه وآلة ذكر: فرض كفاية (فيض القدير، تحت رقم الحديث ۱۲۶۲، ج۲ص ۳۷)

رہے گا، خواہ یہ پہلے شخص کو ثواب پہنچائیں یا نہ پہنچائیں۔

اسی طرح کسی کو عالم بنانے کا مسئلہ بھی ہے، کہ جب تک کسی واسطے سے یا بلاواسطہ اُس علم سے لوگوں کو نفع پہنچتا رہے گا، پہلے عالم بنانے والے کو ان سب کا ثواب ملتا رہے گا۔

بناءِ مسجد یعنی مسجد بنانا

احادیث میں بطورِ خاص مسجد بنانے کو بھی صدقۂ جاریہ میں شمار کیا گیا ہے، اوراس عمل کی عظیم فضیلت بیان کی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ حَفَرَ مَآءً لَمْ يَشْرَبْ مِنْهُ كَبِدٌ حَرِيٌّ مِنْ جِنٍّ وَلَا اِنْسٍ وَلَا سَبُعٍ وَلَا طَآئِرٍ اِلَّا اٰجَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ بَنٰى مَسْجِدًا كَمِفْحَصِ قِطَاةٍ أَوْ أَصْغَرَ مِنْهُ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (الاحاديث المرفوعة من التاريخ الكبير للامام البخارى) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص پانی کا انتظام (اور سلسلہ جاری) کرجائے، تو جو بھی جاندار پیاسا خواہ انسان ہو یا جن یا درندہ یا پرندہ اس سے پانی پیے گا تو مَرنے والے کو قیامت تک اس کا ثواب ہوتا رہے گا، اور جس نے (اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے) مسجد بنائی (اگرچہ) قطاء (کبوتر کی ایک خاص قسم) کے انڈے دینے کے گڑھے کے برابر یا اس سے بھی چھوٹی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ اُس

---

[1] رقم الحديث ۲۶۰، ج ۱ ص ۲۲۰، الناشر: مكتبة الرشد، الرياض، واللفظ لهٗ؛ وصحيح ابن خزيمة، رقم الحديث ۱۲۹۲ بغير لفظ سبع.

قال المنذرى:

رواه ابن خزيمة فى صحيحه وروى ابن ماجه منه ذكر المسجد فقط بإسناد صحيح (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۴۱۷، الترغيب فى بناء المساجد فى الأمكنة المحتاجة إليها)

وقال الاعظمى: اسناده صحيح (تعليق ابنِ خزيمة، حواله بالا)

کا جنت میں گھر بنائیں گے (احادیث المرفوعہ)

اس حدیث سے مسجد بنانے اور پانی کا کسی بھی شکل میں (خواہ نہر جاری کرکے، یا کنواں کھدوا کر، یا بورنگ ونل وغیرہ لگوا کر، یا فلٹر پلانٹ تیار کرکے) انتظام کرنے کی فضیلت معلوم ہوئی کہ یہ انسان کے لئے صدقۂ جاریہ ہے۔

قطاء (کبوتر کی ایک خاص قسم) کے انڈے دینے کے گڑھے کے برابر یا اس سے بھی چھوٹی جگہ کا اس حدیث میں جو ذکر کیا گیا ہے۔ [۱]

یہ بات مبالغے کے طور پر چھوٹی سے چھوٹی نماز کی جگہ کی فضیلت واہمیت کو بیان کرنے کے لیے کہی گئی ہے۔

اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جس کو مسجد بنانے میں جتنی شرکت کی توفیق ہوگئی، وہ بھی جنت میں اپنا گھر بنانے کی فضیلت سے محروم نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [۲]

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مستقل طور پر پانی کا انتظام کردینا بہترین صدقہ ہے کیونکہ پانی عام مخلوق کے کام آتا ہے اور اس سے طرح طرح کی دینی ودنیوی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔

---

[۱] قوله: "مفحص قطاة" يعنى موضعها الذى تجثم فيه، وإنما سماه مفحصا؛ لأنها لاتجثم حتى تفحص عنه التراب، وتصير إلى موضع مطمئن مستو؛ ولهذا قيل: فحصت عن الأمور، إذا أكثرت المسألة عنها، حتى تنكشف له وإلى ماتقنع به، وتطمئن إليه منها (الاوسط لابن المنذر، رقم الحديث ۲۵۰۸)

قال ابو عبيد: قوله: "مفحص قطاة" يعنى موضعها الذى تجثم فيه، وإنما سمى مفحصا؛ لأنها لاتجثم حتى تفحص عنه التراب، وتصير إلى موضع مطمئن مستو؛ ولهذا قيل: فحصت عن الأمور، إذا أكثرت المسألة عنها، والنظر فيها حتى تصير منها الىٰ ان تنكشف لک إلى ماتقنع به، وتطمئن إليها منها (غريب الحديث لابى عبيد القاسم بن سلام الهروى، جزء۳ صفحه ۱۳۱، ۱۳۲، مادة "فحص")

[۲] وترددوا فى شرحه فإنه لايمكن فيه الصلاة فقالوا ماقالوا، منها ماقيل: إنه فى حق من اشترك فى المتفرقات لبناء المسجد فإن من أدخل فيها شيئا قليلاً يحرز الثواب أيضاً، وإن تهيأمن متفرقة قدر مفحص قطاة من أجزاء المسجد، أقول: إن فى الحديث مبالغة ولاتكون المبالغة كذباً أصلاً فلا إشكال، ثم قيل: إن وجه اختصاص القطاة بالذكر أن مفحصه يكون على الأرض كالمسجد على الأرض سطحها (العرف الشذى شرح سنن الترمذى للكشميرى، جزء ۱ صفحه ۳۲۱، ابواب الصلاة، باب ما جاء فى فضل بنيان المسجد)

پہلے زمانے میں کنویں کی اہمیت بہت تھی اور دیہات اور قصبات اور جنگلوں میں اب بھی اس کی بہت ضرورت رہتی ہے، اور شہروں میں سرکاری نلوں سے پانی ملتا ہے۔

پس اگر کوئی شخص کسی مسجد یا مدرسہ یا مسافر خانہ میں یا کسی دوسری جگہ عام فائدہ کے لئے پانی کی ٹنکی بنوادے یا نل یا فلٹر پلانٹ لگوادے یا پانی کا بل ادا کرنے کا انتظام کردے یا پانی کھینچنے کے لئے موٹر لگوادے یا بجلی کے موٹر کا بل ادا کرنے کا بندوبست کردے تو یہ بھی پانی کے صدقہ میں شمار ہوگا، اور بہت بڑے ثواب کا باعث ہوگا۔

بلکہ شہروں میں خصوصاً مساجد ومدارس میں اب بھی کنواں کھدوادینا مناسب ہے، سرکاری نل خراب ہوجاتے ہیں، یا پانی کی قلت ہوجاتی ہے تو ان کنوؤں سے کام چلتا ہے۔

اگر مساجد ومدارس اور عام گزرگاہوں پر ہاتھ سے پانی نکالنے والا نل لگوادیا جائے تو یہ بہت بہتر ہے، اس سے پانی لینے کے لئے ڈول رسی کی ضرورت نہیں ہوتی۔

پانی کے انتظام کرنے سے آخرت کے ثواب کے علاوہ دنیوی ضرورتیں بھی پوری ہوتی ہیں۔[1]

اور بھی کئی احادیث میں مذکورہ حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے چھوٹی سے چھوٹی مسجد بنانے پر فضیلت کا ذکر آیا ہے۔

چنانچہ حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا وَلَوْ مِفْحَصَ قَطَاةٍ بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ، وَهٰذِهِ الْمَسَاجِدُ الَّتِيْ بِطَرِيْقِ مَكَّةَ؟فَقَالَ: وَتِلْكَ (مسند اسحاق بن راهويه) [2]

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ''پانی کا بحران اور اس کا حل'' مشمولہ: ''زلزلہ، استسقاء، قنوتِ نازلہ اور نمازِ گرہن کے احکام'' مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی۔

[2] رقم الحديث ۱۲۱۴، ج۳ص ۶۳۳، الناشر: مكتبة الايمان، المدينة المنورة، واللفظ لهٗ؛ مصنف ابنِ ابی شيبة، رقم الحديث ۳۱۷۸؛ المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية للعسقلانی، رقم الحديث ۳۵۳.

ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسجد بنائی (اگرچہ) قطاء (کبوتر کی ایک خاص قسم) کے انڈے دینے کے گڑھے کے برابر ہو، تو اللہ تعالیٰ اُس کا جنت میں گھر بنائیں گے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اور یہ مکہ کے راستے کی جو مساجد ہیں؟ (جو کہ بہت چھوٹی ہیں، وہ بھی اس فضیلت میں داخل ہیں؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ہاں) وہ بھی (مسند اسحاق)

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مسجد بنانے کی یہ عظیم فضیلت اُسی صورت میں حاصل ہوگی جبکہ شہرت اور نام آوری، ریاونمود اور ہر قسم کی فاسد غرض سے بچ کر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اخلاص کے ساتھ مسجد بنائی ہو، چنانچہ کئی احادیث میں اس فضیلت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کی قید بھی صاف طور پر آئی ہے۔

اور اتنی چھوٹی مسجد بنانے کی فضیلت دوسری سندوں سے مروی احادیث میں بھی آئی ہے۔ [1]

---

[1] عن عطاء بن أبی رباح، عن جابر بن عبد الله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :من بنى مسجدا لله كمفحص قطاة، أو أصغر، بنى الله له بيتا فی الجنة(ابنِ ماجه رقم الحديث ۷۳۸، باب من بنى لله مسجدا، واللفظ لهٗ؛ شرح مشكل الآثار، رقم الحديث ۱۵۵۷)

قال البوصيری: هذا إسناد صحيح رواه ابن حبان فی صحيحه (مصباح الزجاجة، تحت رقم الحديث ۲۷۸، أبواب بناء المسجد)

عن ابن عباس، عن النبی صلى الله عليه وسلم، أنه قال " :من بنى لله مسجدا ولو كمفحص قطاة لبيضها، بنى الله له بيتا فی الجنة "(مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۵۷، مسند الطيالسی، رقم الحديث ۲۷۳۹؛ مسند البزار، رقم الحديث ۵۰۷۹؛ فوائد العراقيين لابی سعيد النقاش، رقم الحديث ۵۶؛ معجم ابن الاعرابی، رقم الحديث ۴۰۲)

فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره، وهذا إسناد ضعيف لضعف جابر الجعفی.

وقال الهيثمی: رواه أحمد والبزار وفيه جابر الجعفی وهو ضعيف (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۹۳۷، باب بناء المساجد)

عن أبی ذر ، عن النبی صلى الله عليه وسلم ، قال :من بنى لله مسجدا ولو مفحص

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جن سے معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی مسجد بنانے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت میں گھر عطا کئے جانے کی فضیلت حاصل ہونے کے لئے نیت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس عمل میں اخلاص شرط ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قطاة، بنى الله له بيتا فى الجنة (مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۳۱۷۴؛ الفوائد المنتقاه عن الشيوخ العوالى لعلى بن عمر الحربى، رقم الحديث ۱۳۹؛ حديث ابى الفضل الزهرى، رقم الحديث ۶۲۹ ،المعجم الصغير للطبرانى، رقم الحديث ۱۱۰۵؛ شعب الايمان للبيهقى، رقم الحديث ۲۶۸۱؛ السنن الكبرىٰ للبيهقى، رقم الحديث ۴۲۹۲؛ صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۱۶۱۰ ورقم الحديث ۱۶۱۱؛ مسند الشهاب القضاعى رقم الحديث ۴۵۸؛ مسند الطيالسى، رقم الحديث ۴۶۳؛ مشكل الآثار، رقم الحديث ۱۵۵۵، عن ابن عباس، باب بيان ماروى عن رسول الله من قوله من بنى لله مسجدا؛ مسند البزار، رقم الحديث ۴۰۱۷)

قال الطبرانى: لم يروه عن ابنِ عيينة الا مؤمل.

وقال الهيثمى: رواه البزاروالطبرانى فى الصغيرورجالهٗ ثقات(مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۹۳۸، باب بناء المساجد)

عن أبى ذر ، قال :من بنى لله مسجدا ولو مثل مفحص قطاة ، بنى له بيت فى الجنة (مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۳۱۷۳؛ واللفظ لهٗ؛ السنن الكبرىٰ للبيهقى، رقم الحديث ۴۲۹۲؛ الاوسط فى السنن والاجماع والاختلاف، رقم الحديث ۲۵۰۸، وقال عن ابى ذر يرفعه)

عن أنس بن مالك قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من بنى لله عز وجل مسجدا كمفحص قطاة بنى الله عز وجل له بيتا فى الجنة (المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ۱۸۵۷، واللفظ لهٗ؛ مسند ابى يعلى الموصلى، رقم الحديث ۴۰۱۸)

قال الطبرانى: لم يروهذا الحديث عن الاعمش الا شريك، تفرد به:اسحاق.

عن أبى بكر الصديق، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من بنى مسجدا لله عز وجل ولو مثل مفحص قطاة بنى الله له بيتا فى الجنة (مسند الشهاب القضاعى، رقم الحديث (۴۸۰؛ الضعفاء الكبير للعقيلى، رقم الحديث ۴۲۲، تحت ترجمة ”الحكم بن يعلى بن عطاء المحاربى“)

عن ابن عمر قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من بنى لله مسجدا ولو كمفحص قطاة بنى الله له بيتا فى الجنة(المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ۶۱۶۷؛ الفوائدالمنتقاه عن الشيوخ العوالى لعلى بن عمر الحربى، رقم الحديث ۱۳۸؛ تاريخِ بغداد، ج۵ص ۲۴۱)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

آج کل بعض لوگ شہرت اور نام ونمود کے لیے مساجد تعمیر کرتے ہیں۔
اور اُن کے پیشِ نظر خالص اللہ تعالیٰ کی رضا نہیں ہوتی۔
ایسے لوگ اس فضیلت کے مستحق نہیں ہیں۔
اسی طرح بعض لوگ مساجد وغیرہ پر اپنا نام کندہ کرادیتے ہیں، یہ بھی اخلاص کے تقاضوں کے مطابق معلوم نہیں ہوتا۔ [1]

کھیتی باڑی کرنا، درخت لگانا

احادیث میں درخت، پودا وغیرہ لگانے اور کھیتی باڑی وغیرہ کرنے کے عمل کے ثواب کو بھی جاری رہنے والے ثواب اور صدقۂ جاریہ میں شمار کیا گیا ہے۔
چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اُمِّ مَعْبَدٍ حَائِطًا فَقَالَ یَااُمَّ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال الطبرانی: لم یرو ھذا الحدیث عن نافع الا ابن ابی لیلیٰ، ولاعن ابن ابی لیلی الا الحکم بن ظھیر.
ملحوظ رہے کہ آخری روایت کی سند میں ایک راوی حکم بن ظہیر ہیں جن کو متروک قرار دیا گیا ہے۔
قال الھیثمی:
رواہ البزاروالطبرانی فی الاوسط الا انہ قال "ولو کمفحص قطاۃ" وفیہ الحکم بن ظھیر وھو متروک (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۱۹۳۹، باب بناء المساجد)

[1] وبکل حال ، فالاخلاص شرط لحصول الثواب فی جمیع الاعمال ، فان الاعمال بالنیات، وانما لامری مانوی، وبناء المساجد من جملۃ الاعمال، فان کان الباعث علی عملہ ابتغاء وجہ اللہ حصل لہ ھذاالاجر ،وان کان الباعث علیہ الریاء والسمعۃ او المباھاۃ فصاحبہ متعرض لمقت اللہ وعقابہ ، کسائر من عمل شیئا من اعمال البر یرید بہ الدنیا کمن صلی یرائی، اوحج یرائی ، او تصدق یرائی (فتح الباری لابن رجب، جزء۳ص ۳۲۲، کتاب الصلاۃ، باب من بنیٰ مسجدا)
ویکون للہ لاخراج ما بنی للریاء والسمعۃ ولذا قیل من کتب اسمہ علی بنائہ دل ذالک منہ علی عدم اخلاصہ قال ابن حجر وھو ظاھر مالم یقصد بکتابۃ اسمہ نحو الدعاء والترحم وفیہ ان الدعاء والترحم یحصل مجملا ومبھما فلایحتاج تعیین الی الاسم (مرقاۃ المفاتیح، ج۲ص ۵۹۱، کتاب الصلاۃ، باب المساجد ومواضع الصلاۃ)

مَعْبَدٍ مَنْ غَرَسَ هٰذَا النَّخْلَ اَمُسْلِمٌ اَمْ كَافِرٌ فَقَالَتْ بَلْ مُسْلِمٌ قَالَ فَلَايَغْرِسُ الْمُسْلِمُ غَرْسًا فَيَأْكُلَ مِنْهُ اِنْسَانٌ وَلَا دَابَّةٌ وَلَاطَيْرٌ اِلَّا كَانَ لَهٗ صَدَقَةً اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ(مسلم) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُمِ معبد کی دیوار کے قریب تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ اے اُمِ معبد یہ کھجور کا درخت کسی مسلمان نے لگایا یا کافر نے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ مسلمان نے لگایا ہے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی مسلمان بھی کوئی درخت لگاتا ہے پھر اس درخت سے کوئی انسان اور کوئی چوپایہ اور کوئی پرندہ جو بھی (اس درخت کے پھل، پھول، پتے، شاخ وغیرہ سے) کھاتا ہے، تو وہ درخت لگانے والے کے لئے صدقہ ہوتا ہے قیامت تک (مسلم)

یعنی اگر قیامت تک اس سے اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق کسی بھی شکل میں فائدہ اٹھاتی رہے، خواہ درخت لگے ہوئے ہونے کی صورت میں، یا درخت کاٹ کر اس کی لکڑی وغیرہ سے، تو درخت لگانے والے کو صدقۂ جاریہ کے طور پر اس کا ثواب ملتا رہتا ہے، جبکہ وہ مسلمان ہو۔

اور مسلم شریف ہی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

لَايَغْرِسُ مُسْلِمٌ غَرْسًا وَلَايَزْرَعُ زَرْعًافَيَأْكُلَ مِنْهُ اِنْسَانٌ وَلَا دَابَّةٌ وَلَاشَيْئٌ اِلَّا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةٌ (مسلم) [2]

ترجمہ: جو مسلمان بھی کوئی درخت لگاتا ہے یا کوئی کھیتی (یا چارہ وغیرہ) اُگاتا ہے، پھر کوئی انسان اور چوپایہ اور کوئی بھی چھوٹی موٹی چیز (خواہ وہ کوئی چیونٹی ہی کیوں نہ ہو) اس سے کچھ کھاتی ہے، تو وہ درخت اور کھیتی لگانے والے کے لئے (جاری

---

[1] رقم الحدیث ۱۰ "۱۵۵۲"، کتاب المساقاۃ، باب فضل الغرس والزرع.

[2] رقم الحدیث ۱۵۵۲ "۸"، کتاب المساقاۃ، باب فضل الغرس والزرع، واللفظ لہٗ؛ مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث ۱۹۶۹۰، المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۲۶۰ و رقم الحدیث ۲۶۳، سنن دارمی رقم الحدیث ۲۶۶۲، صحیح ابنِ حبان رقم الحدیث ۳۴۳۷.

رہنے والا) صدقہ بن جاتا ہے (مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے پھل دار درخت نہیں لگایا، بلکہ کوئی ایسا درخت لگادیا جس کے پتے اور شاخوں وغیرہ کو چارے کے طور پر بعض جانور کھاتے ہیں، یا کوئی پھول دار درخت یا پودا لگادیا، جس سے کیڑے مکوڑے اور مکھیاں وغیرہ غذا حاصل کرتی ہیں (جیسے شہد کی مکھیاں اسی طرح کے پھل پھولوں سے رس حاصل کرکے اپنی غذا حاصل کرتی ہیں، اور شہد بھی تیار کرتی ہیں جو بعد میں غذاؤں اور دواؤں کے کام آتا ہے)

یا اس سے بھی کم درجہ کا کوئی اور گھاس پھونس اُگادیا، جو بعض جانوروں (مثلاً اونٹ، گائے، بھینس، بکری، گدھے، گھوڑے وغیرہ) کے چارے کے کام آتا ہے، تو یہ بھی انسان کے لئے عظیم صدقہ ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَامِنْ مُسْلِمٍ غَرَسَ غَرْسًا فَأَكَلَ مِنْهُ اِنْسَانٌ اَوْ دَابَّةٌ اِلَّا كَانَ لَهُ بِهٖ صَدَقَةٌ (بخاری) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان بھی کوئی درخت لگاتا ہے، پھر اس سے کوئی انسان یا چوپایہ کھاتا ہے، تو وہ درخت لگانے والے کے لئے صدقہ بن جاتا ہے (بخاری)

اور مسند احمد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ:

لَايَغْرِسُ مُسْلِمٌ غَرْسًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ اِنْسَانٌ اَوْ دَابَّةٌ اَوْطَائِرٌ اِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةً (مسند احمد، رقم الحديث ۱۲۹۹۹، مسند انس بن مالك رضى الله عنه) [2]

ترجمہ: جو مسلمان بھی کوئی درخت لگاتا ہے، پھر اس سے کوئی انسان یا چوپایہ یا کوئی پرندہ کھاتا ہے، تو وہ درخت لگانے والے کے لئے صدقہ بن جاتا ہے (مسند احمد)

---

[1] رقم الحديث ۶۰۱۲، كتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم.

[2] فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات.

اور مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اس طرح ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ غَرَسَ غَرْسًا أَوْ زَرَعَ زَرْعًا فَأَکَلَ مِنْہُ اِنْسَانٌ اَوْ طَیْرٌ اَوْ سَبُعٌ اَوْ دَابَّۃٌ فَھُوَ لَہٗ صَدَقَۃٌ (مسند احمد) [۱]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی مسلمان نے کوئی درخت لگایا، یا کوئی کھیتی (یا چارہ وغیرہ) اُگایا، پھر اس سے کسی انسان یا کسی پرندے یا درندے یا چوپائے نے کھایا، تو وہ درخت لگانے والے کے لئے صدقہ بن جاتا ہے (مسند احمد)

اور صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَغْرِسُ غَرْسًا إِلَّا کَانَ مَا أُکِلَ مِنْہُ لَہٗ صَدَقَۃً، وَمَا سُرِقَ مِنْہُ لَہٗ صَدَقَۃٌ، وَمَا أَکَلَ السَّبُعُ مِنْہُ فَھُوَ لَہٗ صَدَقَۃٌ، وَمَا أَکَلَتِ الطَّیْرُ فَھُوَ لَہٗ صَدَقَۃٌ، وَلَا یَرْزَؤُہٗ أَحَدٌ إِلَّا کَانَ لَہٗ صَدَقَۃٌ (مسلم) [۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان بھی کوئی درخت لگاتا ہے، پھر اس سے جو چیز بھی کھائی جاتی ہے (خواہ کھانے والا کوئی بھی ہو، خواہ انسان ہو یا جانور) تو وہ درخت لگانے والے کے لئے صدقہ بن جاتا ہے، اور جو اس سے چوری کیا جاتا ہے وہ بھی درخت لگانے والے کے لئے صدقہ بن جاتا ہے، اور جو اُس سے کوئی درندہ کھاتا ہے تو وہ بھی درخت لگانے والے کے لیے صدقہ بن جاتا ہے، اور جو اس سے کوئی پرندہ کھاتا ہے تو وہ بھی درخت لگانے والے کے لئے صدقہ بن جاتا ہے، اور جو اس میں سے کوئی کمی کرتا ہے (مثلاً کسی

---

[۱] رقم الحدیث ۱۵۲۰۱، مسند جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ.
فی حاشیۃ مسند احمد: حدیث صحیح، وھذا إسناد قوی، رجالہ ثقات.

[۲] رقم الحدیث ۱۵۵۲ "۷" کتاب المساقاۃ، باب فضل الغرس والزرع.

غرض سے اس کے پتے، لکڑی وغیرہ میں سے لے لیا) تو وہ بھی درخت لگانے والے کے لئے صدقہ بن جاتا ہے (مسند احمد)

فائدہ: جب تک درخت لگا ہوا ہوتا ہے، اس وقت تک تو اس سے انسان اور چرند پرند مختلف شکلوں سے فائدہ اٹھاتے ہی ہیں، اور کچھ بھی نہ ہو تو چرند پرند اس پر رہائش رکھتے ہیں، اور اس کے ذریعہ سے گرمی، سردی، بارش، دھوپ اور موذی جانوروں سے حفاظت کا سامان کرتے ہیں، اور انسان اور جانور اس کے سایہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور اس درخت پر آنے والے پھل سے دوسرے پھلوں کے بیج اور گٹھلیاں نکلتی ہیں، اور کتنے دوسرے درخت اور پودے تیار ہوتے ہیں۔

بعض درختوں اور جڑی بوٹیوں کی مختلف چیزیں بے شمار دوائیوں میں استعمال ہوتی ہیں، اور درخت سے گوند وغیرہ بھی نکلتا ہے، جو مختلف شکلوں میں کام آتا ہے، پھر اس سے کاٹی جانے والی لکڑی بلکہ اس کے پتوں سے آگ جلا کر مختلف طریقوں سے ضرورت پوری کی جاتی ہے، لکڑی سے بے شمار ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، اور اگر درخت کاٹ لیا جائے، تو اس سے بڑے بڑے شہتیر، کڑیاں، دروازے، کھڑکیاں، میزیں اور صوفے اور چھٹے وغیرہ بنتے ہیں، اور بانس بھی سیڑھی اور دوسری شکلوں میں کام آتے ہیں۔

غرضیکہ درخت کا نفع بہت عام اور وسیع ہے، اس لئے یہ عظیم صدقہ بلکہ صدقۂ جاریہ ہے۔

مسند احمد میں حضرت اُمِ مبشر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ غَرَسَ غَرْسًا، أَوْ زَرَعَ زَرْعًا، فَأَكَلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ، أَوْ سَبُعٌ، أَوْ دَابَّةٌ، أَوْ طَيْرٌ، فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ

(مسند احمد، رقم الحديث ۲۷۰۴۳) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس (مسلمان) نے کوئی درخت

---

[1] فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط مسلم.

لگایا، یا کوئی کھیتی کی پھر اس سے کسی انسان نے یا درندے نے یا چوپائے نے یا پرندے نے کچھ کھالیا تو وہ اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے (مسند احمد)

اللہ تعالیٰ کا کتنا عظیم فضل ہے کہ درخت سے اگر کوئی انسان پرند، چرند کھائے، بلکہ کوئی اگر چوری بھی کرے، وہ سب درخت لگانے والے کے لئے صدقہ بن جاتا ہے۔

حضرت خلاد بن سائب رحمہ اللہ اپنے والد حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ زَرَعَ زَرْعًا فَأَكَلَ مِنْهُ الطَّيْرُ اَوِ الْعَافِيَةُ كَانَ لَهُ بِهٖ صَدَقَةٌ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کوئی (کھیتی) کاشت کی، پھر اس سے کسی پرندے نے کھایا یا کسی بھی رزق کے طلبگار (خواہ انسان ہو یا جانور ہو) نے کھایا، تو وہ کھیتی اس لگانے والے کے لئے صدقہ بن جاتی ہے (مسند احمد)

حضرت خلاد بن سائب انصاری رضی اللہ عنہ سے دوسری سند کے ساتھ بھی اس طرح کی حدیث مروی ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ١٦٥٥٨، حديث السائب بن خلاد، واللفظ لهٗ؛ المعجم الكبير للطبرانى رقم الحديث ٤٠٢٦.

فى حاشية مسند احمد: اسنادهٗ حسن.

وقال الهيثمى: رواه أحمد، والطبرانى فى الكبير، وإسناده حسن (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٦٢٦٥، باب اتخاذ الشجر وغير ذلك)

[2] عن محمد بن كعب القرظى، عن خلاد بن السائب الأنصارى رضى الله عنه، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ما من شىء يصيب من زرع أحدكم ولا ثمرة من طير ولا سبع إلا وله فيه أجر (المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ٤١٣٣، واللفظ لهٗ؛ معرفة الصحابة لابى نعيم، رقم الحديث ٢٤٨٢)

عن محمد بن كعب القرظى، عن السائب بن سويد، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :ما من شىء يصيب زرع أحدكم من العوافى إلا كتب الله له به أجرا (المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ٦٦٣٩)

قال الهيثمى: رواه الطبرانى فى الكبير، وفيه عبد الله بن موسى التيمى، وهو ثقة لكنه كثير الخطإ، وبقية رجاله ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ٦٢٦٩، باب اتخاذ الشجر وغير ذلك)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اَنَّ رَجُلًا مَرَّ بِهٖ وَهُوَ يَغْرِسُ غَرْسًا بِدَمِشْقَ فَقَالَ اَتَفْعَلُ هٰذَا وَاَنْتَ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَعْجَلْ عَلَيَّ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ غَرَسَ غَرْسًا يَأْكُلُ مِنْهُ آدَمِيٌّ وَلَاخَلْقٌ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا كَانَ لَهٗ صَدَقَةً (مسند احمد، رقم الحديث ۲۷۵۰۶) ؎

ترجمہ: ایک آدمی کا گزر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا، اس وقت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ دمشق میں ایک درخت لگارہے تھے، تو اس شخص نے کہا کہ آپ یہ درخت لگارہے ہیں، حالانکہ آپ صحابیٔ رسول ہیں (مطلب یہ تھا کہ آپ صحابیٔ رسول ہوکر یہ کام کررہے ہیں)

تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ میرے اس معاملہ میں جلد بازی نہ کریں۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے فرمایا کہ جس نے درخت لگایا، اس سے کوئی آدمی یا اللہ عزوجل کی کوئی بھی مخلوق کھائے گی تو وہ اس درخت لگانے والے کے لئے صدقہ ہوجائے گا (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ درخت لگانے کا عمل اتنا عظیم الشان ہے کہ اس کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے خود اپنے ہاتھ سے انجام دیا ہے، کیونکہ ان کو اس عمل کی فضیلت اور اہمیت معلوم تھی۔

؎ فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره .

وقال المنذری: رواه أحمد وإسناده حسن (الترغيب والترهيب، تحت رقم الحديث ۳۹۲۹، كتاب البر والصلة وغيرهما)

وقال الهيثمی: رواه احمد والطبرانی فی الكبير، ورجاله موثقون وفيهم كلام لايضر (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۶۲۶۷، باب اتخاذ الشجر وغير ذلك)

بنجرزمین کوآباد کرنا

احادیث میں کھیتی باڑی کرنے اور درخت وغیرہ لگانے کے ساتھ ساتھ، بنجر زمین کوآباد کرنے کو بھی صدقۂ جاریہ میں شمار کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً ، فَلَهُ فِيهَا أَجْرٌ، وَمَا أَكَلَتِ الْعَافِيَةُ مِنْهَا، فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۴۵۰۰) ۱؎

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی مردہ (یعنی بنجر اور بے آباد) زمین کو زندہ کیا تو اس کو اس عمل سے اجر حاصل ہوتا ہے اور جو کوئی رزق کا طلبگار (انسان یا کسی بھی قسم کا جانور یا چرند پرند) اس (کھیتی باڑی اور اس کی جڑ، تنے، شاخ، پتے، پھل و پھول) سے کھاتا ہے تو اس میں اس شخص کو صدقہ کا اجر حاصل ہوتا ہے (مسند احمد)

اس طرح کی احادیث اور سندوں سے بھی مروی ہیں۔ ۲؎

۱؎ في حاشية مسند احمد: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن.

۲؎ عن أبي أيوب الأنصاري، عن رسول الله ﷺ أنه قال: ما من رجل يغرس غرسا إلا كتب الله له من الأجر قدر ما يخرج من ثمر ذلك الغراس (مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۵۲۰)

قال الهيثمي: رواه احمد وفيه عبدالله بن عبدالعزيز وثقه مالك وسعيد بن منصور وضعفه جماعة وبقية رجاله رجال الصحيح (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۶۲۶۶، باب ماجاء في البنيان)

أُمُّ سَلَمَةَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ : مَا مِنِ امْرِءٍ يُحْيِي أَرْضًا، فَيَشْرَبُ مِنْهُ كَبِدٌ حَرَّى أَوْ يُصِيبُ مِنْهُ عَافِيَةٌ، إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ بِهِ أَجْرًا (المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث ۹۴۹)

قال الهيثمي: رواه الطبراني في الأوسط، وفيه موسى بن يعقوب الزمعي وثقه ابن معين وابن حبان، وضعفه ابن المديني، وتفرد عن قريبة شيختہ (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۶۷۸۲، باب إحياء الموات)

مقتضاه ان اجر ذالک يستمر مادام الغرس ماكولا منه ولو مات غارسه او انتقل ملكه لغيره (فيض القدير للمناوى، تحت رقم حديث ۸۰۳۵)

نیک عمل کی بنیاد ڈالنے اور نیک راستہ پر لگانے کا ثواب

احادیث میں کسی نیک عمل کی بنیاد ڈالنے اور اچھا ونیک طریقہ جاری کرنے اور کسی کو نیکی کے راستہ پر لگانے کو بھی جاری رہنے والے ثواب میں شمار کیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

أَرْبَعٌ يُعْطَاهُنَّ الرَّجُلُ بَعْدَ مَوْتِهِ: ثُلُثُ مَالِهِ إِذَا كَانَ فِيهِ قَبْلَ ذٰلِكَ لِلّٰهِ مُطِيعًا، وَالْوَلَدُ الصَّالِحُ يَدْعُوْ لَهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ، وَالسُّنَّةُ الْحَسَنَةُ يَسُنُّهَا الرَّجُلُ فَيُعْمَلُ بِهَا بَعْدَ مَوْتِهِ، وَالْمِائَةُ إِذَا شَفَعُوْا لِلرَّجُلِ شُفِّعُوْا فِيهِ (مسند الدارمی) [1]

ترجمہ: چار چیزیں ہیں جو آدمی کو مرنے کے بعد بھی عطا کی جاتی ہیں، ایک اپنے مال کا تہائی حصہ؛ بشرطیکہ اس مال کے حاصل کرنے میں وہ اللہ تعالیٰ کا تابعدار رہا ہو، دوسرے نیک صالح اولاد؛ جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرتی ہو، تیسرے نیک طریقہ جو وہ جاری کرے؛ اور لوگ اس کی موت کے بعد اس پر عمل کریں، چوتھے سو افراد جو اس کی شفاعت (یعنی مغفرت کی دعا) کریں؛ تو یہ شفاعت قبول کی جاتی ہے (دارمی)

اس حدیث سے ایک چوتھی چیز جس کا فوت ہونے والے کو بعد میں فائدہ حاصل ہوتا ہے، اس کے لئے مغفرت کی دعا کرنا معلوم ہوئی۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۵۳۴، کتاب المقدمة، باب من سن سنة حسنة أو سيئة.
فی حاشية مسند الدارمی: إسناده صحيح إلى عبد الله ولكن مثله لا يقال بالرأى.

[2] اس حدیث میں پہلی تین چیزیں تو ایسی ہیں، جن میں انسان کی اپنی سعی کو دَخل ہے، اور چوتھی چیز یعنی شفاعت ودعا ایسی ہے جو انسان کی اپنی حقیقی سعی میں داخل نہیں؛ اس سے ظاہر ہوا کہ دوسرے کے اُس عمل سے بھی انسان کو فائدہ ہوتا ہے جس میں اُس کی حقیقی سعی کو دَخل نہ ہو، جس سے ایصالِ ثواب کی بنیاد کا ثبوت ہوتا ہے۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوسری احادیث کے پیشِ نظر مذکورہ حدیث میں شفاعت سے مراد جنازہ کی نماز اور اس میں میت کے لئے دعا کرنا ہے، کیونکہ دعا کی حقیقت بھی اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کرنا ہے۔ ۱؎

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَامِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهُ اِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ (مسلم) ۲؎

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی مسلمان میت ایسی نہیں کہ جس پر مسلمانوں کی ایک جماعت جس کی تعداد سو تک پہنچی ہوئی ہو، نمازِ جنازہ پڑھیں اور وہ سب اس میت کے لئے شفاعت (یعنی مغفرت کی دعا) کریں، مگر اس میت کے حق میں ان کی شفاعت (اور مغفرت کی دعا) کو قبول کیا جاتا ہے (مسلم)

بعض احادیث میں سو کے بجائے چالیس افراد کی تعداد کا ذکر ہے۔ ۳؎

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

امام قرطبی رحمہ اللہ نے قرائت کو دعا کے درجے میں فرمایا ہے، لہٰذا قرائت کے ذریعے سے بھی ایصالِ ثواب درست ہے۔

والقراءة فی معنی الدعاء وذلک صدقة من الولد ومن الصاحب والصديق والمؤمنين حسب ماذكرنا (التذكرة فی احوال الموتىٰ وامور الآخرة للقرطبی، صفحه ۷۸، باب ماجاء فی قراء ة القرآن عند القبر حالة الدفن وبعده)

۱؎ (يبلغون مائة)جملة فی محل الحال من فاعل يصلی (كلهم) يحتمل ان يكون مبتدأ وخبره(يشفعون) ويحتمل ان يكون تاكيدا معنويا لفاعل يبلغون، وجملة يشفعون حال منه او من امة فهی متداخلة او مترادفة او مستانفة استئنافا بيانيا (الا شفعوا) بالبناء للمفعول:ای من اعم الاحوال (دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج۶ص ۱۱۴،تحت رقم الحديث ۲۹۳۳، باب استحباب تكثير المصلين)

۲؎ رقم الحديث ۹۴۷"۵۸"كتاب الجنائز، باب من صلی عليه مائة شفعوا فيه، واللفظ لهٗ؛ نسائی، رقم الحديث ۱۹۹۱؛ السنن الصغير للبيهقی، رقم الحديث ۱۱۳۲.

۳؎ عن عبد الله بن عباس :أنه مات ابن له بقديد، أو بعسفان، فقال :يا كريب، انظر ما اجتمع له من الناس، قال :فخرجت، فإذا ناس قد اجتمعوا له، فأخبرته، قال :يقول: هم أربعون ؟ قال :نعم، قال :أخرجوه، فإنی سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول " :ما من مسلم يموت، فيقوم على جنازته أربعون رجلا لا يشركون بالله شيئا، إلا شفعهم الله فيه "(مسند احمد، رقم الحديث ۲۵۰۹)

فی حاشية مسند احمد: إسناده جيد.

اور بعض روایات میں تین صفوں کا ذکر ہے۔ ؎۱

ممکن ہے کہ اس فضیلت کا اصل حکم تو سو کی تعداد ہی کے لئے ہو، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس سے کم تعداد (مثلاً چالیس افراد یا تین صفوں) کو بھی یہ فضیلت عطا فرمادی ہو۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان سب احادیث کا مقصد تعداد کی کثرت کو بیان کرنا ہو۔ ؎۲

مختلف احادیث میں جو متعدد اور کئی چیزوں کا ثواب جاری رہنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

بعض اہلِ علم حضرات نے اُن کو جمع کیا تو تعداد میں گیارہ یا تیرہ بنتی ہیں۔

لیکن محدثین نے فرمایا کہ مختلف احادیث میں جو چیزیں بیان فرمائی گئی ہیں، وہ بطور مثال کے بیان فرمائی گئی ہیں۔

اور وہ تمام چیزیں اُس حدیث میں کہ جس میں تین چیزوں کا ذکر ہے، داخل ہیں، اور ان سب حدیثوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔

؎۱ عن مرثد بن عبد الله، عن مالك بن هبيرة، أنه كان إذا تبع جنازة فاستقبل أهلها، جزأهم ثلاثة صفوف، ثم صلى عليها، وأخبر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :ما صلى على ميت ثلاثة صفوف إلا وجبت (مسند ابی یعلیٰ، رقم الحديث ٦٨٣١، واللفظ لهٗ؛ ابوداؤد، رقم الحديث ٣١٦٦)

فی حاشية مسند ابی یعلیٰ: رجاله ثقات.

؎۲ وفی رواية ما من رجل يموت فيقوم على جنازته أربعون رجلا لا يشركون بالله شيئا إلا شفعهم الله فيه وفی حديث آخر ثلاثة صفوف رواه أصحاب السنن قال القاضی قيل هذه الأحاديث خرجت أجوبة لسائلين سألوا عن ذلک فأجاب كل واحد منهم عن سؤاله هذا كلام القاضی ويحتمل أن يكون النبی صلى الله عليه وسلم أخبر بقبول شفاعة مائة فأخبر به ثم بقبول شفاعة أربعين ثم ثلاث صفوف وإن قل عددهم فأخبر به ويحتمل أيضا أن يقال هذا مفهوم عدد ولا يحتج به جماهير الأصوليين فلا يلزم من الإخبار عن قبول شفاعة مائة منع قبول ما دون ذلک وكذا فی الأربعين مع ثلاثة صفوف وحينئذ كل الأحاديث معمول بها ويحصل الشفاعة بأقل الأمرين من ثلاثة صفوف وأربعين (شرح النووی على مسلم تحت رقم الحديث ٩٤٧، كتاب الجنائز)

قال التوربشتی :لا تضاد بين حديث عائشة وكريب ;لأن السبيل فی أمثال هذا المقام أن يكون الأقل من العددين متأخرا عن الأكثر ;لأن الله تعالى إذا وعد المغفرة لمعنى لم يكن من سنته النقصان من الفضل الموعود بعد ذلک، بل يزيد تفضلا، فيدل على زيادة فضل الله وكرمه على عباده اهـ .ويحتمل أن يكون المراد بهما الكثرة، إذ العدد لا مفهوم له (مرقاة المفاتيح، ج٣ص ١٢٠١، كتاب الجنائز، باب المشی بالجنازة والصلاة عليها)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقَصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقَصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئٌ (مسلم) [1]

ترجمہ: جس نے اسلام میں نیکی کا کوئی طریقہ چلایا (خیر کے کسی باب کا اجراء کیا) تو اس کو اپنی اس نیکی کا ثواب بھی ملے گا اور اس کے بعد جو اور لوگ اس پر عمل کریں گے ان کے عمل کا بھی اجر وثواب اس کو ملے گا۔ بغیر اس کے کہ ان عاملین کے ثواب میں سے کچھ کمی ہو، اور اسلام میں جس نے کسی برائی کو جاری کیا، تو اس پر اپنی اس برائی کا وبال ہوگا اور اُس کے بعد جتنے لوگ بھی اس برائی کو اختیار کریں گے، ان سب کے گناہوں کا بوجھ بھی اس پر ڈالا جائے گا، بغیر اس کے کہ ان کے اپنے بوجھوں میں کوئی کمی ہو (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ دَعَا إِلٰى هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا، وَمَنْ دَعَا إِلٰى ضَلَالَةٍ، كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ

---

[1] رقم الحديث ۱۰۱۷ ”۶۹“، كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة، واللفظ لهٗ و رقم الحديث ۱۰۱۷ ”۱۵“، النسائى، رقم الحديث ۲۵۵۴؛ ابنِ ماجه، رقم الحديث ۲۰۳؛ و رقم الحديث ۲۰۷؛ مسند احمد، رقم الحديث ۱۹۱۵۶؛ مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۹۸۹۵، كتاب الزكاة، ماجاء فى الحث على الصدقة وأمرها؛ المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۲۳۱۳؛ دارمى، رقم الحديث ۵۳۱؛ صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ۳۳۰۸؛ صحيح ابنِ خزيمة، رقم الحديث ۲۴۷۷.

ذٰلِکَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے (کسی کو) ہدایت کی طرف بلایا تو اس کو ان لوگوں کے عمل کے برابر ثواب حاصل ہوگا جنہوں نے اس کی ہدایت کی پیروی کی، مگر اس کی وجہ سے ان (ہدایت پر چلنے والوں) کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی، اور جس نے (کسی کو) ضلالت و گمراہی کی طرف بلایا، تو اس کو ان لوگوں کے گناہوں کے برابر گناہ ہوگا، جنہوں نے اس کی ضلالت و گمراہی کی پیروی کی، مگر اس کی وجہ سے ان (گناہگاروں) کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی (مسلم)

یہ احادیث دراصل صدقۂ جاریہ والی پہلی حدیثوں کی ایک طرح سے اُصولی انداز میں تشریح ہیں، کیونکہ پہلی حدیثوں میں جو نیک اعمال بیان کیے گئے ہیں، اُن میں ثواب کا سلسلہ اس حدیث میں بیان کردہ اُصول کے مطابق ہی ملتا ہے کہ وہ شخص کسی نہ کسی حیثیت سے نیک اعمال کا سبب بنتا ہے۔

البتہ اس حدیث میں نیک اعمال کا سبب بننے اور نیک اعمال کی بنیاد ڈالنے کے ساتھ ساتھ بُرے عمل کا سبب بننے اور بُرے عمل کی بنیاد ڈالنے والے کے گناہ کو بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

یعنی جس طرح نیکی کی بنیاد ڈالنے والا اپنے بعد برابر ثواب کا مستحق ہوتا ہے، اسی طرح گناہ اور بدعت کے کام کی بنیاد ڈالنے والا گناہ کا مستحق ہوتا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۲۶۷۴"۱۶" كتاب الزكاة، باب من سن سنة حسنة أو سيئة ومن دعا إلى هدى أو ضلالة؛ ترمذى، رقم الحديث ۲۶۷۴؛ ابوداؤد، رقم الحديث ۴۶۰۹؛ مسند احمد، رقم الحديث ۹۱۶۰؛ ابنِ حبان، رقم الحديث ۱۱۲.

[2] فيه: الحث على الابتداء بالخيرات وسن السنن الحسنات، والتحذير من اختراع الأباطيل والمستقبحات (شرح النووى على مسلم، ج۷ص ۱۴۰، كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة، تحت رقم الحديث ۷ص ۱۰۱)

وهذا الحديث من قواعد الإسلام، وهو: إن كل من ابتدع شيئا من الشر كان عليه مثل وزر كل من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وہ لوگ بہت خوش نصیب ہیں جو نیک کام اور نیک اعمال کا سبب بنتے ہیں، اور نیک اعمال کی بنیاد ڈالتے ہیں۔

دنیا چند روزہ ہے، اصل کام آنے والی چیزیں یہی ہیں، انسان کے فوت ہونے کے بعد پیچھے رہ جانے والی چیزیں بے کار چلی جاتی ہیں، مگر جو چیزیں ثواب اور نیکیوں کا ذریعہ بنتی ہیں وہی کارآمد ہوتی ہیں۔

اس کے برعکس وہ لوگ بڑے محرومُ القسمت ہیں، جو کسی گناہ کے کام اور بدعت کا سبب اور ذریعہ بنتے ہیں، اُن کے لیے سوائے خسارے اور نقصان کے کچھ بھی نہیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ بعض نیک کام ایسے ہیں کہ جن کی انسان خود اپنے ہاتھ سے بنیاد ڈالے اور انجام دے اور پھر دوسرے لوگ ان سے دینی ودنیاوی فائدہ اٹھائیں تو ان کا ثواب انسان کے فوت ہونے کے بعد تک جاری رہتا ہے۔

لہٰذا ہر مسلمان کو حسبِ حیثیت ایسے کام کر کے اپنے لئے ثواب کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے اپنی زندگی میں ہی اخلاص کے ساتھ حسبِ حیثیت و وسعت ایسے کاموں میں شرکت کرنی چاہئے۔

انسان کی زندگی بہت مختصر ہے اور اس کا کوئی بھروسہ نہیں۔

اگر وہ اخلاص کے ساتھ اپنی زندگی میں اپنے لئے ثواب جاری رکھنے کا انتظام کر جائے تو مختصر زندگی گزارنے کے بعد دنیا سے رخصت ہو کر لامتناہی ثواب حاصل کرنے کا مستحق بنتا رہتا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اقتدی به فی ذلک العمل مثل عمله إلی یوم القیامة، ومثله من ابتدع شیئا من الخیر کان له مثل أجر کل من یعمل به إلی یوم القیامة (شرح النووی علی مسلم، ج۷ص ۱۰۰، کتاب الزکاة، باب بیان اثم من سن القتل، تحت رقم الحدیث ۱۶۷۷)

اب رہا یہ سوال کہ اس کے لئے کون سے اعمال کو اختیار کیا جائے؟

تو گزشتہ احادیث وروایات کی روشنی میں ان کی تفصیل گزر چکی ہے۔

کوئی مسجد، مدرسہ، مسافر خانہ، کنواں، نہروغیرہ بنا کر یا قرآن مجید اور دینی کتابیں دوسروں کے پڑھنے کے لئے وقف کر کے یا ان میں اپنی حیثیت کے مطابق شرکت کر کے صدقۂ جاریہ کا انتظام کیا جائے، اولاد کو نیک صالح بنایا جائے، دین کا علم پڑھا پڑھایا جائے، دینی مدارس کا تعاون اوران کی ضروریات کا انتظام کیا جائے، دین کی طرف دعوت دی جائے، اور دینی احکام کی تبلیغ کی جائے، اور نیک کاموں کی بنیاد ڈالی جائے، درخت، پھول، بوٹے اور کھیتی باڑی کے ذریعہ انسانوں اور جانوروں کی غذا اور ضرورت وراحت کا انتظام کیا جائے۔

اور اعلیٰ درجہ کی سعادت مندی کی نشانی تو یہ ہے کہ ان میں سے جن صورتوں پر بھی عمل کی توفیق ہو جائے ان سب کو اختیار کرنا چاہئے۔

اور اگر زیادہ توفیق نہ ہو تو جس عمل کی جس وقت میں ضرورت ہو اور اس کی قدرت واستطاعت ہو، اس کو اختیار کرنا چاہئے۔

ان میں بعض اعمال ایسے بھی ہیں کہ جن میں مال خرچ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی، یا بہت کم مقدار میں مال خرچ ہوتا ہے، اور بعض کاموں میں مشقت بھی بہت کم ہے۔

اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنی آخرت وعاقبت کے لئے اپنی زندگی میں دوسرے نیک اعمال کے ساتھ ساتھ صدقۂ جاریہ کی صورتوں کو اختیار کرے۔

لیکن افسوس ہے کہ آج کل عام طور پر صدقۂ جاریہ کی جتنی ضرورت ہے، اس کا اتنا اہتمام نہیں کیا جاتا، اور صدقہ یا ہدیہ دیتے وقت اس کی رعایت نہیں کی جاتی کہ جو چیز صدقہ یا ہدیہ میں دی گئی ہے، اس کی دوسرے کو کس قدر ضرورت ہے، اور اس ضرورت کا کیا درجہ ہے؟ بسا اوقات فضول اور لایعنی چیزیں صدقہ یا ہدیہ میں دے کر صرف رسم پوری کی جاتی ہے۔

آج کل دینی علم سے جہالت عام ہے، روزمرہ کے ضروری دینی مسائل سے بھی عام لوگ

واقف نہیں، ان حالات میں دینی مضامین پر مشتمل مستند کتابوں اور رسالوں کے صدقہ وہدیہ کرنے کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، شادی بیاہ یا دوسرے مواقع پر ان کا ہدیہ کرنا دوسری عام رسمی چیزوں کے مقابلہ میں بہت اہمیت وفضیلت کا باعث ہے، اوراس کی طرف مسلمانوں کوتوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

کیا صدقۂ جاریہ کاکسی دوسرے کوایصالِ ثواب کرنا جائز ہے؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیچھے صدقۂ جاریہ کی جوصورتیں گزریں، کیا اُن میں سے کوئی عمل اختیار کرکے اُس کا دوسرے کوبھی ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے، یعنی صدقۂ جاریہ کے کسی عمل میں دوسرے کوثواب پہنچانے کی نیت کی جاسکتی ہے؟

تواس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ ایسا کرنا جائز ہے، اوراس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیثِ مبارکہ ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ:

اِنَّ اُمَّ سِعْدٍ مَاتَتْ فَاَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ اَلْمَاءُ، قَالَ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: ام سعد (یعنی میری) والدہ فوت ہوگئی ہیں، تو (ان کی طرف سے) کون سا صدقہ افضل ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی کا صدقہ، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک کنواں کھدوادیا اور فرمایا کہ یہ امِ سعد (یعنی میری والدہ) کے (ثواب) لئے ہے (ابوداؤد)

---

[1] رقم الحديث ١٦٨١، كتاب الزكاة، باب فى فضل سقى الماء، واللفظ لهٗ؛ سنن نسائى، رقم الحديث ٣٦٦٦ ورقم الحديث ٣٦٦٦؛ مسند احمد، رقم الحديث ٢٢٤٥٩.
فى حاشية مسند احمد: رجالهٗ ثقات.

مطلب یہ تھا کہ اس کا ثواب میری والدہ کے لئے ہے، اور کنویں کا انتظام صدقۂ جاریہ ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ صدقۂ جاریہ والے عمل کا دوسرے کو بھی ایصالِ ثواب کرنا جائز ہے۔ [1]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا اپنی والدہ کو ایصالِ ثواب کرنے کا واقعہ تفصیل سے آگے ان شاء اللہ تعالیٰ مالی عبادات اور صدقہ کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کی بحث میں ذکر کیا جائے گا۔

یہ مسئلہ یاد رکھنا چاہئے کہ جو عبادتیں خود مقصود ہیں، جیسے نماز، روزہ، ان کی نذر ومنت ماننا تو بالاتفاق درست ہے، لیکن جو عبادات مقصودہ نہیں ہیں، یا ان عبادات کی جنس میں سے کوئی چیز فرض نہیں ہے، جیسا کہ مریض کی عیادت کرنا، جنازہ کے پیچھے چلنا، اور مسجد میں داخل ہونا، اور قرآن مجید کی قرائت کرنا، اور مسجد ومدرسہ کی یا مسافر خانہ کی تعمیر کرنا، یا درخت لگانا وغیرہ، تو حنفیہ کے نزدیک ایسی چیزوں کی نذر ومنت منعقد نہیں ہوتی۔

جبکہ مالکیہ، حنابلہ اور شافعیہ کے صحیح قول کے مطابق ان کی نذر ومنت منعقد ہو جاتی ہے، کیونکہ یہ کام بھی عبادت میں داخل ہیں، اور احادیث کی رو سے عبادت واطاعت والے کام کی نذر ومنت ماننا درست ہے، جن میں اس طرح کے اعمال کا استثناء مذکور نہیں۔

لہٰذا اگر کسی نے مسجد بنانے یا درخت لگانے کی نذر ومنت مان لی، تو جمہور فقہائے کرام کے نزدیک اس کو پورا کرنا ضروری ہوگا، جبکہ حنفیہ کے نزدیک ضروری نہیں ہوگا، البتہ بہتر اور کارِ ثواب ہوگا۔

---

[1] (وعن سعد بن عبادة قال: يا رسول الله إن أم سعد) أراد به نفسه (ماتت، فأى الصدقة أفضل ؟) أى لروحها (قال: الماء) إنما كان الماء أفضل لأنه أعم نفعا فى الأمور الدينية والدنيوية خصوصا فى تلك البلاد الحارة، ولذلك من الله -تعالى- بقوله (وأنزلنا من السماء ماء طهورا) كذا ذكره الطيبى، وفى الأزهار: الأفضلية من الأمور النسبية، وكان هناك أفضل لشدة الحر والحاجة وقلة الماء (فحفر) أى سعد، وفى نسخة صحيحة قال -أى الراوى:- عن سعد، فحفر (بئرا) بالهمز ويبدل (وقال) أى سعد (هذه) أى هذه البئر صدقة(مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۳۴۲، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة)

البتہ جو کام گناہ میں داخل ہوں، ان کی نذر ومنت ماننا بالاتفاق درست نہیں ہے۔ [1]

[1] واختلف الفقهاء فی نذر القرب التی لا أصل لها فی الفروض كعيادة المرضى وتشييع الجنائز، ودخول المسجد وإفشاء السلام بين المسلمين، وقراء ة القرآن، وغير ذلک من الأمور التی رغب الشارع فيها.
فذهب المالكية والشافعية فی الصحيح والحنابلة إلى جواز نذر هذه القرب ولزوم الوفاء بها.
وعند الحنفية لا يصح هذا النذر؛ لأن الأصل عندهم أن ما لا أصل له فی الفروض لا يصح النذر به.
ومقابل الصحيح عند الشافعية أنه لا يلزم الوفاء بنذر مثل هذه القرب(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص۱۰۷،مادة "قربة")
(ويجب بالنذر جميع الطاعات المستحبة لما روت عائشة رضی الله عنها أن النبی صلى الله عليه وسلم قال (من نذر أن يطع الله فليطعه ومن نذر أن يعصى الله فلا يعصه) (وأما) المعاصی كالقتل والزنا وصوم يوم العيد وأيام الحيض والتصدق بما لا يملكه فلا يصح نذره لما روى عمران بن الحصين رضی الله عنه أن النبی صلى الله عليه وسلم قال (لا نذر فی معصية الله ولا فيما لا يملكه ابن آدم)(المجموع شرح المهذب، ج۸ص۴۵۲، باب النذر)
اس سلسلہ میں دلائل میں غور کرنے سے بندہ کا اپنا ذاتی رجحان جمہور فقہائے کرام کے قول کی طرف ہے، کیونکہ نذر ومنت کی اصولی احادیث میں مطلق عبادت وطاعت کی نذر منعقد ہونے اور معصیت کی اور مہمل کام کی نذر منعقد نہ ہونے کا ذکر پایا جاتا ہے۔

عن عائشة رضی الله عنها، عن النبی صلى الله عليه وسلم قال :من نذر أن يطيع الله فليطعه، ومن نذر أن يعصيه فلا يعصه(بخاری، رقم الحديث ۶۶۹۶)
عن عمران بن حصين، أن النبی صلى الله عليه وسلم قال :لا نذر فی معصية الله، ولا فيما لا يملک ابن آدم(سنن النسائی، رقم الحديث ۳۸۱۲، النذر فيما لا يملک)
عن ابن عباس، قال :بينا النبی صلى الله عليه وسلم يخطب، إذا هو برجل قائم، فسأل عنه فقالوا :أبو إسرائيل، نذر أن يقوم ولا يقعد، ولا يستظل، ولا يتكلم، ويصوم .فقال النبی صلى الله عليه وسلم :مره فليتكلم وليستظل وليقعد، وليتم صومه(بخاری، رقم الحديث ۶۷۰۴، باب النذر فيما لا يملک وفی معصية)
عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نظر إلى أعرابی قائما فی الشمس، وهو يخطب، فقال " :ما شأنک ؟ "قال :نذرت يا رسول الله، أن لا أزال فی الشمس حتى تفرغ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :ليس هذا نذرا، إنما النذر ما ابتغی به وجه الله عز وجل "(مسند احمد، رقم الحديث ۶۹۷۵)
رہا ان احادیث کے مقابلہ میں مختلف قیاسات کا معاملہ، تو قیاس کا درجہ احادیث وسنت کے بعد ہے۔
اور جہاں تک واجب اعتکاف کے لئے روزہ کے شرط ہونے کے مسئلہ کا تعلق ہے، تو وہ خود مجتہد فیہ مسئلہ ہے، جس پر کلام کی گنجائش ہے، تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''نفل، سنت اور واجب اعتکاف کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں۔

نیک اعمال میں نیابت اور ایصالِ ثواب

بہت سے نیک اعمال وہ ہیں جن میں دوسرا شخص (خواہ زندہ ہو یا مُردہ) کوئی سبب اور ذریعہ نہیں بنتا، مگر پھر بھی ان اعمال کے ذریعہ سے دوسرے کو نفع وفائدہ پہنچتا ہے، اور یہ قرآن مجید، سنت، اجماع، قیاسِ صحیح اور شرعی قواعد سے ثابت ہے۔

چنانچہ علامہ صدرالدین ابن ابی العز حنفی عقائد کی مشہور کتاب ''شرح عقیدۂ طحاویہ'' میں فرماتے ہیں کہ:

وَالدَّلِيلُ عَلٰى اِنْتِفَاعِ الْمَيِّتِ بِغَيْرِ مَاتَسَبَّبَ فِيْهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ وَالْاِجْمَاعُ وَالْقِيَاسُ الصَّحِيْحُ (شرح العقيدة الطحاوية)[1]

ترجمہ: اور میت کو بغیر سبب بنے ہوئے نفع پہنچنے کی دلیل کتابُ اللہ، سنتِ رسول اللہ، اجماعِ امت اور قیاسِ صحیح چاروں قسم کی موجود ہیں (شرح عقیدہ طحاویہ)

اور علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَالدَّلِيلُ عَلٰى اِنْتِفَاعِهٖ بِغَيْرِ مَاتَسَبَّبَ فِيْهِ الْقُرْآنُ وَالسُّنَّةُ وَالْاِجْمَاعُ وَقَوَاعِدُ الشَّرْعِ (الروح)[2]

ترجمہ: اور میت کو بغیر سبب بنے ہوئے نفع پہنچنے کی دلیل کتابُ اللہ، سنتِ رسول اللہ، اجماعِ امت اور شریعت کے قواعد چاروں قسم کی موجود ہیں (روح)

عبادات بنیادی طور پر دو قسم کی ہیں، ایک وہ جن میں صرف مال کا استعمال ہوتا ہے، جیسے زکاۃ، صدقات، اور دوسری وہ جن میں مال استعمال نہیں ہوتا بلکہ صرف بدن اور جان کا

---

[1] ج۳، ص ۱۰۰، قوله في دعاء الأحياء وصدقاتهم منفعة للأموات؛ الناشر: وزارة الشئون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد - المملكة العربية السعودية.

[2] ص ۱۱۸، المسألة السادسة عشرة، الناشر: دار الكتب العلمية - بيروت.

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

استعمال ہوتا ہے، جیسے نماز، روزہ، تلاوت، دعا، استغفار، ذکرواذکار وغیرہ۔
پہلی قسم کی عبادات کو ''مالی عبادات'' اور دوسری قسم کی عبادات کو ''بدنی عبادات'' یا ''جانی عبادات'' کہا جاتا ہے۔
اور ایک تیسری قسم ان دونوں چیزوں یعنی مال اور بدن سے مرکب عبادت کی ہے، کہ جس میں مال اور بدن دونوں کا استعمال ہوتا ہے، مثلاً حج وعمرہ۔
لیکن یہ قسم چونکہ پہلی دونوں قسم کی عبادات سے ہی مرکب ہے، مستقل کوئی تیسری قسم کی عبادت نہیں، اس لئے اس قسم کو الگ سے درجہ نہیں دیا گیا، اگرچہ بعض حضرات نے اس عبادت کے بعض احکام کو بیان کرنے کے لئے مستقل قسم شمار کیا ہے، مگر ان دونوں قسم کی تفصیلات میں کوئی ٹکراؤ نہیں، اور ایصالِ ثواب اکثر حضرات کے نزدیک ان تینوں قسم کی عبادات کے ذریعہ ثابت اور جائز ہے۔ [1]
ایصالِ ثواب کے علاوہ ایک مسلمان کے نیک عمل سے دوسرے مسلمان کو فائدہ ونفع پہنچنے کی ایک صورت نیابت ہے، جس میں ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا نائب ونمائندہ بن کر اس نیک عمل کو انجام دیتا ہے۔ [2]
اور جو عبادات خالص مالی ہیں جیسے زکاۃ اور صدقات اور کفارات، قربانی، وقف، ھبہ وغیرہ

---

[1] جن نیک اعمال کے ذریعہ مردوں کو نفع پہنچانے اور ایصالِ ثواب کرنے کا ارادہ کیا جائے ان کی تین قسمیں ہوسکتی ہیں کہ یا تو وہ صرف مالی عبادات ہوں گی (جیسے صدقہ، قربانی وغیرہ) اور یا صرف بدنی ہوں گی، یعنی ان میں پیسہ تو کوئی خرچ کرنا نہیں پڑتا، البتہ جسم وجان کو کچھ محنت ومشقت برداشت کرنی پڑتی ہے (جیسے روزہ، نماز، تلاوتِ قرآنِ پاک اور دعا، ذکراللہ وغیرہ) اور یا ان دونوں سے مرکب ہوں گی (جیسے حج) کہ ان میں روپیہ پیسہ بھی خرچ ہوتا ہے اور اس کے ارکان کی ادائیگی میں دوڑ دھوپ کی مشقت بھی اٹھانی پڑتی ہے۔
شرعی دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ ان تینوں قسم کی عبادات کے ذریعے مومنین کو نفع اور ثواب پہنچایا جاسکتا ہے۔

[2] النیابة فی اللغة :جعل الإنسان غیرہ نائبا عنہ فی الأمر .ویقال :نـاب عنہ فی ھذا الأمر نیابة: إذا قام مقامہ.والنائب :من قام مقام غیرہ فی أمر أو عمل .
والنیابة فی الاصطلاح :قیام الإنسان عن غیرہ بفعل أمر (الموسوعة الفقھیہ الکویتیة ج ۴۲ ص ۲۵، مادة:نیابة)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

ان میں تو نیابت جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

اور جو عبادات خالص بدنی ہیں جیسے نماز اور روزہ ان میں دوسرے کے زندہ ہوتے ہوئے تو نیابت جائز نہیں، البتہ بعض فقہاء کے نزدیک فوت ہونے کے بعد روزے وغیرہ میں نیابت جائز ہے۔

اور جو عبادت مال اور بدن دونوں سے مرکب ہو، جیسے حج، اس میں اکثر فقہائے کرام کے نزدیک مخصوص شرائط کے ساتھ نیابت جائز ہے۔ [1]

---

[1] النيابة فى أداء العبادات:
العبادات المالية المحضة كالزكاة والصدقات والكفارات تجوز فيها النيابة، سواء كان من هى عليه قادرا على الأداء بنفسه أم لا؛ لأن الواجب فيها إخراج المال، وهو يحصل بفعل النائب.
أما العبادات البدنية المحضة كالصلاة والصوم فلا تجوز فيها النيابة حال الحياة باتفاق؛ لقول الله تعالى :(وأن ليس للإنسان إلا ما سعى) ، وقول النبى صلى الله عليه وسلم :لا يصوم أحد عن أحد، ولا يصلى أحد عن أحد ، أى فى حق الخروج عن العهدة، لا فى حق الثواب .أما بعد الممات فكذلك الحكم عند الحنفية والمالكية، إلا ما قاله ابن عبد الحكم من المالكية من أنه يجوز أن يستأجر عن الميت من يصلى عنه ما فاته من الصلوات.
وعند الشافعية لا تجوز النيابة عن الميت فى الصلاة .أما بالنسبة للصوم فعندهم أن من فاته شىء من رمضان، ومات قبل إمكان القضاء ، فلا شىء عليه، أى لا يفدى عنه ولا إثم عليه، أما إذا تمكن من القضاء ، ولم يصم حتى مات، ففيه قولان:
أحدهما أنه لا يصح الصوم عنه، لأنه عبادة بدنية، فلا تدخلها النيابة فى حال الحياة فكذلك بعد الموت.
والقول الثانى :أنه يجوز أن يصوم وليه عنه، بل يندب، لخبر الصحيحين أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :من مات وعليه صوم صام عنه وليه وهذا الرأى هو الأظهر .قال السبكى :ويتعين أن يكون هو المختار والمفتى به، والقولان يجريان فى الصيام المنذور إذا لم يؤد .
وعند الحنابلة لا تجوز النيابة عن الميت فى الصلاة أو الصيام الواجب بأصل الشرع -أى الصلاة المفروضة وصوم رمضان -لأن هذه العبادات لا تدخلها النيابة حال الحياة، فبعد الموت كذلك.
أما ما أوجبه الإنسان على نفسه بالنذر، من صلاة أو صوم، فإن كان لم يتمكن من فعل المنذور، كمن نذر صوم شهر معين ومات قبل حلوله، فلا شىء عليه، فإن تمكن من الأداء ولم يفعل حتى مات سن لوليه فعل النذر عنه؛ لحديث ابن عباس :جاء ت امرأة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله إن أمى ماتت وعليها صوم نذر أفأصوم عنها؟ قال :أرأيت لو كان على أمك دين فقضيتيه أكان يؤدى ذلك عنها؟ قالت :نعم، قال :فصومى عن أمك . ولأن النيابة تدخل فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نیابت کے مقابلے میں ایصالِ ثواب اور بھی آسان ہے، اور وہ اکثر حضراتِ اہلِ علم کے نزدیک مالی عبادات کے ساتھ ساتھ بدنی عبادات اور مالی اور بدنی دونوں قسم کے مجموعہ سے مرکب عبادت کے ساتھ جائز ہے۔ ۱؎

اب قرآن وسنت میں مذکور ایسے چند اعمال کا الگ الگ ابواب کے تحت تذکرہ کیا جاتا ہے کہ جن کے ذریعہ سے نیابت اور دعا واستغفار وغیرہ کی شکل میں دوسرے کو نفع وفائدہ پہنچانا وایصالِ ثواب کرنا ثابت اور جائز ہے۔



﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

العبادة بحسب خفتها، والنذر أخف حكما؛ لأنه لم يجب بأصل الشرع .ويجوز لغير الولي فعل ما على الميت من نذر بإذنه وبدون إذنه .

وقد اختلف الفقهاء بالنسبة للحج باعتبار ما فيه من جانب مالي وجانب بدني .والمالكية -في المشهور عندهم -هم الذين يقولون بعدم جواز النيابة في الحج .أما بقية الفقهاء فتصح عندهم النيابة في الحج، لكنهم يقيدون ذلك بالعذر، وهو العجز عن الحج بنفسه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۲ ص ۳۳۵،مادة:اداء،النيابة في أداء العبادات)

۱؎ بعض ایصالِ ثواب کے منکرین کے نزدیک کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نیابتاً بھی عمل نہیں کرسکتا، اور بعض کے نزدیک نیابتاً تو کرسکتا ہے مگر ایصالِ ثواب نہیں کرسکتا۔

چنانچہ تمنا عمادی صاحب لکھتے ہیں کہ:

حجِ بدل کی روایتیں سب کی سب مخالفِ قرآن اور خلافِ درایتِ اسلامیہ ہیں (مزید فرماتے ہیں) یہی حال میت کی طرف سے یا کسی دوسرے زندہ کی طرف سے صدقہ وخیرات کرنے کا ہے (مذاکرہ: صفحہ ۱۶۸؛ شائع کردہ: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی؛ اشاعتِ دوم، ماہِ شوال ۱۴۱۷ھ، فروری ۱۹۹۷ء)

اور حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی کی کتاب ''عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں'' سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک نیابت تو جائز ہے مگر ایصالِ ثواب جائز نہیں ہے۔

لیکن انہوں نے ایصالِ ثواب کے انکار پر جو دلائل قائم کئے ہیں، اسی قسم کے دلائل تمنا عمادی صاحب نے نیابت اور ایصالِ ثواب دونوں کے انکار پر قائم کئے ہیں۔

حالانکہ جن دلائل سے نیابت ثابت ہوتی ہے، ان دلائل سے بدرجۂ اولیٰ ایصالِ ثواب بھی ثابت ہوتا ہے۔

دوسرے کے لئے دُعا واستغفار اور ایصالِ ثواب

ایک مسلمان کے جن اعمال سے دوسرے مسلمانوں کو بغیر سبب بنے ہوئے نفع وفائدہ پہنچنا شریعت کی طرف سے ثابت ہے۔

ان میں سے ایک اہم عمل ''دُعا واستغفار'' ہے۔

دعا عبادت ہے

اور دعا واستغفار بذاتِ خود ایک عبادت ہے۔

چنانچہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ وَقَرَءَ (قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ)(ترمذی) [1]

ترجمہ: دعاء عینِ عبادت ہے، اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) یہ آیت پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے) کہ تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا (ترمذی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ٢٩٦٩، ابواب تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، ابوداؤد، رقم الحديث ١٤٧٩؛ ابنِ ماجه، رقم الحديث ٣٨٢٨، مسند احمد، رقم الحديث ١٨٣٥٢، ورقم الحديث ١٨٣٨٦، ورقم الحديث ١٨٣٩١، ورقم الحديث ١٨٤٣٢، ورقم الحديث ١٨٤٣٦؛ السنن الكبرىٰ للنسائى، رقم الحديث ١١٤٠٠؛ مستدرك حاكم، رقم الحديث ١٨٠٢، المعجم الصغير للطبرانى، رقم الحديث ١٠٤١، شعب الايمان للبيهقى، رقم الحديث ١٠٧٠؛ صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ٨٩٠؛ مسند عبدالله بن مبارك، رقم الحديث ٤٣؛ مسند الشهاب القضاعى، رقم الحديث ٣٠؛ مسند البزار، رقم الحديث ٣٢٤٣؛ التوحيد لابنِ مندة، رقم الحديث ٣٢٠؛ معجم ابن الاعرابى، رقم الحديث ١٢١٦؛ معجم ابويعلىٰ الموصلى، رقم الحديث ٣٢٨، عن البراء.

قال الترمذى: هذا حديث حسن صحيح.

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (ترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا عبادت کا مغز ہے (ترمذی)

پھر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دعا بہر حال عبادت ہے، خواہ اللہ تعالیٰ اس کو کسی حکمت کے تحت قبول فرمائیں یا نہ فرمائیں۔

اور جب دعا عبادت ہے، تو اس عبادت کا اپنی ذات کے علاوہ دوسرے کو نفع اور فائدہ پہنچانا بھی جائز ہے، بہت سی قرآنی آیات اور احادیث سے دعا واستغفار اور نمازِ جنازہ سے میت کو فائدہ پہنچنا ثابت ہے۔

اور ایصالِ ثواب کی بنیاد یہی ہے، کیونکہ جو لوگ ایصالِ ثواب کا انکار کرتے ہیں وہ اسی بنیاد پر انکار کرتے ہیں کہ وہ دوسرے کا عمل ہے۔

اور ایک انسان کا عمل دوسرے کے لئے مفید و کارآمد نہیں۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٣٣٧١، ابواب الدعوات، باب ماجاء فی فضل الدعاء، المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحديث ٣١٩٦، الدعاء للطبرانی، رقم الحديث ٥، معجم ابن المقرئ، رقم الحديث ١١٧٧.

وقال الطبرانی: لم يرو هذاالحديث عن ابان الا عبيدالله ،تفرد بن ابن لهيعة.

قال الترمذی: هذا حديث غريب من هذا الوجه لا نعرفه إلا من حديث ابن لهيعة.

[2] اگر شبہ کیا جائے کہ ایصالِ ثواب میں تو عمل کرنے سے پہلے یا بعد میں دوسرے کے لئے ایصالِ ثواب کی نیت کی جاتی ہے، جبکہ دعا واستغفار میں دوسرے کے لیے ایصالِ ثواب کی نیت نہیں کی جاتی، لہٰذا ایصالِ ثواب اور دعا واستغفار میں فرق ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایصالِ ثواب میں دوسرے کو فائدہ پہنچانا مقصود ہوتا ہے، اور دوسرے کے لیے دعا واستغفار میں بھی یہ مقصود موجود ہوا کرتا ہے؛ لہٰذا اس اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہ ہوا، اگرچہ دوسری جہات سے فرق ہو۔ وهو لا يضرنا.

نیز نماز روزہ صدقہ تلاوت وغیرہ نیک اعمال کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کرنے والا بھی اپنے دل یا زبان سے اللہ تعالیٰ سے یہی دعا و درخواست کیا کرتا ہے، کہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچا دیجئے، پس خالی دعا واستغفار کی صورت میں دوسرے کی بخشش ومغفرت وغیرہ کی درخواست کی جاتی ہے، اور دوسرے نیک اعمال کے ذریعہ ایصالِ ثواب کرنے کی صورت میں ان اعمال کے ثواب سے دوسرے کو مستفید و منتفع ہونے کی درخواست کی جاتی ہے، تو اپنے عمل کے ذریعہ سے دوسرے کو منتفع کرنے میں دعا وایصالِ ثواب مشترک ہوئے، اور اسی بنیاد پر بہت سے فقہاء وعلماء نے دعا کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب ہونے کا قول کیا ہے، اور ایصالِ ثواب کے مسئلہ میں دعا کے مسئلہ سے استدلال واستشہاد کیا ہے۔ محمد رضوان۔

امام نووی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰی اَنَّ الدُّعَاءَ لِلْاَمْوَاتِ یَنْفَعُهُمْ ، وَیَصِلُهُمْ ثَوَابُهٗ، وَاحْتَجُّوْا بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی:" وَالَّذِیْنَ جَآءُ وْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ" (الحشر:۱۰) **وَغَیْرِ ذٰلِکَ مِنَ الْآیَاتِ الْمَشْهُوْرَةِ بِمَعْنَاهَا، وَفِی الْاَحَادِیْثِ الْمَشْهُوْرَةِ کَقَوْلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ بَقِیْعِ الْغَرْقَدِ، وَکَقَوْلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَاوَمَیِّتِنَا" وَغَیْرِ ذٰلِکَ** (الاذکار للنووی) [1]

ترجمہ: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ بلاشبہ مُردوں (یعنی فوت شدہ مسلمانوں) کے لئے دعا کرنے سے ان کو نفع ہوتا ہے، اور اس دعاء کا ان کو ثواب پہنچتا ہے، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے دلیل پکڑی ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ)"اور وہ مسلمان جو آئیں ان کے بعد کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب بخش دیجئے ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر چکے ہیں" (سورہ حشر)

اور اس کے علاوہ اس معنیٰ کی دوسری مشہور آیات سے دلیل پکڑی ہے، اور مشہور احادیث میں ہے جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے (کہ انہوں نے فرمایا) یا اللہ! بقیع غرقد (نامی قبرستان میں مدفون) لوگوں کی مغفرت فرمادیجئے، اور جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ اے اللہ ہمارے زندوں اور مُردوں کی مغفرت فرما دیجئے، اور اس کے علاوہ اور بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پائے جاتے ہیں (اذکار)

---

[1] ج ۱، ص ۱۶۴، و ۱۶۵، کتاب أذکار المرض والموت وما یتعلق بهما، باب ماینفع المیت من قول غیره، الناشر: دارالفکر، بیروت.

علامہ ابنِ قدامہ حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لِاَنَّ الصَّوْمَ وَالْحَجَّ وَالدُّعَاءَ وَالْاِسْتِغْفَارَ عِبَادَاتٌ بَدَنِيَّةٌ، وَقَدْ اَوْصَلَ اللّٰہُ نَفْعَهَا اِلَى الْمَيِّتِ، فَكَذٰلِكَ مَاسِوَاهَا (المغنی لابن قدامة) [1]

ترجمہ: اس لئے کہ بے شک روزہ اور حج اور دعاء اور استغفار بدنی عبادات ہیں، اور یقیناً اللہ تعالیٰ ان کا نفع (وثواب) میت کو پہنچاتے ہیں، پس اسی طریقہ سے اس کے علاوہ دوسری عبادات کا بھی نفع (وثواب) پہنچاتے ہیں (مغنی)

اور علامہ قرطبی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اَصْلُ هٰذَاالْبَابِ اَلصَّدَقَةُ الَّتِیْ لَااِخْتِلَافَ فِيْهَا فَكَمَا يَصِلُ لِلْمَيِّتِ ثَوَابُهَافَكَذٰلِكَ تَصِلُ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ وَالدُّعَآءُ وَالْاِسْتِغْفَارُ اِذْ كُلُّ ذٰلِكَ صَدَقَةٌ فَاِنَّ الصَّدَقَةَ لَاتَخْتَصُّ بِالْمَالِ (التذكرة فی احوال الموتىٰ وامورالآخرة، ص ۷۴، باب ماجاء فی قراء ة القرآن عند القبر حالة الدفن وبعده)

ترجمہ: ایصالِ ثواب کے سلسلہ میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ صدقہ کے (ایصال ثواب کے) بارے میں کوئی اختلاف نہیں، پس جس طرح میت کو صدقہ کا ثواب پہنچتا ہے، اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت اور دعا اور استغفار کا بھی ثواب پہنچتا ہے، کیونکہ صدقہ مال کے ساتھ خاص نہیں (ہر نیک عمل کو بعض جہات سے صدقہ کہا جاتا ہے) (تذکرہ)

دوسروں کے لئے دعاواستغفار پر قرآنی آیات

اب اس تمہید کے بعد دعاواستغفار کے ذریعہ سے دوسرے کو نفع وفائدہ پہنچنے اور اس کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کے ثبوت پر قرآنی آیات اور چند احادیث وروایات پیش کی جاتی

[1] ج ۲، ص ۴۲۳، کتاب الجنائز، فصل أی قربة فعلها وجعل ثوابها للميت نفعه ذلک.

ہیں۔

(۱)......ایک مقام پر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اولاد کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے والدین کے حق میں اس طرح دُعا کیا کرے کہ:

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۲۴)

ترجمہ: اور آپ یہ دعا کیا کیجئے کہ! اے میرے رب میرے ماں باپ پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری تربیت کی (سورہ بنی اسرائیل)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نہ صرف یہ کہ دعا واستغفار کا میت کو فائدہ ہوتا اور ثواب پہنچتا ہے بلکہ اس کا اولاد کے لئے والدین کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم بھی ہے۔

(۲)......حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی یہ دعا قرآن مجید میں مذکور ہے کہ:

رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (سورۃ النوح آیت ۲۸)

ترجمہ: اے میرے رب مجھے اور میرے ماں باپ کو اور جو بھی ایمان کے ساتھ میرے گھر میں داخل ہیں ان کو اور مومن مَردوں اور عورتوں کی مغفرت فرما دیجئے (سورہ نوح)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام جیسے جلیلُ القدر نبی نے بھی اپنے اور اپنے والدین اور گھر کے مؤمن بندوں اور مؤمن مَردوں اور عورتوں سب کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی ہے۔

(۳)......حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی یہ دعا بھی قرآن مجید میں مذکور ہے کہ:

رَبَّنَا اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ (سورۃ ابراھیم آیت ۴۱)

ترجمہ: اے ہمارے رب: میری اور میرے والد کی اور مؤمنوں کی مغفرت

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

فرما دیجئے، جس دن کہ حساب قائم ہو (یعنی قیامت کے دن) (سورہ ابراہیم)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنے اور اپنے ماں باپ اور تمام مؤمنین کے لئے مغفرت کی دعا حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام جیسے نبی کی سنت ہے۔

(۴)...... قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مؤمن مَردوں اور عورتوں کے لئے استغفار کرنے کا حکم فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (سورة محمد آیت ۱۹)

ترجمہ: اور آپ (اللہ تعالیٰ سے) استغفار کیا کیجئے اپنے اور مؤمن مَردوں اور مؤمن عورتوں کے گناہ (وتقصیر) کے لئے (سورہ محمد)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان والے مَردوں اور عورتوں کے لئے استغفار کرنے کا صاف حکم فرمایا ہے۔

اور ان آیتوں میں ''مومنین ومومنات'' میں زندہ اور فوت شدہ اور اگلے وپچھلے سب مؤمن مَرد وعورت شامل ہیں۔

(۵)......قرآن مجید کی سورہ حشر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ (سورةحشر، آیت نمبر ۱۰)

ترجمہ: اور وہ (مسلمان) جو آئے ان کے بعد کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب مغفرت فرما دیجئے ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر چکے ہیں (سورہ حشر)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن مؤمن بندوں کی تعریف فرمائی ہے جو اپنے ساتھ اپنے سے پہلے گزر جانے والے مسلمانوں کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

پس مسلمانوں کی دوسرے مسلمانوں کے لئے دعا واستغفار سے ان کو فائدہ ہوتا ہے، اسی لئے

اس عمل کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے پسند بلکہ اس کا حکم فرماتے ہیں۔ [1]

(۲)......قرآن مجید میں ہی ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْماً فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ. رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ نِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَاءِ هِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ،اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (سورۃ المؤمن، آیت ۷)

ترجمہ: جو فرشتے کہ عرش کے حامل ہیں اور جو اس کے گرد ہیں، وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب آپ کا علم اور آپ کی رحمت ہر چیز پر وسیع ہے، پس جن بندوں نے توبہ کی اور آپ کے راستہ کو اختیار کیا ہے ان کی مغفرت فرما دیجئے، اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچا دیجئے، اور ہمیشہ ہمیش کی جنتوں کا آپ نے ان سے جو وعدہ کیا ہے ان میں ان کو داخل فرما دیجئے، اور ان کے آباء واجداد اور ازواج واولاد میں سے جو نیک ہیں ان کو بھی، بلاشبہ آپ عزیز حکیم ہیں (سورہ مؤمن)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مؤمن بندوں اور ان کے نیک والدین، اولاد اور ازواج کے لئے مغفرت ورحمت کی دعاء اتنا عظیم الشان اور پسندیدہ عمل ہے کہ یہ عمل عرش کے حامل فرشتوں کا

---

[1] فأثنى عليهم باستغفارهم للمؤمنين قبلهم فدل علىٰ انتفاعهم باستغفار الاحياء (شرح عقيدة الطحاوية ،ج۳، ص ۱۰۱، قوله فى دعاء الأحياء وصدقاتهم منفعة للأموات؛ الناشر :وزارة الشئون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد -المملكة العربية السعودية)

فأثنى الله سبحانه عليهم باستغفارهم للمؤمنين قبلهم فدل علىٰ انتفاعهم باستغفار الاحياء (كتاب الروح لابن القيم الجوزى، ص۱۱۸، فصل والدليل على انتفاعه بغير ما تسبب فيه القرآن والسنة والإجماع؛ الناشر :دار الكتب العلمية -بيروت)

بھی مشغلہ اور تسبیح وتحمید کی طرح گویا وظیفہ ہے۔

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

فَقَدْ اَخْبَرَ سُبْحَانَهُ اَنَّ الْمَلَائِكَةَ يَدْعُوْنَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ بِالْمَغْفِرَةِ وَوِقَايَةِ الْعَذَابِ وَدُخُوْلِ الْجَنَّةِ وَدُعَاءُ الْمَلَائِكَةِ لَيْسَ عَمَلاً لِلْعَبْدِ (الفتاویٰ الکبریٰ لابنِ تیمیة)[1]

ترجمہ: (اس آیت میں) اللہ سبحانہٗ نے یہ خبر دی ہے کہ فرشتے مومنین کے لئے مغفرت اور عذاب سے بچنے، اور جنت میں داخل ہونے کی دعا کرتے ہیں اور فرشتوں کی دعا ظاہر ہے کہ بندے کا عمل نہیں (لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ بندہ کے اپنے عمل کے علاوہ کسی دوسرے کے عمل سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا) (فتاویٰ کبریٰ)

(۷)...... ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے زمین والوں کے لئے استغفار کرنے کا اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ. اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (سورۃ شوریٰ آیت ۵)

ترجمہ: اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں، اور زمین والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں، خبردار ہو جایئے بلاشبہ اللہ ہی غفور الرحیم ہے (سورہ شوریٰ)

اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے مومن بندوں کے لئے استغفار کرتے ہیں، اور ان کے استغفار سے اللہ تعالیٰ مومن بندوں کو محروم نہیں فرماتے، کیونکہ وہ غفور الرحیم ہیں۔

(۸)...... حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے بھائیوں نے اپنے والد سے اپنے گناہوں کے لئے استغفار کی درخواست کی تھی۔

جس کے جواب میں ان کے والد حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کے لئے

---

[1] ج۳، ص۲۸، کتاب الجنائز، قولهٗ تعالیٰ وأن لیس للانسان الا ماسعی.

استغفار کا وعدہ کیا تھا، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ:

قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِیْنَ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُلَكُمْ رَبِّیْ. اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (سورۃ یوسف، آیات ۹۷،۹۸)

ترجمہ: (حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے بھائیوں نے) کہا کہ اے ہمارے والد ہمارے گناہوں کے لئے استغفار کیجئے، بے شک ہم خطاوار ہیں (حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے) فرمایا کہ میں عنقریب تمہارے لئے اپنے رب سے استغفار کروں گا، بے شک وہی غفور الرحیم ہے (سورہ یوسف)

(۹)...... حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے اور اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے ان الفاظ میں دعا کی کہ:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ. وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (سورۃ انفال، آیت ۱۵۱)

ترجمہ: کہا (حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے) اے میرے رب میری اور میرے بھائی کی مغفرت فرمادیجئے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرمالیجئے، اور آپ ارحم الراحمین ہیں (سورہ انفال)

دوسرے کے لئے دعا واستغفار پر احادیث وروایات

دعا واستغفار کے ذریعہ سے فوت شُدہ لوگوں کو فائدہ اور ثواب پہنچنے کی ایک واضح اور مضبوط دلیل ہر مسلمان میت کی جنازے کی نماز پڑھنا ہے، جس میں اُس کے لئے دعا واستغفار کی جاتی ہے۔

اور مسلمانوں کی نمازِ جنازہ پوری دنیا میں ادا کی جاتی ہے، اور اس دعا میں عزیز وقریب اور اجنبی سب مسلمانوں کو شریک ہونے کی اجازت بلکہ عبادت وثواب ہے۔

اور نمازِ جنازہ درحقیقت میت کے لیے دعا ہے، ظاہر ہے کہ نمازِ جنازہ سے میت کو فائدہ ہوتا ہے، اسی لیے تو اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قَدْ دَلَّ عَلٰی اِنْتِفَاعِ الْمَیِّتِ بِالدُّعَاءِ اِجْمَاعُ الْاُمَّةِ عَلَى الدُّعَاءِ لَهٗ فِیْ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ (کتاب الروح لابن القیم الجوزی) [1]

ترجمہ: میت کو دعا کے ذریعہ سے نفع (وثواب) پہنچنے کی ایک دلیل امت کا نمازِ جنازہ کی صورت میں میت کے لئے دعا کی صورت میں اجماع ہے (روح)

اور حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لَارَیْبَ أَنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنْ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ هُوَ الدُّعَاءُ عَلَى الْمَیِّتِ بِالْخُصُوْصِ (مرقاۃ المفاتیح) [2]

ترجمہ: اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نمازِ جنازہ سے اصل مقصود میت کے لئے بطورِ خاص دعا کرنا ہے (مرقاۃ)

اب نمازِ جنازہ اور دوسری صورتوں میں مسلمان کے لئے دعا واستغفار کرنے پر چند احادیث وروایات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱)......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ إِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَى الْمَیِّتِ فَأَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ (ابوداؤد) [3]

---

[1] ص۱۱۸، فصل والدلیل علی انتفاعه بغیر ما تسبب فیه القرآن والسنة والإجماع؛ الناشر: دار الکتب العلمیة -بیروت.

[2] ج۳ص۱۲۰۹، کتاب الجنائز، المشی بالجنازة والصلاة علیها، الناشر: دارالفکر، بیروت، لبنان.

[3] رقم الحدیث ۳۱۹۹، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمیت؛ ابنِ ماجه، رقم الحدیث ۱۴۹۷؛ سنن الکبریٰ للبیهقی، رقم الحدیث ۶۹۶۴، باب الدعاء فی صلاة الجنازة؛ ابنِ حبان، رقم الحدیث ۳۰۷۶؛ معرفة السنن والآثار للبیهقی، رقم الحدیث ۲۲۲۷.

فی حاشیة ابنِ حبان: اسناده قوی.

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میت پر جنازہ کی نماز پڑھا کرو، تو (اس جنازہ کی نماز میں) اس کے لئے اخلاص کے ساتھ دعا کیا کرو (ابوداؤد)

علامہ مناوی رحمہ اللہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

(إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ) صَلَاةَ الْجَنَازَةِ (فَأَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ) أَيْ اُدْعُوْا لَهُ بِإِخْلَاصٍ وَحُضُوْرِ قَلْبٍ لِأَنَّ الْمَقْصُوْدَ بِهٰذِهِ الصَّلَاةِ إِنَّمَا الْإِسْتِغْفَارُ وَالشَّفَاعَةُ لِلْمَيِّتِ، وَإِنَّمَا يُرْجٰى قُبُوْلُهَا عِنْدَ تَوَفُّرِ الْإِخْلَاصِ وَالْإِبْتِهَالِ وَلِهٰذَا شُرِعَ فِي الصَّلَاةِ عَلَيْهِ مِنَ الدُّعَاءِ مَالَمْ يُشْرَعْ مِثْلَهُ فِي الدُّعَاءِ لِلْحَيِّ. قَالَ ابْنُ الْقَيِّمِ: هٰذَا يُبْطِلُ قَوْلَ مَنْ زَعَمَ أَنَّ الْمَيِّتَ لَايَنْتَفِعُ بِالدُّعَاءِ (فیض القدیر للمناوی) [1]

ترجمہ: یعنی جب تم میت پر نمازِ جنازہ پڑھا کرو تو اس کے لئے اخلاص اور دل کی حاضری کے ساتھ دعا کیا کرو، اس لئے کہ اس نماز سے اصل مقصود تو میت کے لئے استغفار اور اس کی بخشش کی شفاعت کرنا ہی ہے، اور اس دعا کی قبولیت کی امید بھرپور اخلاص اور توجہ کے وقت ہی کی جاسکتی ہے، اور اسی وجہ سے میت کی نمازِ جنازہ میں شریعت کی طرف سے ایسے طریقہ پر دعا مقرر کی گئی ہے کہ اس جیسی دعا زندہ کے لئے مقرر نہیں کی گئی، علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ (نمازِ جنازہ) اس شخص کے قول کو باطل قرار دیتا ہے جس کا گمان یہ ہے کہ میت کو دعا سے نفع (وفائدہ اور ثواب) نہیں ہوتا (فیض القدیر)

اور نمازِ جنازہ کے دعا ہونے کی وجہ سے ہی نمازِ جنازہ کے متصل بعد اجتماعی انداز میں دعا کرنے کو فقہائے کرام نے مکروہ وبدعت قرار دیا ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

---

[1] تحت رقم الحدیث ٧٢٩، ج ا ص ٣٩٣، حرف الهمزة.

(۲)...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلّٰى عَلَى الْجَنَازَةِ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَاوَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيْمَانِ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازہ کی نماز ادا فرماتے تو اس طرح دعا فرماتے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) ''اے اللہ ہمارے (یعنی مسلمانوں کے) زندوں اور مُردوں کی اور ہمارے حاضرین کی اور غائبین کی اور ہمارے چھوٹوں کی اور بڑوں کی اور ہمارے مَرد حضرات کی اور عورتوں کی مغفرت فرما دیجئے! یا اللہ ہم میں سے جس کو آپ زندہ رکھیں تو اسلام پر زندہ رکھئے! اور ہم میں سے جس کو آپ وفات دیں تو ایمان کی حالت میں وفات دیجئے'' (مسند احمد)

اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازِ جنازہ میں دوسری دعائیں بھی منقول ہیں۔

(۳)...... حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

صَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَأَسْمَعَهُ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ إِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِيْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهٖ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَأَنْتَ أَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ فَاغْفِرْلَهُ وَارْحَمْهُ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (ابنِ ماجه) [2]

---

[1] رقم الحديث ۸۸۰۹ واللفظ لهٗ ورقم الحديث ۱۷۴۵۳ عن أبى إبراهيم الأنصارى؛ ابوداوٗد، رقم الحديث ۳۲۰۱؛ ترمذى، رقم الحديث ۱۰۲۴؛ نسائى، رقم الحديث ۱۹۸۶؛ ابنِ ماجه، رقم الحديث ۱۴۹۸؛ مصنف ابنِ ابى شيبة عن ابى سلمة، رقم الحديث ۱۱۴۷۴.
فى حاشية مسند احمد: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن.

[2] كتاب الجنائز، رقم الحديث ۱۴۹۹، باب ماجاء فى الدعاء فى الصلاة على الجنازة، واللفظ لهٗ؛ ابو داوٗد، رقم الحديث ۳۲۰۲؛ مسند احمد، رقم الحديث ۱۶۰۱۸.
فى حاشية مسند احمد: اسنادهٗ حسن.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں سے ایک شخص کی جنازہ کی نماز ادا فرمائی، اور اُن کو سُنائی دیا کہ آپ یہ دعا فرما رہے ہیں (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ)

اے اللہ! فلاں بن فلاں آپ کے حوالے ہے اور آپ کی جوارِ رحمت میں ہے، پس اسے قبر کے فتنے اور جہنّم کے عذاب سے بچا لیجیے اور آپ وفا اور حق کے اہل ہیں، پس اس کی مغفرت فرما دیجیے اور اس پر رحم فرمائیے، بے شک آپ ہی غفور الرحیم ہیں (ابنِ ماجہ)

فائدہ: پہلے گزر چکا کہ نمازِ جنازہ درحقیقت میت کے لیے دعا ہے، اور دعا میں اس کی فضیلت زیادہ ہے کہ آہستہ آواز میں کی جائے، جیسا کہ قرآن مجید میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً (سورۃ الاعراف آیت نمبر ۵۵)

ترجمہ: اپنے رب کو عاجزی وآہستگی کے ساتھ پکارو (سورہ اعراف)

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض موقعوں پر اُمت کو دعائیں سکھلانے کے لیے کچھ آواز کے ساتھ جنازے میں دعا فرمائی ہے۔

(۴)...... حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

صَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى جَنَازَةٍ فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَأَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَأَهْلًا خَيْرًا مِّنْ أَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ أَوْ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالَ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ أَنْ أَكُوْنَ أَنَا

ذٰلِکَ الْمَیِّتَ (مسلم) ؎۱

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ کی نماز ادا فرمائی، پس میں نے آپ کی دعا کو محفوظ کرلیا، آپ یہ دعا فرمارہے تھے (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) یااللہ! اس کی مغفرت فرمادیجیے اور اس پر رحم فرمایئے اور اس کو عافیت عطا فرمایئے اور اس سے درگزر فرمادیجیے اور اس کی حاضری مکرَّم بنادیجیے اور اس کے داخل ہونے کی جگہ کو وسیع فرمادیجیے اور اس کے گناہوں کو پانی، برف اور ٹھنڈک کے ساتھ دھودیجیے اور اس کی خطاؤں کو صاف فرمادیجیے، جیسا کہ آپ سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف فرمادیتے ہیں، اور اس کو اس دنیا کے گھر سے بہتر گھر اور اس دنیا کے گھر والوں سے بہتر گھر والے اور اس دنیا کی بیوی سے بہتر بیوی بدلے میں عطا فرمادیجیے اور اس کو جنت میں داخل فرمادیجیے اور اس کو قبر کے عذاب سے یا جہنَّم کے عذاب سے محفوظ فرمادیجیے، راوی (حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ یہاں تک کہ میں یہ تمنا کرنے لگا کہ اس میت کی جگہ میں ہوتا (تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مبارک دعا کا مستحق بن جاتا) (مسلم)

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ:

فِیْہِ إِثْبَاتُ الدُّعَآءِ فِیْ صَلَاۃِ الْجَنَازَۃِ، وَھُوَ مَقْصُوْدُھَا وَمُعْظَمُھَا (شرح النووی علی مسلم) ؎۲

ترجمہ: اس (حدیث) میں نمازِ جنازہ میں میت کے لئے دعا کرنے کا ثبوت ہے، اور نمازِ جنازہ سے اصل اور بڑا مقصود یہی ہے (نووی)

؎۱ رقم الحدیث ۹۶۳ ''۸۵''، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمیت فی الصلاۃ، واللفظ لہٗ؛ المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۷۸؛ السنن الکبریٰ للبیھقی، رقم الحدیث ۶۹۶۵؛ صحیح ابنِ حبان، رقم الحدیث ۳۰۷۵.

؎۲ تحت رقم الحدیث ۹۶۳، ج۷ص ۳۰، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمیت فی الصلاۃ.

اور حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَائِہٖ وَھُوَ یَقُوْلُ) أَیْ بَعْدَ التَّکْبِیْرَۃِ الثَّالِثَۃِ وَھٰذِہِ الْجُمْلَۃُ لِمُجَرَّدِ التَّأْکِیْدِ، أَوْ لِبَیَانِ أَنَّہٗ حَفِظَ مِنْ دُعَائِہٖ بِسِمَاعِہٖ لَہٗ مِنْہُ لَاعَنْہُ وَلَایُنَافِیْ ھٰذَا مَاتَقَرَّرَ فِی الْفِقْہِ مِنْ نُدُبِ الْأَسْرَارِ لِأَنَّ الْجَھْرَ ھُنَا لِلتَّعْلِیْمِ لَاغَیْرَ (مرقاۃ المفاتیح) [1]

ترجمہ: (حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ) میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو محفوظ کیا، اور وہ یہ دعا فرما رہے تھے یعنی جنازے کی تیسری تکبیر کے بعد، اور یہ جملہ صرف تاکید کے لیے ہے یا اس بات کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو خود سُن کر اُنہوں نے محفوظ کیا ہے، اور یہ بات اُس کے مخالف نہیں ہے جو فقہ میں طے ہو چکی ہے کہ آہستہ دعا مستحب ہے، اس لیے کہ یہاں بلند آواز تعلیم کی غرض سے تھی، اس کے علاوہ کسی اور غرض سے نہیں تھی (مرقاۃ)

(۵)......حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَافَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَیِّتِ وَقَفَ عَلَیْہِ فَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لِاَخِیْکُمْ وَسَلُوْالَہٗ بِالتَّثْبِیْتِ فَاِنَّہُ الْآنَ یُسْأَلُ (سنن ابی داؤد) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو دفن کر کے فارغ ہو جاتے، تو قبر کے

---

[1] ج۳ص۱۱۹۷، کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازۃ.

[2] رقم الحدیث ۳۲۲۱، کتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للمیت، واللفظ لہٗ، مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۱۳۷۲؛ اثبات عذاب القبر للبیہقی، رقم الحدیث ۲۱۱؛ السنۃ لعبداللہ بن احمد رقم الحدیث ۱۳۰۱، السنن الصغیر للبیہقی، رقم الحدیث ۱۱۲۲؛ عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی، رقم الحدیث ۵۸۵.

قال الحاکم: ھذا حدیث صحیح علی شرط الإسناد، ولم یخرجاہ "

قریب تھوڑی دیر ٹھہر جایا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو، اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو، کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جارہا ہے (ابوداؤد)

(٦)...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک لمبی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

اِنَّ رَبَّکَ یَأْمُرُکَ اَنْ تَأْتِیَ اَھْلَ الْبَقِیْعِ فَتَسْتَغْفِرَ لَھُمْ قَالَتْ قُلْتُ کَیْفَ اَقُوْلُ لَھُمْ یَارَسُوْلَ اللہِ قَالَ قُوْلِیْ اَلسَّلَامُ عَلٰی اَھْلِ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنِ وَیَرْحَمُ اللہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللہُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ (مسلم) [1]

ترجمہ: بے شک آپ کے رب نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ اہلِ بقیع کے پاس آئیں اور ان کے لئے استغفار کریں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں ان کے لئے کس طرح استغفار کروں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ یہ کہیں، کہ اس گھر (یعنی قبرستان) والے مؤمنوں اور مسلمانوں پر سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ ہمارے میں سے پہلے گزرنے والے اور اخیر میں آنے والوں پر رحم فرمائے، اور ہم ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں (مسلم)

(٧)...... حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے بسندِ ضعیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

---

[1] رقم الحدیث ٩٧٤ "١٠٣"، کتاب الجنائز، باب مایقال عند دخول القبور والدعاء لاھلھا، واللفظ لہٗ؛ مسند احمد، رقم الحدیث ٢٥٨٥٥؛ السنن الکبریٰ للبیھقی، رقم الحدیث ٧٢١١؛ مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث ٦٧٢٢؛ السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث ٢١٧٥؛ صحیح ابنِ حبان، رقم الحدیث ٧١١٠.

اِنِّیْ کُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ ،فَزُوْرُوْهَا، وَاجْعَلُوْا زِيَارَتَكُمْ لَهَا صَلَاةً، عَلَيْهِمْ وَاِسْتِغْفَارًا لَّهُمْ الخ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۴۱۹) [1]

ترجمہ: میں نے تم کو (پہلے شرک وبدعت کے خوف سے) قبروں کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا، پس (اب اجات ہے کہ) تم قبروں کی زیارت کیا کرو، اوراپنی زیارت کوقبروالوں کے لئے اُن پر دعااور استغفار بنالیا کرو (طبرانی)

(۸)......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ

---

[1] قال الهيثمی: رواه الطبرانی فی الكبير وفيه يزيد بن ربيعة الرحبی وهو ضعيف (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۴۳۰۷، باب زيارة القبور)

يـزيـد بـن ربيـعة الرحبی الدمشقی (أبو كامل)عن أبی الأشعث الصنعانی .يكنی أبا كامل .وعنه أبو النضر الفراديسی وأبو توبة الحلبی.قال البخاری :أحاديثه مناكير .وقال أبو حاتم، وغيره : ضعيف.وقال النسائی :متروک.أبو توبة :حدثنا يزيد، عن أبی الأشعث الصنعانی، عن أبی عثمان عن ثوبان رضی الله عنه مرفوعا :خالقوا الناس بأخلاقهم وخالفوهم بأعمالهم .أبو النضر :حدثنا يزيد بن ربيعة حدثنا أبو الأشعث الصنعانی سمعت ثوبان رضی الله عنه يحدث عن النبی صلی الله عليه وسلم أنه قال :يقبل الجبار فيثنی رجله علی الجسر فيقول :وعزتی وجلالی لا يجاوزنی اليوم ظلم ظالم .قال أبو مسهر :كان يزيد بن ربيعة فقيها غير متهم ما ينكر عليه أنه أدرک أبا الأشعث ولكن أخشی عليه سوء الحفظ والوهم .وقال الجوزجانی :أخاف أن تكون أحاديثه موضوعة.وأما ابن عدی فقال :أرجو أنه لا بأس به .وله :عن أبی الأشعث عن ثوبان رضی الله عنه :ويل لأمتی من بنی العباس ...الحديث .انتهی.وقال أبو زرعة :رأيت دحيما وهشاما يبطلان حديثه.وقال ابن أبی حاتم، عن أبيه :كان فی بدء أمره مستويا ثم اختلط قبل موته قيل له :فما تقول فيه؟ فقال :ليس بشیء وأنكر أحاديثه، عن أبی الأشعث.وقال النسائی فی التمييز :ليس بثقة.وقال العقيلی :متروک الحديث شامی .وقال الدارقطنی :دمشقی متروک .وقال أبو أحمد الحاكم :ليس بالمتين عندهم.وذكره ابن الجارود فی الضعفاء (لسان الميزان، ج۸ص ۴۹۲، ۴۹۳)

(يزيد بن ربيعة، أبو كامل الرحبی، الصنعانی، الدمشقی.) عن :أبی أسماء الرحبی، وأبی الأشعث الصنعانی، وبلال بن سعد .وعنه :بقية، ويحيی الوحاظی، وأبو توبة الحلبی، وجماعة .قال أبو مسهر :كان شيخا كبيرا .وقال أبو حاتم، وغيره :منكر الحديث .) وقال الدارقطنی: متروک.وقال ابن عدی :أرجو أنه لا بأس به .وقال البخاری :أحاديثه مناكير(تاريخ الاسلام للامام الذهبی، ج۱۰ ص ۵۱۹، ۵۲۰)

لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِی الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ اَنّٰى لِىْ هٰذِهٖ فَيَقُوْلُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِکَ لَکَ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ عزوجل نیک بندے کے جنت میں درجات کو بلند فرمادیتے ہیں، تو وہ بندہ عرض کرتا ہے کہ اے میرے رب یہ میرے لئے کہاں سے ہوگیا، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تیری اولاد کے تیرے لئے استغفار کرنے کی برکت سے (مسنداحمد)

استغفار کے ذریعہ سے جنت کے درجات بلند اس لئے ہوتے ہیں کہ استغفار کا فائدہ اجر وثواب کی شکل میں عطا کیا جاتا ہے (جیسا کہ دوسری روایات میں مذکور ہے) جو درجات کی بلندی کا سبب بنتا ہے۔

(۹)...... امام بخاری رحمہ اللہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

تُرْفَعُ لِلْمَيِّتِ بَعْدَ مَوْتِهٖ دَرَجَتُهٗ فَيَقُوْلُ اَىْ رَبِّ اَىُّ شَيْئٍ هٰذِهٖ فَيُقَالُ

---

[1] رقم الحديث ١٠٦١٠، واللفظ لهٗ؛ ابنِ ماجه، رقم الحديث ٣٦٦٠؛ مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ٣٠٣٥٩، ما قالوا إنّ الدّعاء يلحق الرّجل وولده؛ المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ٥١٠٨؛ أمالى ابن سمعون، رقم الحديث ٢٨.

فى حاشية مسند احمد: إسناده حسن.

و قال الهيثمى:

رواه احمد والطبرانى فى الاوسط ورجالهما رجال الصحيح غير عاصم بن بهدلة وقد وثق (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٧٥٩٥، باب فيمن علم ان الله يغفر الذنب)

وقال الحافظ البوصيرى:

هٰذا إسناد حسن، عاصم بن أبى النجود مختلف فيه، وباقى رجال الإسناد ثقات (إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، تحت رقم الحديث ٥١٧٩، باب فيمن يرجى خيره)

وقال المناوى:

قال الذهبى فى المهذب سنده قوى وقال الهيثمى رواه البزار والطبرانى بسند رجاله رجال الصحيح غير عاصم بن بهدلة وهو حسن الحديث (فيض القدير، تحت رقم الحديث ١٩٩٢)

وَلَدُکَ اِسْتَغْفَرَ لَکَ (الادب المفرد) [1]

ترجمہ: (مومن) میت کے درجات اس کے فوت ہونے کے بعد بلند کئے جاتے ہیں، تو وہ بندہ عرض کرتا ہے کہ اے میرے رب یہ میرے لئے کس چیز سے ہوگیا؟ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تیری اولاد نے تیرے لئے استغفار کیا (ادب المفرد)

(۱۰)...... حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتْبَعُ الرَّجُلَ مِنَ الْحَسَنَاتِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ أَمْثَالَ الْجِبَالِ، فَیَقُوْلُ: أَنّٰی ھٰذَا؟ فَیُقَالُ: بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِکَ لَکَ (المعجم الاوسط للطبرانی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن آدمی کے پیچھے نیکیاں پہاڑوں کی طرح (عظیم ثواب کی شکل میں) آئیں گی، پس بندہ کہے گا کہ یہ کہاں سے آئیں؟ تو اس کو جواب میں کہا جائے گا کہ تمہاری اولاد کے تمہارے لئے استغفار کرنے سے (طبرانی)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کے لئے استغفار کیا جائے اس کو اس کا فائدہ وثواب بہت زیادہ نیکیوں کی شکل میں حاصل ہوتا ہے۔

جس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ دوسرے نیک اعمال کے ذریعہ سے بھی ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے، کیونکہ وہاں بھی دوسرے کو نیک اعمال کا ثواب پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔

(۱۱)...... حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ انصاری ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحدیث ۳۶، باب بر الوالدین بعد موتھما.
حسن الإسناد (تعلیق الادب المفرد للسمیر بن أمین الزھیری)

[2] رقم الحدیث ۱۸۹۴؛ الضعفاء الکبیر للعقیلی، رقم الحدیث ۹۷۹.
قال الھیثمی:
رواہ الطبرانی فی الأوسط، وفیہ ضعفاء قد وثقوا (مجمع الزوائد، رقم الحدیث ۱۷۵۹۶، باب استغفار الولد لوالدہ)

بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ سَلَمَةَ، فَقَالَ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، هَلْ بَقِيَ مِنْ بِرِّ أَبَوَيَّ شَيْءٌ أَبَرُّهُمَا بِهٖ بَعْدَ مَوْتِهِمَا؟ قَالَ : نَعَمْ اَلصَّلَاةُ عَلَيْهِمَا، وَالْإِسْتِغْفَارُ لَهُمَا، وَإِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا، وَصِلَةُ الرَّحِمِ الَّتِيْ لَا تُوْصَلُ إِلَّا بِهِمَا، وَإِكْرَامُ صَدِيْقِهِمَا (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے کہ قبیلہ بنی سلمہ کا ایک آدمی آیا اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا میرے والدین کی وفات کے بعد (بھی) کوئی ایسی چیز باقی ہے کہ جس کے ذریعہ سے میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک (وصلہ رحمی) کرسکوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں! (یہ چیزیں باقی ہیں) اُن کے لئے (اللہ کی طرف سے) رحم کی دعاء کرنا، اور اُن کے لئے استغفار (یعنی اُن کی مغفرت کے لئے دعاء) کرنا، اور اُن کے بعد اس عہد (وصیت ونیک چاہت) کو پورا کرنا جس کو وہ انجام دینا چاہتے تھے، اور وہ صلہ رحمی کرنا جو صرف ماں باپ کے تعلق (ورشتہ داری کی وجہ) سے ہو، اور اُن کے سچّے دوستوں کا اکرام کرنا (ابوداؤد، مسند احمد)

اس حدیث کو بعض نے صحیح اور بعض نے ضعیف قرار دیا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٥١٤٢، واللفظ لهٗ؛ مسند احمد، رقم الحديث ١٦٠٥٩؛ صحيح ابنِ حبان، رقم الحديث ٤١٨؛ مستدرک حاکم، رقم الحديث ٧٢٦٠؛ الادب المفرد للبخارى، رقم الحديث ٣٦.

[2] قال الحاكم:هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه "
وقال الذهبى فى التلخيص:صحيح.
وفى حاشية مسند احمد:
إسناده ضعيف لجهالة حال على بن عبيد، فقد انفرد بالرواية عنه ابنه أُسيد بن على، ولم يؤثر توثيقه عن غير ابن حبان، وقال الذهبى فى "الميزان :"لا يعرف، وقال ابن حجر فى "التقريب :"مقبول، وبقية رجاله ثقات .يونس بن محمد :هو ابن مسلم البغدادى المؤدب، وعبد الرحمن بن الغسيل :هو عبد الرحمن بن سليمان.

والدین کے لئے رحم ومغفرت کی دعاء کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔

اوراس حدیث میں مذکور چیزوں کا بعض دوسری روایات میں ذکر ہے۔ [1]

اور متفرق احادیث میں بھی ان چیزوں کا ذکر پایا جاتا ہے، اور وہ احادیث اس کی تائید کرتی ہیں، اس لئے یہ حدیث حسن درجہ سے کم نہیں ہے، اور اس حدیث کو ضعیف قرار دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ [2]

(۱۲)...... جلیلُ القدر تابعی حضرت سعید بن میسّب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

إِنَّ الرَّجُلَ لَيُرْفَعُ بِدُعَاءِ وَلَدِهٖ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ (مصنف ابن ابی شیبة) [3]

ترجمہ: آدمی کے فوت ہونے کے بعد اُس کے درجات کو اُس کی اولاد کی اُس کے حق میں دعا کرنے کی وجہ سے بلند کیا جاتا ہے (مصنف ابنِ ابی شیبہ)

(۱۳)...... حضرت محمد بن سیرین کی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

إِنَّ الرَّجُلَ لَيَمُوْتُ وَالِدَاهُ وَهُوَ عَاقٌّ لَهُمَا، فَيَدْعُوْ لَهُمَا مِنْ بَعْدِ

---

[1] أخبرنا أبو الحسين بن بشران، نا أحمد بن سلمان النجاد، وأخبرنا أبو عبد الله الحافظ، نا أبو بكر أحمد بن سلمان، عن الحسن بن يونس الزاهد ببغداد، نا جعفر بن أبى عثمان الطيالسى، نا محمد بن يزيد بن عبد الملك أبو عثمان الكاهلى، نا سعيد بن زيد القطيعى، نا قتادة، عن أنس بن مالک، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :صل من قطعک، واعف عمن ظلمک "، فقال رجل :يا رسول الله، هل بقى من بر والدى شىء بعد موتهما؟ قال " :خلال الاستغفار لهما، وإنفاذ وصيتهما، وإكرام صديقهما، وصلة الرحم التى لا رحم إلا بهما "(شعب الايمان، رقم الحديث ۷۵۸۵)

[2] قال ابن حجر: هذا حديث حسن (نتائج الافكار، ج۴، ص۲۶۶)

[3] رقم الحديث ۲۲۰۸، كتاب الجنائز، باب ما يتبع الميت بعد موته.

قال الالبانى: أخرج له ابن أبى شيبة شاهدا من رواية سعيد بن المسيب موقوفا عليه نحوه وسنده صحيح، وهو موقوف فى حكم المرفوع كما هو ظاهر، فهو كالمرسل .والله أعلم (سلسلة الأحاديث الصحيحة وشىء من فقهها وفوائدها، تحت رقم الحديث ۱۵۹۸)

مَمَاتِهِمَا فَيَكْتُبُهُ اللّٰهُ مِنَ الْبَارِّيْنَ (شعب الايمان للبيهقي) ؎

ترجمہ: آدمی کے والدین اس حال میں وفات پاجاتے ہیں کہ وہ آدمی (ان کی زندگی میں) ان کا نافرمان تھا، پھر وہ آدمی اپنے والدین کی موت کے بعد اُن کے لئے دُعا کرتا رہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس کو فرمانبرداروں میں شامل فرمادیتے ہیں (شعب الایمان)

معلوم ہوا کہ والدین کی وفات کے بعد اُن کے لئے رحمت ومغفرت کی دعا اور استغفار کرنے سے نہ صرف یہ کہ والدین کے گناہ معاف ہوتے ہیں، بلکہ اُن کو عظیم اجروثواب بھی حاصل ہوتا ہے، اور اُن کے درجات بھی بلند ہوتے ہیں۔

اور اسی کے ساتھ اس عمل کا اہتمام کرنے والی اولاد کو اپنے فوت شدہ والدین کے فرمانبردار

؎ رقم الحديث ۷۵۲۳، فصل في حفظ حق الوالدين بعد موتهما.
أخبرنا أبو عبد الرحمن السلمي، أنا محمد بن الحسن بن الحسين بن منصور، نا أحمد بن محمد بن خالد البراثي، وأخبرنا أبو محمد عبد الله بن علي بن أحمد المعاذي، أنا عبيد الله بن العباس بن الوليد بن مسلم البزار، نا أبو الحسن أحمد بن الحسين بن إسحاق الصوفي، قالا: نا الربيع بن ثعلبة، نا يحيى بن عقبة بن أبي العيزار، عن محمد بن جحادة، عن أنس بن مالك، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ": إن العبد ليموت والداه أو أحدهما، وإنه لهما لعاق، فلا يزال يدعو لهما، ويستغفر لهما حتى يكتبه الله بارا "وفي رواية السلمي ": برا "، الأول مع إرساله أصح(شعب الايمان للبيهقي، رقم الحديث ۷۵۲۴، فصل في حفظ حق الوالدين بعد موتهما، واللفظ لهٗ؛ الترغيب والترهيب لقوام السنة، رقم الحديث ۲۲۱۴)

قال ابن عراق الكناني:
(رَوَاهُ لَاحق بن الْحُسَيْن) من حَدِيث أنس ولاحق كَذَّاب يضع (تعقب) بِأَن لَهُ طَرِيقا آخر أخرجه الْبَيْهَقِيّ فِي الشّعب وَله شَاهد من مُرْسل مُحَمَّد بن سِيرِين أخرجه الْبَيْهَقِيّ أَيْضا وَقَالَ هَذَا على إرْسَاله أصح من الأول وَقَالَ الْعِرَاقِيّ فِي تَخْرِيج الْإِحْيَاء هَذَا مُرْسل صَحِيح الْإِسْنَاد (تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة، ج۲، ص۲۹۷)

قلتُ وفيه أَبُو الحَسَنِ أَحْمَدُ بنُ الحُسَيْنِ بنِ إِسْحَاقَ البَغْدَادِي. ولم اجد فيه لاحق بن الحسين.
قال الذهبي: وثقه أبو عبد الله الحاكم وغيره، وبعضهم لينه (سير اعلام النبلاء، ج۱۴ ص۱۵۴، تحت ترجمة الصوفي الصغير أحمد بن الحسين بن إسحاق)

ہونے کا شرف بھی حاصل ہوجاتا ہے۔ [1]

اوراس کے علاوہ بعض احادیث میں اولاد کے بجائے عام مؤمن کی دعاواستغفار کا صاف ذکر موجود ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

(۱۴)......حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

كُنَّا عِنْدَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ لَيْلَةً فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ وَلِاُمِّيْ وَلِمَنْ اِسْتَغْفَرَ لَهُمَا، قَالَ مُحَمَّدٌ فَنَحْنُ نَسْتَغْفِرُ لَهُمَا حَتّٰى نَدْخُلَ فِيْ دَعْوَةِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ (الادب المفرد، رقم الحديث ۳۷، باب بر الوالدين بعد موتهما) [2]

ترجمہ: ہم ایک رات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، تو آپ نے یہ دعا فرمائی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) اے اللہ ابوہریرہ اوراس کی والدہ کی مغفرت فرما، اوراس شخص کی مغفرت فرما جوان دونوں کے لئے مغفرت کی دعا کرے، محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ ہم نے ان دونوں کے لئے استغفار کیا، یہاں تک کہ (اس دعا کرنے کی وجہ سے) ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا

---

[1] (عن أبى هريرة قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-إن الله عز وجل يرفع الدرجة) أى :الدرجة العالية بلا عمل (للعبد الصالح) أى :المسلم (فى الجنة) : متعلق بيرفع (فيقول) أى :العبد (يا رب أنى لى) أى :كيف حصل، أو من أين حصل لى (هذه؟) أى الدرجة (فيقول :باستغفار) : حصل باستغفار (ولدک لک) : الولد يطلق على الذكر والأنثى، والمراد به المؤمن(مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۶۳۲، كتاب اسماء الله تعالىٰ،باب الاستغفار والتوبة)

(إن الرجل) يعنى الإنسان المؤمن ولو أنثى (لترفع درجته فى الجنة فيقول أنى هذا) أى من أين لى هذا ولم أعمل عملا يقتضيه وفى نسخة أنى لى ولفظ لى ليس فى خط المصنف (فيقال) أى تقول له الملائكة أو العلماء هذا (باستغفار ولدک لک) من بعدک دل به على أن الاستغفار يحط الذنوب ويرفع الدرجات وعلى أنه يرفع درجة أصل المستغفر إلى ما لم يبلغها بعمله فما بالک بالعامل المستغفر ولو لم يكن فى النكاح فضل إلا هذا لكفى وكان الظاهر أن يقال لاستغفار ليطابق اللام فى لى لكن سد عنه أن التقدير كيف حصل لى هذا فقيل حصل لک باستغفار ولدک وقيل إن الابن إذا كان أرفع درجة من أبيه فى الجنة سأل أن يرفع أبوه إليه فيرفع وكذلک الأب إذا كان أرفع وذلک قوله سبحانه وتعالى (لا تدرون أيهم أقرب نفعا(فيض القدير، تحت رقم الحديث ۱۹۹۲)

[2] صحيح الإسناد(تعليق الادب المفرد للسمير بن أمين الزهيرى)

میں داخل ہو گئے (ادبُ المفرد)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اولاد کے علاوہ اجنبی لوگوں کی دوسرے زندہ وفوت شدہ مسلمان کے لئے دعا کرنے سے اس کو فائدہ ہوتا ہے، اسی لئے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اور اپنی والدہ کے لئے دوسرے کی دعا فرمانے پر اس کو دعا دی۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن بندے کی دعا واستغفار سے میت کو عظیم اجر وثواب حاصل ہوتا ہے۔

(۱۵)......حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَنْ اِسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كَتَبَ اللهُ لَهُ بِكُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ حَسَنَةً (مسند

---

[1] ایک روایت اس سلسلہ میں عمرو بن جریر کی سند سے مروی ہے، جو کہ سند کے لحاظ سے اطمینان بخش نہیں ہے۔

سمعت عمرو بن جرير قال " :إذا دعا العبد لأخيه الميت أتى بها الملك قبره، فقال له :يا صاحب القبر الغريب، هدية من أخ عليك شفيق "(شعب الايمان للبيهقى، رقم الحديث ۸۸۵۸،فصل فى زيارة القبور)

اسناده ضعيف.

عمرو بن جرير هو البجلى ،كوفى كذبه ابو حاتم وضعفه غيره.

والخبر اورده الغزالى فى "احياء علوم الدين"(۴/۴۷۵)(حاشية شعب الايمان ،ج ۱۱ ص ۴۷۳)

عمرو بن جرير أبو سعيد البجلى.

عن إسماعيل بن أبى خالد. كذبه أبو حاتم.وقال الدارقطنى :متروك الحديث.

وروى عنه أبو عصيدة أحمد بن عبيد ثلاثة أحاديث بسند واحد عن إسماعيل عن قيس عن جرير مرفوعا :من صلى أربعا قبل الزوال بالحمد وآيه الكرسى بنى الله له بيتا فى الجنة لا يسكنه إلا صديق، أو شهيد .وبه :من صلى بين المغرب والعشاء عشرين ركعة ...الحديث.وبه :من صلى بعد العشاء ركعتين بثلاثين (قل هو الله أحد) بنى الله له ألف قصر فى الجنة . ...فهذه أباطيل .انتهى.وذكره الساجى والعقيلى فى الضعفاء .والأحاديث الثلاثة رواها ابن عدى فى الكامل عن على بن أحمد، عن أبى عصيدة وقال :لعمرو بن جرير مناكير الإسناد والمتن غير ما ذكرت .وأورد له العقيلى عن زكريا الساجى عن داود بن سليمان المؤدب عنه بالسند المذكور عن قيس فى قوله تعالى :(معيشة ضنكا) قال :رزقا فى معصية .وقال الدارقطنى فى العلل :كان ضعيفا(لسان الميزان ، ج٦ ص ۱۹۵ ،تحت رقم الترجمة ۵۷۸۷)

الشاميين للطبراني، رقم الحديث ۲۱۵۵) [۱]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمارہے تھے کہ جس شخص نے مؤمن مَردوں اور مؤمن عورتوں کے لئے استغفار کیا، تو اللہ تعالیٰ ہر مؤمن مرد اور ہر مؤمن عورت کے حساب سے ایک نیکی عطا فرمائیں گے (طبرانی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مؤمن مَردوں اور عورتوں کے لیے استغفار کرنے سے اُن کو فائدہ ہوتا ہے، اور استغفار کرنے والے کو ہر مؤمن مَرد وعورت کے عدد کے برابر نیکی حاصل ہوتی ہے۔

لہٰذا دعا واستغفار کرنے میں بخل نہیں کرنا چاہیے، اور تمام مؤمنین ومؤمنات کو دعا واستغفار میں شامل کرنا چاہیے، کیونکہ اس میں جس طرح سے دوسرے مومنین ومؤمنات کا فائدہ ہے، اسی طریقے سے استغفار کرنے والے کا بھی فائدہ ہے۔

اس قسم کی اور روایات بھی مروی ہیں۔ [۲]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ میت کے لیے دعا واستغفار کے سلسلہ میں چند صحیح احادیث وروایات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَدُعَاءُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْاَمْوَاتِ فِعْلاً وَتَعْلِيْمًا وَدُعَاءُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ عَصْراً بَعْدَ عَصْرٍ اَكْثَرُ مِنْ اَنْ

---

[۱] قال الهيثمي: رواه الطبراني واسنادهٗ جيد (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۷۵۹۸، باب الاستغفار للمؤمنين والمؤمنات)

[۲] حدثنا إبراهيم قال: نا أبي قال: نا عبد الرحمن بن محمد المحاربي قال: نا بكر بن خنيس قال: حدثني محمد بن يحيى المديني، عن موسى بن وردان، عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من لم يكن عنده مال يتصدق به، فليستغفر للمؤمنين والمؤمنات، فإنها صدقة لم يرو هذا الحديث عن موسى إلا محمد، تفرد به بكر (المعجم الاوسط للطبراني، رقم الحديث ۲۶۹۳)

قال الهيثمي:

رواه الطبراني في الاوسط وفيه من لم اعرفهم (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ۱۷۵۹۷، باب الاستغفار للمؤمنين والمؤمنات)

يُّذْكَرَوَاَشْهَرُ مِنْ اَنْ يُّنْكَرَ (كتاب الروح، صفحه ١١٩، المسئلة السادسة عشرة)

ترجمہ: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مُردوں کے لئے خود عملی طور پر دعا فرمانا اور اس دعا کی امت کو تعلیم دینا اور صحابۂ کرام وتابعین اور بعد کے مسلمانوں کا اپنے اپنے زمانہ میں (اموات کے لئے دعا واستغفار کرنا) اتنی کثرت سے منقول ہے کہ بیان میں نہیں آ سکتا، اور اس کی شہرت اتنی عام ہے کہ ان کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا (روح)

معلوم ہوا کہ میت کے لیے دعا واستغفار کرنے سے اُس کو عظیم الشان طریقے پر فائدہ اور اس کا ثواب پہنچتا ہے۔

اور قرآن مجید کی واضح آیات اور احادیث سے ثابت ہوا کہ ایک مسلمان کی دعا واستغفار سے دوسرے زندہ وفوت شدہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ دعا واستغفار دوسروں کا اپنا عمل نہیں ہے، اس سے ایصالِ ثواب کے منکرین کی یہ بنیاد منہدم ہو جاتی ہے کہ کسی کو کسی دوسرے شخص کی کسی سعی اور عمل سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔

دعا واستغفار کے علاوہ کسی اور مالی یا بدنی عبادت کے ذریعے ایصالِ ثواب کرنے والا بھی دل یا زبان سے یہ دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! میرے اس عمل کا نفع (وثواب) فلاں کو پہنچا دیجیے۔

لہٰذا اس حیثیت سے دوسرے اعمال کے ذریعے ایصالِ ثواب کرنا دعا کی بنیاد پر درست ہے۔ [1]

---

[1] بعض ایصالِ ثواب کے منکرین نے اس موقعے پر ایک عجیب غریب طولِ لاطائل یہ تاویل کی ہے کہ: دعا کا حکم اوّلاً زندوں کے لیے ہے، اور ضمناً مُردوں کے لیے؛ لہٰذا اس سے اگر ایصالِ ثواب کی دلیل پکڑی جائے تو ضروری ہوگا کہ ایصالِ ثواب اوّلاً زندوں کے لیے کیا جائے، اور پھر مُردوں کے لیے (ملاحظہ ہو: عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں ص ۱۰۴ تا ۱۱۱، اشاعتِ ہفتم، ربیع الاول ۱۴۱۷، اگست 1996ء، ناشر: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

والدین ودیگر مسلمانوں کے لئے کس طرح دعاواستغفار کیا جائے؟

دعاواستغفار کے لئے شریعت نے الفاظ مقرر نہیں کئے، اس لئے جن الفاظ میں اور جس زبان میں چاہیں مومن والدین اور مسلمانوں کے لئے دعاواستغفار کیا جاسکتا ہے۔

البتہ قرآن مجید واحادیثِ مبارکہ میں جو الفاظ ذکر کئے گئے ہیں ان کے ذریعہ سے دعاواستغفار کرنا زیادہ باعثِ برکت ہے۔

اس مضمون کی قرآن مجید کے حوالہ سے جو دعائیں پہلے گزرچکی ہیں، ان میں سے چند دعائیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)......سورہ بنی اسرائیل میں والدین کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دعا کی تعلیم دی ہے کہ:

رَبِّ ارُحَمُهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيُرًا.

ترجمہ: اے میرے رب، رحم فرما ان دونوں پر، جیسا کہ انہوں نے میری بچپن میں تربیت کی (سورہ اسراء، آیت نمبر۲۴)

(۲)......سورہ نوح میں اپنے لئے اور اپنے والدین اور اپنے مومن گھر والوں اور مومن

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

حالانکہ نہ تو خالصتاً زندہ مسلمان کے لیے دعا کرنا ناجائز ہے، اور نہ ہی مُردہ کے لیے، اور یہی حال ایصالِ ثواب کا بھی ہے کہ وہ زندہ اور مُردہ دونوں قسم کے مسلمانوں کو کیا جاسکتا ہے، جس پر بحث ہم نے الگ مقام پر کردی ہے۔

ایصالِ ثواب کا انکار کرنے والا یہ گروہ ایک طرف تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ:

ایک انسان کا عمل کسی دوسرے کے کام نہیں آ سکتا، اور اسی پر ایصالِ ثواب کے مسئلے کی بنیاد ہے (ملاحظہ ہو: عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں ص ۷، اشاعتِ ہفتم، ربیع الاول ۱۴۱۷، اگست 1996ء، ناشر: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی)

اور دوسری طرف کچھ تاویلات کر کے زندہ مسلمان کی دعاواستغفار سے فوت شُدہ مسلمانوں کو نفع اور فائدہ پہنچنے کا بھی معترف ہے، معلوم نہیں کہ اس مسئلے میں وہ بنیاد جس کو قرآن مجید کی مختلف آیات سے ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، کہاں چلی جاتی ہے؟

ومومنات کی مغفرت کے لئے ان الفاظ میں دعا کی تعلیم ہے کہ:

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ.

ترجمہ: اے میرے رب! میری اور میرے والدین کی مغفرت فرمادیجئے، اور جو میرے گھر میں داخل ہیں ایمان والے، اور مومن مَرد اور ایمان والی عورتوں کی بھی مغفرت فرمادیجئے (سورہ نوح، آیت نمبر ۲۸)

(۳)......سورہ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے والدین اور مومنوں کے لئے اس طرح مغفرت کی دعا کی تعلیم دی ہے کہ:

رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ.

ترجمہ: اے ہمارے رب! مجھے اور میرے والدین کو اور ایمان والوں کو حساب قائم کرنے (یعنی قیامت) کے دن معاف فرمایئے (سورہ ابراہیم، آیت نمبر ۴۱)

(۴)......سورہ حشر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مغفرت اور اپنے سے پہلے گزرے ہوئے مومن بھائیوں کے لئے اس طرح مغفرت کی دعا کی تعلیم فرمائی ہے کہ:

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ.

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہماری اور ہمارے اُن بھائیوں کی مغفرت فرمایئے، جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ گزر چکے ہیں (سورہ حشر، آیت نمبر ۱۰)

ملحوظ رہے کہ دعا واستغفار کے ذریعہ سے میت کو ایصالِ ثواب کرنے اور اس کو فائدہ پہنچنے کی مذکورہ تمام بحث اس صورت میں ہے جبکہ دعا واستغفار کو ہر قسم کی ریاء کاری اور نام ونمود سے بچ کر اخلاص کے ساتھ کیا جائے، اور اپنی طرف سے اس میں کوئی بدعت شامل نہ کی جائے۔

آج کل بہت سے لوگ میت کے لئے رسمی ورواجی دعا واستغفار کا اہتمام کرتے ہیں، مگر نیت یا عمل کے فاسد ہونے کی وجہ سے دعا واستغفار کے حقیقی ایصالِ ثواب اور میت کو فائدہ

پہنچانے سے نہ صرف یہ کہ محروم رہتے ہیں بلکہ خود بھی گناہ گار ہوتے ہیں، اور اپنی جان اور اوقات بلکہ مال کو ضائع کرتے ہیں۔

چنانچہ بعض لوگ دعاواستغفار کے لئے اپنی طرف سے مخصوص دنوں اور تاریخوں کو متعین کرتے ہیں۔

اور بعض لوگ دعاواستغفار کے ساتھ بعض دوسری چیزوں کی پیوند کاری کرتے ہیں، مثلاً دعاواستغفار کے وقت کھانا وغیرہ سامنے رکھنے کو ضروری سمجھتے ہیں۔

اور بعض لوگ دعاواستغفار کے لئے جمع ہونے کو ضروری خیال کرتے ہیں۔

اور بعض لوگ صرف نام آوری اور لوگوں کے اس قسم کے طعنوں سے ڈر کر کہ ''مر گیا مردود نہ فاتحہ نہ درود'' دعاواستغفار کے لئے مختلف قسم کی نمود ونمائش اور اسراف وفضول خرچی پر مشتمل تقاریب منعقد کرتے ہیں، یا اسی قسم کی اور خرابیوں میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔

اس قسم کی خرابیوں کے موجود ہوتے ہوئے دعاواستغفار کا ظاہری عنوان تو دیا جاسکتا ہے مگر دعاواستغفار کے حقیقی ثمرات وبرکات سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

اللہ تعالیٰ صدق واخلاص کے ساتھ دعاءواستغفار کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔



مالی عبادات وصدقات میں نیابت اور ایصالِ ثواب

مالی عبادات اور بطورِ خاص صدقات وغیرہ کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کرنے اور دوسرے کی طرف سے نائب اور وکیل بن کر اس عمل کو انجام دینے کا کئی احادیث سے ثبوت ملتا ہے۔ جن میں سے چند کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

(۱)......حضرت عمر بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَاعَلٰی اَحَدِکُمْ اِذَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَۃٍ تَطَوُّعًا اَنْ یَّجْعَلَھَا عَنْ اَبَوَیْہِ ، فَیَکُوْنُ لَھُمَا اَجْرُھَا ، وَلَا یُنْقَصُ مِنْ اَجْرِہٖ شَیْئٌ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۷۷۲۶)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص جب نفلی صدقہ کرے تو اس میں حرج نہیں کہ اُس کو اپنے والدین کے (ثواب پہنچانے) کے لیے کر دے، تو والدین کو اس کا ثواب پہنچ جائے گا، اور صدقہ کرنے والے کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی (طبرانی)

اس حدیث کی سند پر اگرچہ کلام ہے، لیکن والدین کو صدقہ کرنے سے ان کو اور صدقہ کرنے والی اولاد دونوں کو نفع پہنچنا آگے آنے والی صحیح احادیث سے ثابت ہے، اس لئے اپنے مفہوم کے اعتبار سے اس حدیث کا مضمون درست ہے۔ [۱]

اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ کے ذریعے سے ایصالِ ثواب کیا جا سکتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب کرنے سے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی، نیز اس میں اس طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ جب کسی عمل کا ایک سے زیادہ افراد کو ثواب پہنچایا جائے تو سب افراد کو

---

[۱] قال الطبرانی: لم یروھذا الحدیث عن عثمان بن سعد الا خارجۃ بن مصعب.
وقال الھیثمی: رواہ الطبرانی فی الأوسط، وفیہ خارجۃ بن مصعب الضبی، وھو ضعیف (مجمع الزوائد، ج۳ص ۱۳۹)

پورا پورا ثواب پہنچتا ہے۔ [1]

(۲)...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اَنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبِىُ مَاتَ وَتَرَکَ مَالًا وَلَمْ يُوْصِ فَهَلْ يُكَفِّرُ عَنْهُ اَنْ اَتَصَدَّقَ عَنْهُ ؟ قَالَ نَعَمْ (مسلم) [2]

ترجمہ: ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے والد کا انتقال ہوگیا ہے اور (اپنے ترکہ میں) انہوں نے مال چھوڑا ہے اور انہوں نے کوئی وصیت نہیں کی تو (اگر) میں ان کی جانب سے کچھ صدقہ (خیرات) کردوں تو کیا میرا یہ صدقہ ان کے لئے (اُن کی خطاؤں کا) کفارہ بنے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں (مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مُردہ شخص کے لیے زندہ شخص کا صدقے کے ذریعے سے ایصالِ ثواب کرنا درست ہے، اور یہ کہ ایصالِ ثواب سے مُردہ کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ [3]

---

[1] چنانچہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ اس حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

اجرھا کا مرجع صدقہ ہے، جس کا حقیقی مفہوم کل الصدقة ہے، نہ کہ جزو الصدقة، اور لھما سے متبادر اور شاعر اطلاق کے وقت کل واحد ہوتا ہے، اور مجموعہ مراد ہونا محتاجِ قرینہ ہوتا ہے، اور قرینہ کا فقدان ظاہر ہے، پس معنیٰ یہ ہوئے کہ دونوں میں سے ہر ہر واحد کو پورے صدقہ کا اجر ملے گا، اور دوسرے احتمالاتِ مخالفہ غیر ناشی عن دلیل ہیں، اس لئے معتبر نہیں (بوادر النوادر ص ۳۵۴، امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۶۳۱)

[2] رقم الحديث ١١ "١٦٣٠"، كتاب الوصية، باب وصول ثواب الصدقات إلى الميت، واللفظ لهٗ؛ نسائى، رقم الحديث ٣٦٥٢؛ مسند احمد، رقم الحديث ٨٨٤١؛ مسند ابى يعلى الموصلى، رقم الحديث ٦٤٩٤؛ صحيح ابنِ خزيمه، رقم الحديث ٢٤٩٨.

[3] بعض ایصالِ ثواب کے منکرین نے اس حدیث میں مذکور "یُکَفِّر" کا جو یہ مطلب بیان کیا ہے کہ:

یہ الفاظ تو یہ ثابت کررہے ہیں کہ کسی کفارے کا معاملہ تھا، جو مرنے والے کے ذمہ واقع ہوگیا تھا (عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں ص ۱۲۰، تالیف: حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی)

اس سے اتفاق مشکل ہے، جیسا کہ مسلم کے شارح امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(قولهٗ: فَهَلْ يُكَفِّرُ عَنْهُ اَنْ اَتَصَدَّقَ عَنْهُ؟) أى هل تكفر صدقتى عنه سيئاته ؟ والله اعلم (شرح النووى على مسلم، تحت رقم الحديث ١٦٣٠، ج ١١ ص ٨٤، ٨٥)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اس حدیث میں اس بات کی بھی صاف وضاحت موجود ہے کہ فوت ہونے والے شخص نے صدقہ وغیرہ کی کوئی وصیت بھی نہیں کی تھی۔

لہٰذا شرعی قاعدے کے مطابق وصیت نہ ہونے کی وجہ سے فوت شُدہ شخص کا مال وارثوں کی ملکیت بن گیا تھا۔

جس سے معلوم ہوا کہ ایک شخص اپنی ذاتی ملکیت سے مال کا صدقہ کرکے دوسرے کو ایصالِ ثواب کرسکتا ہے۔

(۳)......حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میرے دادا عاص بن وائل نے زمانۂ جاہلیت میں سو اونٹوں کی قربانی کی منّت مانی تھی (جس کو وہ پورا نہ کرسکے اور انہوں نے اپنے دو بیٹے ہشام اور عمرو چھوڑے) تو ان کی طرف سے ان کے ایک بیٹے ہشام بن عاص نے اپنے حصے کے پچاس اونٹ ذبح کیے، پھر (میرے والد) عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے (اسلام لانے کے بعد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا (سوال کا مقصد یہ تھا کہ اگر بقیہ پچاس اونٹ میں ان کی طرف سے قربان کردوں تو کیا اس سے ان کو کچھ نفع ہوگا؟)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ:

اَمَّا اَبُوْکَ فَلَوْ اَقَرَّ بِالتَّوْحِيْدِ فَصُمْتَ وَتَصَدَّقْتَ عَنْهُ نَفَعَهُ ذٰلِكَ (مسند احمد) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قولہ (يُكَفِّرعنه) من التكفير اى سيئاته او هذه السيئة وهو ترك الوصية مع كثرة المال وعده سيئة لما فيه من النقصان والحرمان عن الثواب العظيم مع وجود الامكان (حاشية السندى على النسائى، تحت رقم الحديث ۳۶۵۲، ج۶ ص ۲۵۲، كتاب الوصايا، باب فضل الصدقة عن الميت)

[1] مسند عبدالله بن عمرو بن العاص رضى الله عنه، رقم الحديث ۶۷۰۴، واللفظ لهٗ؛ مصنف ابنِ ابى شيبه، رقم الحديث ۱۲۲۰۴، ما يتبع الميِّت بعد موته.

فى حاشية مسند احمد: اسنادهٗ حسن.

ترجمہ: تمہارے باپ اگر لا الٰہ الا اللّٰہ کے ماننے والے ہوتے (یعنی مومن ہوتے اور) پھر تم ان کی طرف سے روزے رکھتے اور صدقہ کرتے تو اس سے ان کو نفع ہوتا (مسند احمد)

اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّہٗ لَوْ کَانَ مُسْلِمًا فَاَعْتَقْتُمْ عَنْہُ اَوْتَصَدَّقْتُمْ عَنْہُ اَوْ حَجَجْتُمْ عَنْہُ بَلَغَہٗ ذٰلِکَ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ اگر وہ مسلمان ہوتے اور پھر تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا ان کی طرف سے صدقہ کرتے یا ان کی طرف سے حج کرتے تو یہ (یعنی اس کا ثواب) ان کو پہنچ جاتا (ابوداؤد)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمادیا کہ جو شخص کفر کی حالت میں فوت ہوجائے، اُس کو ایصالِ ثواب نہیں ہوسکتا، البتہ اگر اسلام کی حالت میں فوت ہو تو پھر اُس کو روزے کے ذریعے (جوکہ بدنی عبادت ہے) اور صدقہ وغلام آزاد کرنے کے ذریعے (جوکہ مالی عبادت ہے) اور حج کے ذریعہ (جوکہ بدنی ومالی عبادات کا مجموعہ ہے) ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ٢٨٨٣، كتاب الوصايا، باب ماجاء فى وصية الحربى يسلم وليه ايلزمه ان ينفذها؛ السنن الكبرىٰ للبيهقى، رقم الحديث ١٢٦٣٧، باب ماجآء فى العتق عن الميت؛ معرفة السنن والآثار، رقم الحديث ١٢٨٧٠.

قال الالبانى: حسن (الجامع الصغير وزيادته، تحت رقم الحديث ٩٤٢٢)

[2] اى لوكان الميت مسلما ففعلتم به ذالک وصل اليه ثوابه ونفعه واما الكافر فلا (فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ٧٤٧٩)

(أو تصدقتم عنه، أو حججتم عنه، بلغه ذلک) أى: وحيث لم يسلم لم يبلغه ثوابه لفقد الشرط وهو الإسلام، لكن الإعتاق يرجع ثوابه إلى من أعتق عنه وهو مسلم، وهذه النكتة باعثة على أنه لم يقل "لا" فى الجواب، والله تعالى أعلم بالصواب (مرقاة المفاتيح، ج٥ص ٢٠٤٠، كتاب البيوع، باب الوصايا)

فسأل رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأخبره أن موت أبيه على الكفر مانع من وصول نفع ذالک إليه، وأنه لو أقر بالتوحيد لأجزأ ذالک عنه ولحقه ثوابه (نيل الاوطار، ج٤، ١١٢، أبواب الدفن وأحكام القبور، باب وصول ثواب القرب المهداة إلى الموتى)

(۴)......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّ أُمِّيَ افْتُلِتَتْ نَفْسَهَا وَلَمْ تُوصِ وَأَظُنُّهَا لَوْتَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ أَفَلَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ (مسلم) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری والدہ اچانک انتقال کرگئیں ہیں اورانہوں نے کوئی وصیت بھی نہیں کی ہے اور میرا گمان ہے کہ اگر انہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ کچھ صدقہ کرجاتیں، تو کیا اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ (خیرات) کروں تو ان کو ثواب پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا، جی ہاں! (مسلم)

ان صاحب کو اپنی والدہ کے نیک کاموں میں رغبت کو دیکھ کر اندازہ ہوگیا تھا کہ ان کو اگر موقع ملتا تو وہ صدقہ خیرات کرتیں۔

اس لئے انہوں نے اپنی والدہ کے مرغوب عمل کے مطابق ان کو ایصالِ ثواب کرنے کا سوال کیا، جبکہ انہوں نے اس کی کوئی وصیت بھی نہیں کی تھی۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۰۰۴ "۵۱"، باب وصول ثواب الصدقة عن الميت إليه، واللفظ لهٗ، بخارى، رقم الحديث ۱۳۸۸، كتاب الجنائز، باب موت الفجأة البغتة، ورقم الحديث ۲۷۶۰؛ موطأ مالک، رقم الحديث ۵۳، كتاب الاقضية، باب صدقة الحى عن الميت؛ نسائى، رقم الحديث ۳۶۴۹؛ ابنِ ماجه، رقم الحديث ۲۷۱۷؛ مسند احمد، رقم الحديث ۲۴۲۵۱؛ مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ۱۲۰۷۷؛ المعجم الاوسط للطبرانى، رقم الحديث ۷۰۳؛ ابنِ حبان، رقم الحديث ۳۳۵۳، مسند الحميدى، رقم الحديث ۲۵۸.

قولهٗ (افتلتت) بالفاء وضم التاء أى: ماتت بغتة وفجأة، والفلتة والافتلات ما كان بغتة (شرح النووى على مسلم، تحت رقم الحديث ۱۶۳۰، باب وصول ثواب الصدقات إلى الميت)

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ذرا سے لفظوں کے فرق سے یہ روایت حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے (ملاحظہ ہو: الادب المفرد حدیث نمبر ۳۹، باب برالوالدین بعد موتهما)

[2] لما علم من حرصها على الخير ومن رغبتها فى الوصية (تنوير الحوالک شرح موطأمالک، تحت رقم الحديث ۱۴۵۱)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان احادیث سے معلوم ہورہا ہے کہ زندہ شخص صدقہ کے ذریعے سے فوت شُدہ مسلمان کو اجرو نفع پہنچاسکتا ہے، اوراسی کا نام ایصالِ ثواب ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام نے اس عمل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کی روشنی میں انجام دیا ہے، اورکئی محدثین نے بھی میت کی طرف سے صدقہ کرنے سے اُس کو ثواب پہنچنے کا باب قائم کرکے ان احادیث کو اپنی احادیث کی کتابوں میں درج فرمایا ہے۔

نیز فقہائے کرام نے بھی میت کی طرف سے صدقہ کرکے اُس کو ایصالِ ثواب ہونے پر ان احادیث سے استدلال فرمایا ہے۔ [1]

اورایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے والے اُن صاحب نے ماں کی طرف سے صدقہ کرنے کی صورت میں اپنے لیے بھی اجروثواب کا سوال کیا تھا۔

چنانچہ اُس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

فَلِيَ أَجْرٌ اِنْ أَتَصَدَّقُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ (مسلم) [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لہٰذا بعض ایصالِ ثواب کے منکرین کا اس واقعہ میں یہ تاویل کرنا کہ ممکن ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں اس کا تذکرہ کیا ہو اس طرح سے یہ عمل وصیت میں داخل ہوکر والدہ ہی کا عمل سمجھا جائے گا۔

ایک غلط احتمال پر استدلال کی بنیاد رکھنا ہے، کیونکہ اس راویت میں صاف موجود ہے کہ انہوں نے اس سلسلہ میں کوئی بات نہیں کی تھی؛ اور بعض دوسری روایات میں وصیت کے بغیر صدقہ کے جائز ہونے کا صاف طور پر ثبوت موجود ہے؛ لہٰذا یہ احتمال وتاویل بعید ہے۔

[1] لہٰذا ایصالِ ثواب کے منکرین کا یہ دعویٰ کرنا درست نہیں کہ:

احادیثِ مبارکہ میں کہیں بھی صراحتاً ثواب کی منتقلی بیان نہیں کی گئی، جن طریقوں سے ہم مُردوں کے نام ایصالِ ثواب کرتے ہیں؛ ان طریقوں کا استعمال نہ تو صحابۂ کرام میں پایا جاتا ہے، اور نہ تابعین وتبعِ تابعین اور بعد کے لوگوں میں الخ (ملاحظہ ہو: عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں ص ۱۱۲، اشاعتِ ہفتم، ربیع الاول ۱۴۱۷، اگست 1996ء، ناشر: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی)

البتہ اگر ایصالِ ثواب کے طریقوں میں بدعات شامل کرلی جائیں تو پھر اس سے ایصالِ ثواب کی توقع رکھنا بے کار ہے، کیونکہ یہ ایصالِ ثواب کی شرائط کے خلاف ہے، جس کا ذکر ہم نے الگ مقام پر کردیا ہے۔

[2] رقم الحديث ۱۰۰۴ ''۱۲'' كتاب الوصية، باب وصول ثواب الصدقات إلى الميت.

ترجمہ: کیا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو میرے لیے بھی اجروثواب ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں (مسلم)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مُردہ شخص کی طرف سے صدقے کے ذریعے سے ایصالِ ثواب کرنے والے کے جواب میں اُس کو بھی اجروثواب حاصل ہونے کی تصدیق فرمائی، جس سے معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب کرنے والے کو بھی اجروثواب حاصل ہوتا ہے، اور اس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔

اور اس حدیث اور اس سے پہلی حدیث میں باہم کوئی تعارض وٹکراؤ نہیں۔

کیونکہ ایصالِ ثواب کرنے والے کو جس طرح اجروثواب حاصل ہوتا ہے، اسی طرح جس کو ایصالِ ثواب کیا جائے، اُس کو بھی اجروثواب حاصل ہوتا ہے (جیسا کہ ہم نے آگے ایک سوال کے جواب میں اس کی وضاحت کردی ہے) [۱]

یہ صحابی کون تھے، جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی والدہ کی وفات کے بعد اُن کے

---

[۱] لہٰذا ایصالِ ثواب کے منکرین کا یہ دعویٰ درست نہیں کہ:

جب آپ نے اپنے عمل کا ثواب دوسرے کے نام کردیا اور خود اس سے دستبردار ہوگئے تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ اس کا اجر آپ کو بھی ملے گا، اس لیے کہ قاعدہ اور دستور تو یہ ہے کہ جو چیز آپ نے دوسرے کو دیدی، وہ آپ کی ملکیت سے خارج ہوگئی، اب اس پر اپنی ملکیت کا دعویٰ ایک خودفریبی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا، اب یہ اجر آپ کو اسی صورت میں مل سکتا ہے کہ جسے آپ نے اپنا عمل دیا ہے، اس سے اپنے عمل کی واپسی کا مطالبہ کریں۔الخ (عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں صفحہ ۴۷، تالیف: حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، اشاعت ہفتم ربیع الاول ۱۴۱۷ھ، ناشر: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی)

حالانکہ ایصالِ ثواب کی بنیاد عدل سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر مبنی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر مبنی انعامات کو دنیا کے قاعدے اور دستور پر قیاس کرنا ہی دراصل بڑی غلط فہمی ہے۔

وهذا كله تفضل من الله عز وجل، كما أن زيادة الأضعاف فضل منه، كتب لهم بالحسنة الواحدة عشرا إلى سبعمائة ضعف إلى ألف ألف حسنة، كما قيل لأبي هريرة :أسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول :(إن الله ليجزى على الحسنة الواحدة ألف ألف حسنة) فقال سمعته يقول :(إن الله ليجزى على الحسنة الواحدة ألفي ألف حسنة) فهذا تفضل،وطريق العدل (ان ليس للانسان الا ماسعى)(تفسير القرطبي،ج۱۷ ص۱۱۵ ،تحت آيت ۳۹ من سورة النجم)

لیے صدقہ کے ایصالِ ثواب کا سوال کیا تھا؟

اس سلسلہ میں بعض حضرات نے فرمایا کہ وہ صحابی حضرت سعد بن عبادہ تھے، لیکن بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ واقعہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کا ہے، اور حضرت سعد بن عبادہ کا واقعہ اس کے علاوہ ہے، جو کہ آگے آ رہا ہے۔ [1]

(۵)......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

اَنَّ سَعْدَبْنَ عُبَادَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَخَابَنِیْ سَاعِدَةَ تُوُفِّیَتْ اُمُّہٗ وَھُمَ غَائِبٌ عَنْھَا فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اُمِّیْ تُوُفِّیَتْ وَاَنَاغَائِبٌ عَنْھَا فَھَلْ یَنْفَعُھَا شَیْئٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِہٖ عَنْھَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَاِنِّیْ اُشْھِدُکَ اَنَّ حَائِطِیْ الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَیْھَا (بخاری) [2]

ترجمہ: سعد بن عبادہ کی غیر موجودگی میں ان کی والدہ کی وفات ہوگئی، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری والدہ کا

---

[1] نقل بن عبدالبر أنه سعد بن عبادة واسم أمه عمرة بنت سعد بن عمرو وقيل عمرة بنت مسعود بن قيس بن عمرو وهي من بني النجار (فتح البارى لابن حجر، جزء ۱ صفحه ۲۷۱، أبواب صفة الصلاة باب التكبير وافتتاح الصلاة)

عن عائشة قالت إن رجلا قيل هو سعد بن عبادة قال للنبى إن أمى قال ميرک هى عمرة بنت مسعود بن قيس بن عمرو بن زيد و كانت من المبايعات توفيت سنة خمس من الهجرة (مرقاة المفاتيح، ج۴ص۱۳۵۸، كتاب الزكاة، باب صدقة المرأة من مال الزوج، الفصل الأول)

فهذا صريح فى أن هذا الرجل فى حديث عائشة غير سعد بن عبادة وأنه سأل عن الصدقة عن أمه وأن سعدا سأل عن الصدقة فى رواية ابن عباس وفى رواية أخرى عنه أنه سأل عن النذر وعدم المنافاة يتأتى فى رواية سعد فقط وأما المنافاة بين حديث عائشة هنا وبين حديث ابن عباس فظاهره برواية النسائى والله أعلم (عمدة القارى، ج۱۴، ص۵۵، باب مايستحب لمن يتوفى فجأة أن يتصدقوا عنه وقضاء النذور عن الميت)

[2] رقم الحديث ۲۷۶۲، كتاب الوصايا، باب الاشهاد فى الوقف والصدقة واللفظ لهٗ ورقم الحديث ۲۷۵۶، كتاب الوصايا، باب إذا قال ارضى أو بستانى صدقة لله عن أمى فهو جائز؛ مسند احمد، رقم الحديث ۳۰۸۰، مسند عبدالله بن العباس؛ السنن الكبرىٰ للبيهقى، ۱۲۶۳۱.

انتقال ہوگیا ہے اور میں اس موقع پر موجود نہ تھا، تو کیا اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو یہ ان کے لئے فائدے کا باعث ہوگا (یعنی کیا اُن کو اس کا ایصالِ ثواب ہوگا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں! تو حضرت سعد نے عرض کیا کہ میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میرا ''مخراف (نامی) باغ میری ماں پر (یعنی ان کے ثواب کے لئے) صدقہ ہے (بخاری) [1]

فائدہ: حضرت سعد کی والدہ کا نام عمرہ تھا، سن پانچ ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔ [2]

ایک دوسری حدیث سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔

---

[1] ایصالِ ثواب کے منکرین کے موقف کے خلاف جب کوئی صحیح حدیث آ جاتی ہے، اور اُن کو کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو احادیث کی سند میں غیر معتبر و غیر مؤثر مختلف جرحیں شروع کر دیتے ہیں، یہی کچھ بعض ایصالِ ثواب کے منکرین نے بخاری وغیرہ کی مندرجہ بالا اس صحیح وصریح حدیث کے بارے میں بھی کیا کہ انہوں نے اس حدیث کے راوی حضرت عکرمہ پر نعوذ باللہ کذاب اور خارجی ہونے اور تمام مسلمانوں کا قتل واجب سمجھنے کی ان کی طرف نسبت کر دی (ملاحظہ ہو ''عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں'' تالیف: حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی ص۱۶۴، در ذیل حدیث سعد بن عبادۃ، اشاعت ہفتم ربیع الاول ۱۴۱۷ھ)

ہم طوالت سے بچتے ہوئے ہوئے ان کے الزامات کی تردید میں امام ابنِ حبان رحمہ اللہ کی مندرجہ ذیل عبارت پر اکتفاء کرتے ہیں کہ:

عکرمة مولی بن عباس، کنیته ابوعبدالله یروی عن بن عباس وابی سعید الخدری وعائشةوابی هریرة روی عنه الشعبی وجابر بن زید والناس کان عکرمة من علماء الناس فی زمانه بالقرآن والفقه وکان جابر بن زید یقول عکرمة من اعلم الناس ومن زعم انا کنا نتقی حدیث عکرمة فلم ینصف اذ لم نتقی الروایة عن ابراهیم بن ابی یحییٰ وذویه ولایجب علی من شم رائحة العلم ان یعرج علی قول یزید بن ابی زیاد حیث یقول دخلت علی علی بن عبدالله بن عباس وعکرمة مقید علی باب الحش قلت من هذا قال ان هذا یکذب علی ابی ،ومن امحل المحال ان یجرح العدل بکلام المجروح ، لان یزید بن ابی زیاد لیس ممن یحتج بنقل حدیثه ولا بشیئ یقوله، ایوب بن رزین عن نافع قال سمعت بن عمر یقول یانافع لاتکذب علی کما یکذب عکرمة علی بن عباس، قلت اما عکرمة فحمل اهل العلم عنه الحدیث والفقه فی الاقالیم کلها وما اعلم احدا ذمه بشیئ الا بدعابة کانت فیه (ثقات ابن حبان ج۵ ص ۲۲۹، ۲۳۰)

[2] عن عائشة قالت إن رجلا قیل هو سعد بن عبادة قال للنبی إن أمی قال میرک هی عمرة بنت مسعود بن قیس بن عمرو بن زید وکانت من المبایعات توفیت سنة خمس من الهجرة (مرقاة المفاتیح، ج۴ ص ۱۳۵۸، کتاب الزکاة، باب صدقة المرأة من مال الزوج، الفصل الأول)

چنانچہ سعید بن عمرو اپنے والد عمرو بن شرحبیل سے اور وہ اپنے دادا سعید بن سعد بن عبادہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

خَرَجَ سَعْدُبْنُ عُبَادَةَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَعْضِ مَغَازِیْہِ فَحَضَرَتْ اُمَّہُ الْوَفَاۃُ بِالْمَدِیْنَۃِ فَقِیْلَ لَھَا اُوْصِیْ فَقَالَتْ فِیْمَ اُوْصِیْ اِنَّمَا الْمَالُ مَالُ سَعْدٍ فَتُوُفِّیَتْ قَبْلَ اَنْ یَّقْدِمَ سَعْدٌ فَلَمَّا قَدِمَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَۃَ ذُکِرَلَہٗ فَقَالَ سَعْدٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ یَنْفَعُھَا اِنْ اَتَصَدَّقَ عَنْھَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَعَمْ فَقَالَ سَعْدٌ حَائِطٌ کَذَا وَکَذَا صَدَقَۃٌ عَنْھَا لِحَائِطٍ سَمَّاہُ (مؤطاامام مالک) [1]

ترجمہ: سعد بن عبادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ میں تشریف لے گئے، اس دوران مدینہ میں ان کی والدہ کی وفات کا وقت قریب آ گیا، ان سے کہا گیا کہ آپ وصیت کردیں، تو انہوں نے جواب میں کہا کہ میں کس مال میں وصیت کروں؟ یہ مال تو سعد کا ہے۔ تو حضرت سعد کی آمد سے پہلے اسی حال میں ان کی وفات ہوگئی، پھر جب سعد بن عبادہ تشریف لائے تو ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا، تو حضرت سعد نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو یہ ان کے لئے نفع کا باعث ہوگا (یعنی کیا اُن کو اس کا ایصالِ ثواب ہوگا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ جی ہاں! تو حضرت سعد نے کہا کہ اس اس طرح کا باغ، جس کا انہوں نے نام رکھا

---

[1] رقم الحدیث ۲۸۱۲، کتاب الاقضیۃ، باب صدقۃ الحی عن المیت، واللفظ لہٗ، سنن النسائی، رقم الحدیث ۳۶۵۰؛ السنن الکبریٰ للبیہقی، رقم الحدیث ۱۲۶۳۲؛ السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث ۶۴۴۴؛ مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۱۵۳۰؛ صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۳۳۵۴؛ صحیح ابنِ خزیمۃ، رقم الحدیث ۲۵۰۰؛ معرفۃ السنن والآثار، رقم الحدیث ۱۲۸۶۲.

قال الحاکم:

هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه، وله شاهد صحیح علی شرط البخاری.

وفی حاشیة صحیح ابنِ حبان: حدیث صحیح.

ہوا تھا (اور دوسری روایت میں اس کا نام مخراف آیا ہے) میری والدہ کی طرف سے صدقہ ہے (موطا) ۱؎

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کی طرف سے زندہ شخص کا صدقہ کرنا جائز اور ثابت ہے، اور اس سے میت کو فائدہ ہوتا ہے، خواہ اس صدقہ کا فوت شدہ شخص سبب بھی نہ بنا ہو۔ ۲؎

۱؎ ایک روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے جواب میں یہ بھی فرمایا کہ آپ کی والدہ کو صدقہ سے نفع ہوگا، اگرچہ ایک بکری کا جلا ہوا کھر ہی کیوں نہ صدقہ کیا جائے۔

جس سے معلوم ہوا کہ میت کو صدقہ کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کرنے کے لئے کسی لمبی چوڑی چیز کا صدقہ کرنا ضروری نہیں، اور اخلاص کے ساتھ جس چھوٹی سی چھوٹی چیز کا صدقہ کیا جائے، اس سے میت کو نفع ہوتا ہے۔

اگرچہ اس روایت کو بعض محدثین نے محمد بن کریب راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن بہر حال مضمون و متن کے لحاظ سے اس مفہوم کی تردید نہیں کی جاسکتی۔

وہ روایت یہ ہے کہ:

عن ابن عباس عن سعد بن عبادة قال جئت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت: توفیت امی ولم توص ولم تصدق فھل تقبل ان تصدقت عنھا؟ قال نعم فھل ینفعھا ذالک، قال: نعم، ولو بکراع شاۃ محترق (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۵۳۸۰؛ المعجم الاوسط للطبرانی، رقم ال ۷۴۹۰)

۲؎ چنانچہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ:

وأما معنی ھذا الحدیث فمجتمع علیہ فی جواز صدقة الحی عن المیت لا یختلف العلماء فی ذلک وأنھا مما ینتفع المیت بھا وکفی بالاجتماع حجة وھذا من فضل اللہ علی عبادہ المؤمنین أن یدرکھم بعد موتھم عمل البر والخیر بغیر سبب منھم ولا یلحقھم وزر یعملہ غیرھم ولا شر إن لم یکن لھم فیہ سبب یسببونہ أو یبتدعونہ فیعمل بہ بعدھم (التمھید لابن عبدالبر، ج ۲۱ ص ۹۳، باب السین، سعید بن عمرو بن شرحبیل)

اس حدیث پر حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی نے مرسل اور مجہول الحال راوی ہونے کا حکم لگا کر اس کو غیر معتبر قرار دینے کی کوشش کی ہے (ملاحظہ ہو "عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں" ص۱۶۲، درذیل حدیث سعد بن عبادہ، اشاعتِ ہفتم ربیع الاول ۱۴۱۷ھ)

لیکن ان کا اس حدیث کو غیر معتبر قرار دینا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ حدیث صحیح ہے، اور اُس کے راوی معتبر اور ثقہ ہیں، نیز اولاً تو یہ حدیث مرسل نہیں ہے بلکہ مسند ہے، اور اگر مرسل بھی قرار دی جائے تب بھی دوسری اسناد سے اعتضاد حاصل ہونے کی وجہ سے اس کا مرسل ہونا نقصان دہ نہیں، چہ جائیکہ محدثین کی بڑی جماعت کے نزدیک مرسل بھی حجت ہو۔

قال الألباني: حسن صحیح، التعلیق علی ابن خزیمة ۲۵۰۰ (صحیح وضعیف سنن نسائی تحت رقم الحدیث ۳۶۵۰)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)...... امام مالک رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِیْ عَمْرَةِالْأَنْصَارِیِّ أَنَّ أُمَّهُ أَرَادَتْ أَنْ تُوْصِیَ ثُمَّ أَخَّرَتْ ذَالِکَ إِلٰی أَنْ تُصْبِحَ فَهَلَکَتْ وَقَدْ کَانَتْ هَمَّتْ بِأَنْ تُعْتِقَ فَقَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ فَقُلْتُ لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ أَیَنْفَعُهَا أَنْ أُعْتِقَ عَنْهَا فَقَالَ الْقَاسِمُ إِنَّ سَعْدَبْنَ عُبَادَةَ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أُمِّیْ هَلَکَتْ فَهَلْ یَنْفَعُهَا أَنْ أَعْتِقَ عَنْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ (موطأمالک) [1]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ انصاری کی والدہ نے وصیت کرنے کا ارادہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

شمس الدین محمد بن احمد بن عبدالہادی حنبلی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۴ھ) فرماتے ہیں کہ:

وسعید بن عمرو وثقه النسائی وابن حبان وابوه عمرو بن شرحبیل روی عنه غیر واحد وذکره ابن حبان فی کتاب الثقات، وجده شرحبیل بن سعید ذکره ابن حبان ایضا فی الثقات والحدیث فیه ارسال واللّٰه اعلم (تنقیح التحقیق فی احادیث التعلیق، ج۲ص ۲۸۵، ۲۸۶)

حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر نمری رحمہ اللہ (المعروف ابن عبدالبر) فرماتے ہیں کہ:

وهو سعید بن عمرو بن شرحبیل بن سعید بن سعد بن عبادة الأنصاری الخزرجی قد ذکرنا نسب جده سعد بن عبادة فی کتاب الصحابة بما یغنی عن ذکره ههنا وسعید هذا ثقة عدل فیما نقل (التمهید لابن عبدالبر ج ۲۱ ص ۹۲، باب السین، سعید بن عمرو بن شرحبیل)

والصواب فیه سعید بن عمرو والله أعلم وعلی ذلک أکثر الرواة وهذا الحدیث مسند لأن سعید بن سعد بن عبادة له صحبة قد روی عنه أبو أمامة بن سهل بن حنیف وغیره وشرحبیل ابنه غیر نکیر أن یلقی جده سعد بن عبادة علی أن حدیث سعد بن عبادة هذا فی قصة أمه قد روی مسندا من وجوه ومقطوعا أیضا بألفاظ مختلفة وقد ذکرناها فی أبواب سلفت من کتابنا هذا (التمهید لابن عبدالبر، ج ۲۱ ص ۹۳، باب السین، سعید بن عمرو بن شرحبیل)

[1] رقم الحدیث ۲۸۸۷، کتاب العتاقة والولاء، باب عتق الحی عن المیت، واللفظ لهٗ؛ السنن الکبریٰ للبیهقی، رقم الحدیث ۱۲۶۳۸، باب ماجاء فی العتق عن المیت؛ معرفة السنن والآثار للبیهقی، رقم الحدیث ۱۲۸۶۶.

کیا تھا، لیکن یہ عمل انہوں نے صبح تک مؤخر کردیا، اور پھر ان کا انتقال ہوگیا، اور انہوں نے غلام آزاد کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ تو عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے قاسم بن محمد سے سوال کیا کہ کیا میری والدہ کو اس سے فائدہ ہوگا کہ میں ان کی طرف سے غلام آزاد کردوں؟ حضرت قاسم بن محمد نے (اس کے جائز ہونے کے ثبوت میں یہ واقعہ بیان) فرمایا کہ حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے تو کیا اگر میں ان کی طرف سے غلام آزاد کروں تو ان کو نفع ہوگا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جی ہاں (اس لئے آپ کو بھی اپنی والدہ کی طرف سے غلام آزاد کرنا جائز ہے) (موطا)

(۷)...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اَنَّ سَعَدَ بْنَ عُبَادَةَ اِسْتَفْتٰى رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اُمِّىْ مَاتَتْ وَعَلَيْهَا نَذْرٌ فَقَالَ اقْضِهٖ عَنْهَا (بخاری) [۱]

ترجمہ: سعد بن عبادہ (رضی اللہ عنہ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری والدہ وفات پاگئی ہیں، اور ان کے ذمہ ایک منّت تھی (جس کو وہ ادا نہیں کرسکیں تو کیا میں ان کی طرف سے اس کو ادا کرسکتا ہوں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان کی طرف سے اس منّت کو ادا کردو (بخاری)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت سعد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ:

اِنَّ اُمِّیْ مَاتَتْ وَعَلَيْهَا نَذْرٌ أَفَيُجْزِئُ عَنْهَا أَنْ أُعْتِقَ عَنْهَا؟قَالَ أَعْتِقُ عَنْ

---

[۱] رقم الحدیث ۲۷۶۱، کتاب الوصایا، باب مایستحب لمن توفی فجاءۃ ان یتصدقوا عنہ وقضاء النذور، موطأ امام مالک، باب مایجب من النذور فی المشی، رقم الحدیث ۱؛ ابوداوٗد، باب فی قضاء النذر عن المیت، رقم الحدیث ۳۳۰۷؛ نسائی، باب ذکر الاختلاف علی سفیان، رقم الحدیث ۳۶۶۳.

أُمِّکَ (نسائی) [1]

ترجمہ: میری والدہ وفات پا گئی ہیں، اور ان کے ذمہ ایک منّت تھی (جس کو وہ ادا نہیں کرسکیں) تو کیا میں ان کی طرف سے غلام آزاد کرسکتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں! تم اپنی والدہ کی طرف سے غلام آزاد کردو (نسائی)

فائدہ: اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت سعد کی والدہ کی یہ منت غلام آزاد کرنے کی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو ان کی والدہ کی طرف سے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا تھا۔ [2]

ممکن ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ تو صدقہ کے متعلق سوال کیا ہو جس کا ذکر پہلی روایت میں ہے اور دوسری مرتبہ منّت کے بارے میں دریافت کیا ہو جس کا ذکر اس روایت میں ہے۔ [3]

---

[1] رقم الحديث ٣٦٥٦، كتاب الوصايا، باب فضل الصدقة عن الميت؛ مسند احمد، رقم الحديث ٢٣٨٤٦؛ المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ٥٣٦٨)
فى حاشية مسند احمد: حديث صحيح.

[2] (وأما) الوصية بالإعتاق فحكمها وجوب الإعتاق بعد موت الموصى، ولا يعتق من غير إعتاق من الوارث أو الوصى أو القاضى، والأصل فيه أن كل عتق تأخر عن موت الموصى ولو بساعة، لا يثبت، ولا يعتق من غير إعتاق (بدائع الصنائع، ج٧ص ٣٩٣، كتاب الوصايا، فصل فى حكم الوصية)
القربة تقع عن الميت كالتصدق لما روينا بخلاف الإعتاق؛ لأن فيه إلزام الولاء للميت (تبيين الحقائق، ج٦ ص٨، كتاب الإضحية)
ولا يرد ما مر عن الهداية من أن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره وهو شامل للعتق لأن المراد هنا إعتاقه على وجه النيابة عن الميت بدلا عن صيامه، بخلاف ما لو أعتق عبده وجعل ثوابه للميت فإن الإعتاق يقع عن نفسه أصالة ويكون الولاء له، وإنما جعل الثواب للميت وبخلاف التبرع عنه بالكسوة والإطعام فإنه يصح بطريق النيابة لعدم الإلزام (ردالمحتار، ج٢ ص ٤٢٦، كتاب الصوم)
وتقرب الوارث بالتصدق عن الميت صحيح بلا إيصاء (فتح القدير، ج٣ص ١٦٨، كتاب الحج، باب الهدى)
ولو أعتقه الوارث عن كفارة عليه وقع عن الميت لاعن الكفارة والولاء للميت لاللوارث (حاشية الشرنبلالى على درر الحكام، شرح غرر الاحكام، ج٢ ص ١٦، كتاب العتاق، باب العتق على جعل)

[3] ولاتنافى بين قوله: ان امتى ماتت وعليها نذر، وبين قوله ان امى توفيت وانا غائب عنها فهل ينفعها شيئ ان تصدقت به عنها، لاحتمال ان يكون سأل عن النذر وعن الصدقة عنها (فتح البارى، ج٥ص ٣٨٩، كتاب الوصايا، باب مايستحب لمن توفى فجاء ةان يتصدقوا عنه وقضاء النذور)

اوراسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اپنی والدہ کی طرف سے غلام آزاد کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے صدقہ کرنے کا بھی سوال کیا ہو، جیسا کہ مندرجہ ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

اَنَّ سَعْدًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ کَانَتْ تُحِبُّ الصَّدَقَۃَ وَتُحِبُّ الْعَتَاقَۃَ فَھَلْ لَّھَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْھَا اَوْاَعْتَقْتُ عَنْھَا قَالَ نَعَمْ (السنن الکبریٰ للبیہقی) [1]

ترجمہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اورعرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! سعد کی والدہ صدقہ اور غلام آزاد کرنے سے محبت کرتی تھیں، تو کیا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں یا غلام آزاد کروں تو ان کو اس کا اجر ملے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں (بیہقی)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب کے لئے بغیر وصیت کے بھی اپنی ملکیت سے غلام آزاد کرنا درست ہے۔ [2]

(۸)......حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] رقم الحدیث ۱۲۶۳۹، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی العتق عن المیت.

[2] فأما الصدقة عن الميت فمجتمع على جوازها لا خلاف بين العلماء فيها وكذلك العتق عن الميت جائز بإجماع أيضا إلا أن العلماء اختلفوا في الولاء فذهب مالك وأصحابه إلى أن الولاء للمعتق عنه وذهب الشافعي وأصحابه إلى أن الولاء للمعتق على كل حال وذهب الكوفيون إلى أن العتق إن كان بأمر المعتق عنه فالولاء له وإن كان بغير أمره فالولاء للمعتق وقد ذكرنا هذه المسألة ووجوهها في باب ربيعة من كتابنا هذا (التمهيد لمافی المؤطا من المعانی والاسانید لابن عبدالبر، ج۲۰ص۲۷، تابع لحرف العین، عبدالرحمن بن ابی عمرة)

وقال ابن المنذر :أما العتق عن الميت فلا أعلم فيه خبرا ثبت عن رسول الله، صلى الله عليه وسلم، وقد ثبت عن عائشة، رضي الله تعالى عنها، أنها أعتقت عبدا عن أخيها عبد الرحمن، وكان مات ولم يوص (عمدة القاری، ج۱۴ ص۵۵، کتاب الوصایا، باب ما يستحب لمن يتوفى فجأة أن يتصدقوا عنه وقضاء النذور عن الميت)

علیہ وسلم سے عرض کیا کہ:

اِنَّ اُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَاَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ قَالَ اَلْمَاءُ، قَالَ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ (سنن ابی داؤد) [1]

ترجمہ: ام سعد (یعنی میری) والدہ فوت ہوگئی ہیں، تو (ان کی طرف سے) کون سا صدقہ افضل ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی کا صدقہ، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک کنواں کھدوادیا اور فرمایا کہ یہ اُمِ سعد کے لئے ہے (ابوداؤد)

مطلب یہ تھا کہ اس کا ثواب میری والدہ کے لئے ہے، اور کنویں کا انتظام صدقۂ جاریہ ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔ [2]

حضرت سعید بن مسیَّب رحمہ اللہ، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ:

إِنَّ أُمِّيْ مَاتَتْ، أَفَأَتَصَدَّقُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قُلْتُ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ

---

[1] رقم الحديث ١٦٨١، كتاب الزكاة، باب فى فضل سقى الماء واللفظ لهٗ؛ سنن نسائى، رقم الحديث ٣٦٦٥ ورقم الحديث ٣٦٦٦.

[2] کنویں پر سقی الماء اور سقایۃ کا اطلاق درست ہے (جیسا کہ اگلی روایات میں ذکر آرہا ہے) اس لئے اس پر جو بعض منکرینِ ایصالِ ثواب نے یہ اعتراض کیا ہے، کہ کسی روایت میں پانی کا اور کسی میں سبیل کا اور کسی میں کنویں کا ذکر ہے اس لئے یہ حدیث مضطرب ہے، تو اس بارے میں عرض ہے کہ یہ اعتراض درست نہیں۔

قد ذكرنا ان السقاية مايبنى للماء وهو الموضع الذى يسقى فيه الماء (عمدة القارى، ج۹ ص۲۷۶، كتاب الحج، باب سقاية الحاج)

السقى: معروف، والاسم السقيا، والمسقى: وقت السقى، والاستقاء: الاخذ من البئر، والاسقاء: ان تجعل له نهرا او ماء سقيا قال اللّٰه عز اسمه: واسقيناكم ماء فراتا، ووسقى واسقى: بمعنى، واسقيته: دعوت له بالسقيا (المحيط فى اللغة، ماده وسق) والمسقاة، والسقاية: موضع السقى، والسقاية: الاناء يسقى به (المحكم والمحيط الاعظم ماده يسق) والسقاية: مايبنى للماء وفى قوله تعالىٰ (اجعلتم سقاية الحاج) مصدر وفى قوله تعالىٰ (جعل السقاية فى رحل اخيه) مشربة الملك (المغرب، ماده سقى باب السين مع القاف)

سَقْيُ الْمَاءِ (نسائی) ۱؎

ترجمہ: میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے تو کیا ان کی طرف سے صدقہ کردوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں، میں نے عرض کیا کہ کون سا صدقہ زیادہ افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی کا انتظام (نسائی) ۲؎

۱؎ رقم الحديث ۳۶۶۴، كتاب الوصاى، باب فضل الصدقة عن الميت، واللفظ لهٗ، ورقم الحديث ۳۶۶۵ورقم الحديث ۳۶۶۶،عن قتادة عن الحسن عن سعد بن عبادة،السنن الكبرىٰ للنسائى رقم الحديث ۶۴۵۸عن قتادة عن سعيد بن المسيب الخ ،سنن ابنِ ماجه رقم الحديث ۳۶۸۴، ؛ صحيح ابنِ خزيمة، رقم الحديث ۲۴۹۶ ؛المعجم الكبير للطبرانى رقم الحديث ۵۳۷۹، صحيح ابنِ حبان رقم الحديث ۳۳۴۸،الترغيب والترهيب لابنِ شاهين رقم الحديث ۳۷۸،المسند للشاشى رقم الحديث ۱۴۴ .

فى حاشية ابنِ حبان: رجاله ثقات رجال الشيخين، إلا أنه منقطع، سعيد بن المسيب لم يدرك سعد بن عبادة ولم يسمع منه.

وقال الالبانى: حسن (صحيح وضعيف سنن نسائى، تحت رقم الحديث ۳۶۶۶)

۲؎ بعض ایصالِ ثوب کے منکرین نے اس حدیث میں مذکور عنھا کے الفاظ سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ:

سعد اپنی جانب سے کوئی عمل نہیں کرنا چاہتے تھے، بلکہ بطور نیابت مَرنے والے کی جانب سے کوئی کام انجام دینا چاہتے تھے، جس کی آپ نے اجازت دی، ورنہ سوال یہ ہونا چاہیے تھا:

أفأتصدق لها کیا میں اس کے لیے صدقہ کروں؟

حالانکہ یہ سوال قطعاً نہیں کیا گیا، اور ہم سطورِ بالا میں یہ تحریر کر چکے ہیں کہ حرفِ عــن کے ذریعہ نیابت ثابت ہوتی ہے، نہ کہ ایصال۔ اس کے لیے لھا کا استعمال ہونا چاہیے تھا، اور صحابہ اہلِ زبان تھے، وہ لفظ کا غلط استعمال نہ کرسکتے تھے (عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں صفحہ ۱۵۹، درذیل حدیث سعد بن عبادہ، تالیف: حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، اشاعت ہفتم ربیع الاول ۱۴۱۷ھ، ناشر: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی)

مگر مذکورہ حضرات سے زیادہ علم رکھنے والے اور عربی زبان اور نحو وصرف سے واقف محدثین نے ان الفاظ کے ہوتے ہوئے بھی ان سے ایصالِ ثواب کو ثابت کیا ہے، چنانچہ مسلم شریف کے مشہور شارح امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وفى هذا الحديث جواز الصدقة عن الميت واستحبابها، وأن ثوابها يصله وينفعه، وينفع المتصدق أيضا، وهذا كله أجمع عليه المسلمون، وسبقت المسألة فى أول هذا الشرح، فى شرح مقدمة صحيح مسلم (شرح النووى على مسلم، ج ۱۱ ص ۸۴، كتاب الوصايا، باب وصول ثواب الصدقات إلى الميت)

اور مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قال السرخسى فى المبسوط انما يحمل هذا على ان عبدالرحمان كان اوصى بعتقهم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت قتادہ، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ أُمَّهُ مَاتَتْ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ إِنَّ أُمِّيْ مَاتَتْ، فَأَتَصَدَّقُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ سَقْيُ الْمَاءِ، قَالَ فَتِلْكَ سِقَايَةُ آلِ سَعْدٍ بِالْمَدِيْنَةِ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: حضرت سعد کی والدہ کا انتقال ہوگیا تو اُنہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے، تو کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کرسکتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں، حضرت سعد نے عرض کیا کہ کون سا صدقہ زیادہ افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وجعل اليها ذلك اھ۔ قلت هذا على ظاهر الفاظ الرواية انها اعتقت عنه ويحتمل ان يكون معنى قوله عنه اى ايصالا للثواب اليه فلا اشكال قال محمدفى المؤطاه بعد الاثر المذكور ولهذا نأخذ لا بأس ان يعتق عن الميت فان كان اوصى بذالك كان الولاء له وان لم يوص كان الولاء لمن اعتق ويلحقه الاجر ان شاء الله(اوجزالمسالك جزء رابع، ص ۴۹۶،باب عتق الحى عن الميت)

اور مولانا انور شاہ کشمیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وإن قيل: إن لفظة (عن) تدل على النيابة قلت: إن (عن) أيضاً قد تكون للإثابة كما فى البخارى فى صدقة الفطر (العرف الشذى للكشميرى،ج۲ص ۱۳۲، كتاب الزكاة،باب ما جاء فى المتصدق يرث صدقته)

علاوہ ازیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے واقعہ میں ''لہا'' کے الفاظ ہیں، چنانچہ اس کے یہ الفاظ ہیں کہ:

أرأيت إن تصدقت لها او اعتقت لها، الها اجر؟ قال نعم. قال فأعتق عنها عشر رقاب (مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ۱۶۳۴۲)

[1] رقم الحديث ۲۲۴۵۹ واللفظ لهٗ ورقم الحديث ۲۳۸۴۵،نسائى، باب ذكر الاختلاف على سفيان؛ السنن الكبرىٰ للبيهقى باب ما ورد فى سقى الماء ، السنن الكبرىٰ للنسائى رقم الحديث ۶۴۹۳،المستدرك على الصحيحين رقم الحديث ۱۴۵۸ ،شعب الايمان للبيهقى رقم الحديث ۳۲۲۸.

فى حاشية مسند احمد:رجاله ثقات رجال الشيخين غير صحابيه سعد بن عبادة، فقد روى له أصحاب "السنن"، وهو منقطع، فإن الحسن -وهو البصرى -لم يدرك سعداً ولم يسمع منه.

وقال الالبانى: حسن (صحيح وضعيف سنن نسائى، تحت رقم الحديث ۳۶۶۶)

کا انتظام، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں ”سقایۃِ آلِ سعد“ کے نام سے پانی پینے کی جوجگہ ہے یہ دراصل وہی ہے (مسند احمد) [1]

---

[1] بعض ایصالِ ثواب کے منکرین نے حضرت حسن کی اس روایت کے مرسل ہونے کی وجہ سے اس کو قابلِ قبول نہیں سمجھا، اوراس پر غیر مہذب گفتگو کی ہے، اور محدثین کی طرف منسوب کرکے یہ فیصلہ صادر کیا ہے، کہ مراسیلِ حسن مطلقا قابلِ قبول نہیں ہیں (ملاحظہ ہو ”عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں“ ص ۱۵۹، تالیف: حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی)
جبکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت سعد کے واقعہ کی تمام روایات مرسل نہیں ہیں، نیز بعض محدثین نے حضرت قتادۃ کی یہ روایت حضرت سعید بن مسیّب کے اور بعض نے حضرت حسن کے واسطے سے اور بعض نے دونوں کے واسطے سے روایت کی ہے، چنانچہ امام بیہقی سننِ کبریٰ اور شعب الایمان میں اس طرح روایت کرتے ہیں کہ:

قتادة عن سعيد بن المسيب والحسن عن سعد بن عبادة الخ (السنن الكبرىٰ للبيهقى، رقم الحديث ۷۸۰۴)

قتادة عن الحسن وسعيد بن المسيب الخ (شعب الايمان، رقم الحديث ۳۱۰۷)

اور حضرت سعید بن مسیّب کی مرسلات قابلِ قبول ہیں، اور حضرت حسن کی تمام مرسلات بھی ناقابلِ قبول نہیں ہیں، خصوصاً جبکہ ان سے ثقہ راوی روایت کریں، تو وہ روایت قابلِ قبول قرار دی گئی ہے، اور حضرت قتادہ ثقہ راوی ہیں۔
اوراس کے علاوہ اس روایت کو تلقی بالقبول بھی حاصل ہے۔
لہٰذا یہ روایت درست اور قابلِ اعتبار ہے۔

رواه احمد بن حنبل فى مسنده هكذا وهو مرسل فان الحسن لم يدرك سعدا ورواه ابوداؤ عن رجل لم يسم عن سعد بمعناه، قال فاى الصدقة افضل قال الماء ورواه النسائى عن سعيد بن المسيب عن سعد ولم يدركه ايضا فهو مرسل لكنه قد اسند قريب من معناه كما سبق ولانه من احاديث الفضائل ويعمل فيها بالضعف فبهذا اولىٰ (المجموع ج۶ ص ۲۴۳، باب قسم الصدقات)

وقال الشافعى واحمدبن حنبل وغير واحد مراسيل ابن المسيب صحاح (طرح التثريب، ج ۱ ص ۵۴، باب ترجمة سعيد بن المسيب)

امام قرطبی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

قال أبو عمر :وهذا الحديث وإن كان مرسلا فهو حديث مشهور أرسله الأئمة، وحدث به الثقات، واستعمله فقهاء الحجاز وتلقوه بالقبول، وجرى فى المدينة العمل به، وحسبك باستعمال أهل المدينة وسائر أهل الحجاز لهذا الحديث (تفسير القرطبى، جزء ۱۱ صفحه۳۱۵، تحت آيت ۷۸ من سورة الانبياء)

اور علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

واما مرسلات الحسن فقال ابن المدينى :مرسلات الحسن التى رواهاعنه الثقات صحاح، ما اقل مايسقط منها، وقال ابوزرعة: كل شيئ قال الحسن: قال رسول اللّٰه صلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہوسکتا ہے کہ حضرت سعد نے اپنے باغ مخراف (جس کا ذکر پیچھے بخاری شریف کی روایت میں گزر چکا ہے) کے علاوہ اپنی والدہ کی طرف سے کنواں بھی وقف کیا ہو، جس طرح آج بھی لوگ اپنے والدین کی طرف سے مختلف قسم کے صدقات وخیرات کے ذریعے ایصال ثواب کرتے ہیں۔

غرضیکہ حضرت سعد کے واقعے کی روایتیں الگ الگ مستقل حدیثیں ہیں جیسا کہ ان کے مضمون سے ظاہر ہے۔ومن ادعیٰ خلافه فعليه البيان۔

پانی کا انتظام افضل صدقہ اس وجہ سے ہے کہ اس کا نفع دینی اور دنیوی کاموں میں بہت عام ہے، کہ یہ ہر شخص بلکہ جانوروں کے لئے نہانے، دھونے، کھانے پینے اور وضو، غسل وغیرہ کے کام آتا ہے، خاص طور پر جن علاقوں میں گرمی کی شدت زیادہ ہو، اور پانی کا انتظام کم ہو۔ [1]

ورنہ اگر کسی جگہ غریبوں کو لباس یا کھانے وغیرہ کی ضرورت ہو تو پھر اسی ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے صدقہ کرنے کی زیادہ فضیلت ہوگی۔

جیسا کہ دوسری احادیث میں لباس اور کھانے وغیرہ کے ذریعہ سے ضرورت مند کا تعاون

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الله عليه وسلم ، وجدت له اصلا ثابتا ماخلا اربعة احاديث، وقال يحيىٰ بن سعيد القطان: ماقال الحسن فی حديثه قال رسول اللهصلى الله عليه وسلم الا وجدنا له اصلا الا حديثا او حديثين اهـ (قواعد فی علوم الحديث ص ۱۵۳)

اور امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وقال ابن سعد: كان قتادة ثقة مامونا، حجة فی الحديث، وقال قتادة: جالست الحسن ثنتى عشرة سنة، وما قلت برأيى منذر اربعين سنة (تهذيب الاسماء للنووی، ج۲ ص۵۷، حرف القاف)

[1] إنما كان الماء أفضل لأنه أعم نفعا فی الأمور الدينية والدنيوية خصوصا فی تلك البلاد الحارة، ولذلك من الله -تعالى- بقوله (وأنزلنا من السماء ماء طهورا) كذا ذكره الطيبی، وفی الأزهار: الأفضلية من الأمور النسبية، وكان هناك أفضل لشدة الحر والحاجة وقلة الماء (مرقاة المفاتيح، ج۴ ص ۱۳۴۲، كتاب الزكاة، باب فضل الصدقة)

کرنے پر عظیم فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ ۱؎

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ کے ایصالِ ثواب سے متعلق مختلف روایات سے مالی عبادات وصدقات کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کا معتبر ہونا ثابت ہوا۔ ۲؎

۱؎ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ:

عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ایما مسلم کسا مسلما ثوبا علی عری کساہ اللہ من خضر الجنۃ وایما مسلم اطعم مسلما علی جوع اطعمہ اللہ من ثمار الجنۃ وایما مسلم سقی مسلما علی ظمإ سقاہ اللہ من الرحیق المختوم (ابوداؤد، رقم الحدیث ۱۶۸۲، باب فی فضل سقی الماء)

(وعن أبی سعید قال :قال رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم :-أیما مسلم) ما زائدة وأی مرفوع علی الابتداء (کسا)أی ألبس (مسلما ثوبا علی عری) بضم فسکون أی علی حالة عری أو لأجل عری أو لدفع عری وهو یشمل عری العورة وسائر الأعضاء (کساه الله من خضر الجنة) أی من ثیابها، الخضر جمع أخضر من باب إقامة الصفة مقام الموصوف، وفیه إیماء إلی قوله -تعالی "- (ویلبسون ثیابا خضرا) "وفی روایة الترمذی "من حلل الجنة "بذکره المنذری ولا منافاة (وأیما مسلم أطعم مسلما علی جوع أطعمه الله من ثمار الجنة) فیه إشارة إلی أن أثمارها أفضل أطعمتها (وأیما مسلم سقی مسلما علی ظمأ) بفتحتین مقصورا وقد یمد أی عطش (سقاه الله من الرحیق المختوم) أی من خمر الجنة أو شرابها .والرحیق صفوة الخمر والشراب الخالص الذی لا غش فیه، والمختوم هو المصون الذی لم یبتذل لأجل ختامه ولم یصل إلیه غیر أصحابه وهو عبارة عن نفاسته، وقیل :الذی یختم بالمسک مکان الطین والشمع ونحوه، وقال الطیبی :هو الذی یختم أوانیه لنفاسته وکرامته، وقیل :المراد منه آخر ما یجدون منه فی الطعم رائحة المسک من قولهم ختمت الکتاب أی :انتهیت إلی آخره اهـ .وفیه إیماء إلی قوله -تعالی -(یسقون من رحیق مختوم - ختامه مسک)والمعنی الأخیر هو الذی عند أرباب الذوق فإن ختم الأوانی بمعنی منعها لا یلائم مقام الجنة التی لا مقطوعة ولا ممنوعة، وفیها أنهار من ماء غیر آسن وأنهار من خمر لذة للشاربین، وفیها ما تشتهیه الأنفس وتلذ الأعین(مرقاۃ المفاتیح، ج۴ص ۱۳۴۲، کتاب الزکاۃ، باب فضل الصدقة)

۲؎ ایصالِ ثواب کے بعض منکرین نے اس موقع پر یہ تاویل کی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے والدہ کی طرف سے صدقہ اور منت پوری کرنے سے ایصالِ ثواب کا ثبوت نہیں ہوتا، کیونکہ انہوں نے یہ اعمال بطور وارث ہونے کے انجام دیئے ہیں، اور وارث کی حیثیت ایک وکیل کی ہوتی ہے، اور وکیل جو کام کرتا ہے وہ مؤکل کا کام تسلیم کیا جاتا ہے، جو کہ ایصالِ ثواب سے الگ چیز ہے۔

چنانچہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی نے اپنی کتاب ''عقیدہ ایصالِ ثواب'' میں ص۱۴۴ پر نذر ومنت کا عنوان قائم کرکے اور ص۱۵۸ پر حدیث سعد بن عبادہ کے عنوان کے ذیل میں اس تاویل کو اختیار کیا ہے (ملاحظہ کتاب مذکور اشاعتِ ہفتم، ربیع الاول ۱۴۱۷، ناشر الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی) ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۹)...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

مَاتَ رَجُلٌ فَغَسَّلْنَاهُ وَكَفَّنَّاهُ وَحَنَّطْنَاهُ وَوَضَعْنَاهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ تُوْضَعُ الْجَنَائِزُ مَقَامَ جِبْرِيْلَ ثُمَّ آذَنَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّلَاةِ عَلَيْهِ، فَجَاءَ مَعَنَا خُطًى ثُمَّ قَالَ لَعَلَّ عَلٰى صَاحِبِكُمْ دَيْنًا؟ قَالُوْا نَعَمْ دِيْنَارَانِ فَتَخَلَّفَ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ مِّنَّا يُقَالُ لَهٗ اَبُوْقَتَادَةَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هُمَا عَلَيَّ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ هُمَا عَلَيْكَ وَفِيْ مَالِكَ وَالْمَيِّتُ مِنْهُمَا بَرِئٌ،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

لیکن اس کا محققین بہت پہلے جواب دے چکے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حج وغیرہ کے بارے میں ایسی صریح روایات موجود ہیں جن سے دوسرے کی طرف سے اس کی زندگی میں حج کی ادائیگی کا ثبوت ہوتا ہے، جبکہ زندگی میں تو دوسرے کو کسی طرح سے اس عمل کو کرنے کی قدرت بھی ہوتی ہے، نیز جب دوسرے کی طرف سے بغیر وصیت کے نیابت کے طور پر اس کے ذمہ میں سے عمل کی ادائیگی کا بھی شریعت نے اعتبار کیا ہے، تو ایصالِ ثواب تو اس سے کم درجہ کی چیز ہے۔

اور اس اصول اور قاعدہ کی رُو سے ایصالِ ثواب کا بدرجہ اولیٰ ثبوت ہوتا ہے۔

واجمع المسلمون على ان قضاء الدين يسقطه من ذمته ولو كان من اجنبى او غير تركته، وقد دل عليه حديث ابى قتادة حيث ضمن الدينارين عن الميت فلما قضاهما قال له النبى صلى الله عليه وآله وسلم الآن بردت جلدته.

واجمعوا على ان الحى اذا كان له فى ذمة الميت حق من الحقوق فاحله منه ان ينفعه ويبرأ منه كمايسقط من ذمة الحى.

فاذا سقط من ذمة الحى بالنص والاجماع مع امكانه ادائه له بنفسه ولو لم يرض به بل رده فسقوطه من ذمه الميت بالابراء حيث لايتمكن من ادائه اولى واحرى، واذا انتفع بالابراء والاسقاط فكذالک ينتفع بالهبة والاهداء، ولا فرق بينهما فان ثواب العمل حق المهدى الواهب فاذا جعله للميت انتقل اليه، كما ان ما على الميت من الحقوق من الدين وغيره وهو محض حق الحى فاذا ابرأه وصل الابراء اليه وسقط من ذمته فكلاهما حق للحى فاى نص او قياس او قاعدة من قواعد الشرع يوجب وصوله احدهما ويمنع وصول الآخر.

هذه النصوص متظاهرة على وصول ثواب الاعمال الى الميت اذا فعلها الحى عنه وهذا محض القياس فان الثواب حق للعامل فاذا وهبه لاخيه المسلم لم يمنع من ذالک كما لم يمنع من هبة ماله فى حياته وابرائه له من بعد موته (كتاب الروح لابن القيم ص ۱۲۱،وص ۱۲۲،فصل فى وصول ثواب الحج)

فَقَالَ نَعَمْ فَصَلّٰى عَلَيْهِ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَقِيَ اَبَاقَتَادَةَ يَقُوْلُ مَاصَنَعَتِ الدِّيْنَارَانِ؟حَتّٰى كَانَ آخِرَ ذٰلِكَ قَالَ : قَدْ قَضَيْتُهُمَا يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ : اَلْآنَ حِيْنَ بَرَدَتْ عَلَيْهِ جِلْدُهٗ

(مستدرک حاکم، رقم الحدیث ۲۳۴۶،کتاب البیوع) [1]

ترجمہ: ایک شخص کا انتقال ہوگیا، ہم نے اس کو غسل دیا اور کفن دیا، اور خوشبو لگائی، اور ہم نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ پڑھانے کے لئے مقامِ جبریل میں اس جگہ رکھ دیا جہاں جنازے رکھے جاتے تھے، پھر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر نمازِ جنازہ پڑھنے کی اطلاع دی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ چند قدم تشریف لائے، پھر فرمایا کہ شاید تمہارے ساتھی پر قرض ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ بے شک دو دینار قرض ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے ہٹ گئے، تو ہم میں سے ایک شخص نے جن کو ابوقتادہ کہا جاتا تھا، عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ دینار میرے ذمہ ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمانا شروع کیا کہ وہ دونوں تمہارے اوپر ہیں اور آپ کے مال میں ہیں اور میت ان دونوں سے بری ہے، تو ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ بے شک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی جنازہ کی نماز پڑھادی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ابوقتادہ سے ملاقات فرماتے تو فرماتے کہ دو دیناروں کا کیا ہوا؟ یہاں تک کہ آخری مرتبہ ابوقتادہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میں نے ان کو ادا کردیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب اس کی جلد (یعنی جسم) کو ٹھنڈک حاصل ہوئی ہے (حاکم)

اور مسند احمد وغیرہ کی روایت کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ:

---

[1] قال الحاکم:ھذا صحیح الاسناد ولم یخرجاہ.
وقال الذھبی: صحیح.

فَقَالَ اَبُوْقَتَادَةَ اَلدِّيْنَارَانِ عَلَيَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَقُّ الْغَرِيْمِ وَبَرِئَ مِنْهُمَا الْمَيِّتُ قَالَ نَعَمْ فَصَلّٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ بَعْدَ ذَالِكَ بِيَوْمٍ مَا فَعَلَ الدِّيْنَارَانِ فَقَالَ اِنَّمَا مَاتَ اَمْسِ قَالَ فَعَادَ اِلَيْهِ مِنَ الْغَدِّ فَقَالَ لَقَدْ قَضَيْتُهُمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْآنَ بَرَدَتْ عَلَيْهِ جِلْدُهٗ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ نے عرض کیا کہ وہ دو دینار میرے اوپر ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا قرض خواہ کا تنہا آپ پر استحقاق ہے؟ اور میت ان دیناروں سے بَری ہے؟ تو ابوقتادہ نے عرض کیا بے شک! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی، پھر ایک دن کے بعد فرمایا کہ ان دیناروں کا کیا گیا، ابوقتادہ نے عرض کیا کہ کل ہی تو وہ شخص فوت ہوا ہے، راوی کہتے ہیں کہ پھر اگلے دن نبی علیہ السلام نے یہی بات دہرائی تو ابوقتادہ نے عرض کیا کہ میں نے ان دیناروں کو ادا کر دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب اس کی جلد کو ٹھنڈک حاصل ہوئی (مسند احمد)

اس حدیث کی سند حسن ہے۔ [2]

اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا یہ قرض ادا کرنا بطور

---

[1] رقم الحدیث ۱۴۵۳۶، واللفظ لہٗ، السنن الکبریٰ للبیھقی، رقم الحدیث ۱۱۴۰۱؛ معرفۃ السنن والآثار رقم الحدیث ۱۱۹۲۹؛ مسند الطیالسی رقم الحدیث ۱۷۷۸.

فی حاشیۃ مسند احمد: اسنادہٗ حسن.

[2] قال الھیثمی:

رواہ احمد والبزار واسنادہ حسن (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۶۶۲۵، باب ماجاء فی الدین)

وقال البیھقی: فاخبر صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذہ الروایۃ انہ بالقضاء برد علیہ جلدہ وقولہ حق الغریم وبرئ منھما المیت ان کان حفظہ ابن عقیل فانما عنی بہ واللہ اعلم للغریم مطالبتک بھما وحدک ان شاء کما لو کان لہ علیک حق من وجہ آخر والمیت منہ برئ کان لہ مطالبتک بہ وحدک ان شاء واللہ اعلم (السنن الکبریٰ للبیھقی، رقم الحدیث ۱۱۴۰۱)

کفالت تھا یا بطور وعدہ؟ [1]

بہر حال مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ فوت شدہ شخص کی طرف سے بغیر وصیت اور وکالت کے دوسرا اجنبی شخص قرض بھی ادا کرسکتا ہے، جس سے ایصالِ ثواب کا بدرجۂ اولیٰ ثبوت ہوتا ہے۔

آخر میں عرض ہے کہ جب کسی کو مالی صدقہ کے ذریعے سے ایصالِ ثواب کی قدرت نہ ہو، تو وہ دوسرے کارِ خیر کے ذریعے صدقہ کرسکتا ہے، مثلاً دعا واستغفار، تلاوت واذکار وغیرہ کے ذریعے۔

اور بعض احادیث میں غیر مالی نیک کاموں کو بھی صدقہ فرمایا گیا ہے (اگرچہ وہ مجازاً ہی کیوں نہ ہو) چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

---

[1] قال ابن حجر:

قال بن بطال ذهب الجمهور إلى صحة هذه الكفالة ولا رجوع له فى مال الميت وعن مالک له أن يرجع إن قال إنما ضمنت لأرجع فإذا لم يكن للميت مال وعلم الضامن بذلک فلا رجوع له وعن أبى حنيفة إن ترک الميت وفاء جاز الضمان بقدر ما ترک وإن لم يترک وفاء لم يصح ذلک وهذا الحديث حجة للجمهور (فتح البارى، ج۴ص۴۶۸، باب إن أحال دين الميت على رجل جاز وإذا أحال على ملىء فليس له رد)

وفى المبسوط:

فقال -صلى الله عليه وسلم -الآن بردت عليه جلدته ولم يجبره على الأداء وبه يتبين أنه كان وعدا لا كفالة (المبسوط للسرخسى، ج۲۰ص۱۱۰، كتاب الكفالة ، باب الكفالة بمالايجوز)

وفى شرح العقيدةالطحاوية :

وأجمع المسلمون على أن قضاء الدين يسقطه من ذمة الميت، ولو كان من أجنبى، ومن غير تركته .وقد دل على ذلک حديث أبى قتادة، حيث ضمن الدينارين عن الميت، فلما قضاهما قال النبى صلى الله عليه وسلم :الآن بردت عليه جلدته .وكل ذلک جار على قواعد الشرع .وهو محض القياس، فإن الثواب حق العامل، فإذا وهبه لأخيه المسلم لم يمنع من ذلک، كما لم يمنع من هبة ماله له فى حياته، وإبرائه له منه بعد وفاته(شرح العقيدةالطحاوية ،ص۴۶۱)

كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ (بخاری) ؎۱

ترجمہ: ہر نیک کام صدقہ ہے (بخاری)

اور ایک روایت میں ہے کہ:

كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ وَإِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ أَنْ تَلْقِيَ أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ وَأَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ إِنَاءِ أَخِيْكَ (ترمذی) ؎۲

ترجمہ: ہر نیک کام صدقہ ہے اور نیک کاموں میں سے یہ بھی ہے کہ آپ اپنے بھائی کے ساتھ کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ ملیں، اور یہ بھی ہے کہ آپ اپنے ڈول میں سے اپنے مسلمان بھائی کے برتن میں (پانی) ڈال دیں (ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ غریب اور مفلس آدمی بھی دوسرے کا دل خوش یا بدنی خدمت والا نیک عمل کر کے صدقہ کا ثواب حاصل کرسکتا ہے۔ ؎۳

؎۱ رقم الحديث ۶۰۲۱، كتاب الادب، باب كل معروف صدقة؛ الادب المفرد للبخارى، باب أن كل معروف صدقة، رقم الحديث ۲۲۴؛ ابوداؤد، عن حذيفة، رقم الحديث ۴۲۹۶.

؎۲ رقم الحديث ۱۹۷۰، ابواب البر والصلة، باب ما جاء فى طلاقة الوجه وحسن البشر؛ مسند احمد، رقم الحديث ۱۴۸۷۷؛ مسند عبدبن حميد، رقم الحديث ۱۰۹۲.

قال الترمذى: هٰذا حديث حسن صحيح.

وفى حاشية مسند احمد: صحيح بطرقه وشواهده.

؎۳ قال ابن بطال دل هذا الحديث على أن كل شئ يفعله المرء أو يقوله من الخير يكتب له به صدقة، وقد فسر ذالک فى حديث أبى موسى المذكور فى الباب بعد حديث جابر وزاد عليه "إن الإمساک عن الشر صدقة" وقال الراغب: المعروف اسم كل فعل يعرف حسنه بالشرع والعقل معا، ويطلق على الاقتصاد لثبوت النهى عن السرف وقال ابن أبى جمرة: يطلق اسم المعروف على ماعرف بأدلة الشرع أنه من أعمال البر سواء جرت به العادة أم لا، قال: والمراد بالصدقة الثواب، فإن قارنته النية أجر صاحبه جزماً، وإلا ففيه احتمال. قال: وفى هذا الكلام إشارة إلى أن الصدقة لاتنحصر فى الأمر المحسوس منه فلاتختص بأهل اليسار مثلاً، بل كل واحد قادر على أن يفعلها فى أكثر الأحوال بغير مشقة. وقوله: "على كل مسلم صدقة" أى فى مكارم الأخلاق، وليس ذالک بفرض إجماعاً. قال ابن بطال: وأصل الصدقة مايخرجه المرء من ماله متطوعاً به، وقد يطلق على الواجب لتحرى صاحبه الصدق بفعله ويقال لكل مايحابى به المرء من حقه صدقة لأنه تصدق بذلک على نفسه (فتح البارى لابنِ حجر، ج۱۰ ص۴۴۸، باب كل معروف صدقة)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُوْرِ بِالْأُجُوْرِ يُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّيْ وَيَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ وَيَتَصَدَّقُوْنَ بِفُضُوْلِ أَمْوَالِهِمْ قَالَ أَوَ لَيْسَ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مَا تَصَدَّقُوْنَ إِنَّ بِكُلِّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةً وَكُلِّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةً وَكُلِّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةً وَكُلِّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةً وَأَمْرٍ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةً وَنَهْيٍ عَنْ مُنْكَرٍ صَدَقَةً الخ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مال دار لوگ بلند درجہ لے گئے، وہ نماز پڑھتے ہیں، جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں، اور وہ روزے رکھتے ہیں جس طرح ہم روزے رکھتے ہیں، اور اپنے زائد مالوں کا صدقہ کرتے ہیں (اور ہمارے پاس صدقہ کے لئے مال نہیں، اس لئے وہ ہم سے آگے اور ہم ان سے پیچھے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ چیز نہیں دی جس کا تم صدقہ کرو؟ بلاشبہ ہر تسبیح (یعنی سبحان اللہ) صدقہ ہے، اور ہر تکبیر (یعنی اللہ اکبر) صدقہ ہے، اور ہر تحمید (یعنی الحمد للہ) صدقہ ہے، اور ہر تہلیل (یعنی لا الٰہ الا اللہ) صدقہ ہے، اور امر بالمعروف (یعنی اچھائی کا حکم کرنا) صدقہ ہے اور نہی عن المنکر (یعنی برائی سے روکنا) صدقہ ہے الخ (مسلم)

اس قسم کی اور بھی احادیث مروی ہیں۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۰۰۶ "۵۳" كتاب الزكاة، باب بيان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف؛ مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۴۷۳.

[2] عن أبي صالح، عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: جاء الفقراء إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقالوا: ذهب أهل الدثور من الأموال بالدرجات العلا، والنعيم المقيم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس باب کا خلاصہ اور متعلّقہ مسائل

خلاصہ یہ کہ مالی عبادات یعنی صدقات وغیرہ کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کرنا درست ہے، اور اگر مالی صدقات کی قدرت نہ ہو تو دعا واستغفار اور دوسری بدنی عبادات کے ذریعہ بھی ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے، اور بعض مالی عبادات میں دوسرے کی طرف سے نیابت اور وکالت کے طور پر بھی عمل کرنا جائز ہے، اور اس بارے میں کئی صحیح احادیث موجود ہیں۔

مسئلہ...... زکاۃ، صدقات اور کفارات کو دوسرے کی طرف سے نائب بن کر ادا کرنا جائز ہے، خواہ دوسرا خود ادا کرنے پر قادر ہو، یا قادر نہ ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ يصلون كما نصلي، ويصومون كما نصوم، ولهم فضل من أموال يحجون بها، ويعتمرون، ويجاهدون، ويتصدقون، قال :ألا أحدثكم إن أخذتم أدركتم من سبقكم ولم يدرككم أحد بعدكم، وكنتم خير من أنتم بين ظهرانيه إلا من عمل مثله تسبحون وتحمدون وتكبرون خلف كل صلاة ثلاثا وثلاثين، فاختلفنا بيننا، فقال بعضنا :نسبح ثلاثا وثلاثين، ونحمد ثلاثا وثلاثين، ونكبر أربعا وثلاثين، فرجعت إليه، فقال :تقول :سبحان الله، والحمد لله، والله أكبر، حتى يكون منهن كلهن ثلاثا وثلاثين(بخاری، رقم الحديث ۸۴۳)

عن أبي صالح، عن أبي هريرة، قالوا :يا رسول الله ذهب أهل الدثور بالدرجات والنعيم المقيم .قال :كيف ذاك؟ قالوا :صلوا كما صلينا، وجاهدوا كما جاهدنا، وأنفقوا من فضول أموالهم، وليست لنا أموال .قال :أفلا أخبركم بأمر تدركون من كان قبلكم، وتسبقون من جاء بعدكم، ولا يأتي أحد بمثل ما جئتم به إلا من جاء بمثله؟ تسبحون في دبر كل صلاة عشرا، وتحمدون عشرا، وتكبرون عشرا (صحيح بخاری ،رقم الحديث ۶۳۲۹)

اَصْلُ هٰذَاالْبَابِ اَلصَّدَقَةُ الَّتِیْ لَااِخْتِلَافَ فِيْهَا فَكَمَا يَصِلُ لِلْمَيِّتِ ثَوَابُهَافَكَذَالِکَ تَصِلُ قِرَاءَ ةُ الْقُرْآنِ وَالدُّعَآءُ وَالْاِسْتِغْفَارُ اِذْ كُلُّ ذَالِکَ صَدَقَةٌ فَاِنَّ الصَّدَقَةَ لَاتَخْتَصُّ بِالْمَالِ (التذكرة فی احوال الموتیٰ وامور الآخرة، ص ۷۴،باب ماجاء فی قراء ة القرآن عند القبر حالة الدفن وبعده)

وكذا سائر الأذكار وباقي العبادات صدقات على نفس الذاكر وخيرات ومبرات عليه (مرقاة المفاتيح، ج۳ص ۹۷۹،كتاب الصلاة، باب صلاة الضحیٰ)

[1] النيابة في أداء العبادات :العبادات المالية المحضة كالزكاة والصدقات والكفارات تجوز فيها النيابة، سواء كان من هي عليه قادرا على الأداء بنفسه أم لا؛ لأن الواجب فيها إخراج المال، وهو يحصل بفعل النائب (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ ص ۳۳۴،ماده:اداء،النيابة فی أداء العبادات)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ..... اگر کوئی شخص صدقہ کی نذر و منت مان کر اس کو ادا کرنے سے پہلے فوت ہو جائے، تو بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس کا وارث، اس کی نذر و منت کے مطابق صدقہ کو مرنے والے کے ترکہ میں سے ادا کرے گا، خواہ مرنے والے نے اس کی وصیت کی ہو، یا نہ کی ہو (الیٰ هذا ذهب الشافعية والحنابلة) [1]

جبکہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک اگر فوت ہونے والے نے وصیت کی ہو، اور اس نے ترکہ میں مال بھی چھوڑا ہو، تو اس کے ترکہ میں سے تہائی حصہ تک اس کی وصیت کو پورا کیا جائے گا، اور اگر وصیت نہ کی ہو، تو پھر اس کے وارثوں پر اس نذر و منت والے صدقہ کی ادائیگی ضروری نہیں ہوگی (والیٰ هذا ذهب الحنفية والمالكية) [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ (تجوز النيابة فى العبادات المالية) كالزكاة وصدقة الفطر (مطلقا) أى فى حالة القدرة والعجز؛ لأن المقصود يحصل بفعل النائب فالعبرة لنية الموكل لا نية الوكيل (مجمع الانهر، ج ۱ ص۳۰۷، باب الحج عن الغير)

[1] اختلف الفقهاء فى حكم من نذر صدقة ومات قبل أدائها، على اتجاهين :الاتجاه الأول :يرى أصحابه أن من نذر صدقة ومات قبل أدائها أداها وليه عنه من التركة، سواء أوصى بها أو لم يوص بها، إلى هذا ذهب الشافعية والحنابلة، وقالوا :إن أداء الولى هذا النذر مستحب على سبيل الصلة والمعروف، وتبرئة لذمة الميت عما وجب عليه من ذلك.

واستدلوا بقوله تعالى :من بعد وصية يوصى بها أو دين وبما روى عن عائشة -رضى الله عنها -أن رجلا قال للنبى -صلى الله عليه وسلم :إن أمى افتلتت نفسها، وأظنها لو تكلمت تصدقت، فهل لها أجر إن تصدقت عنها؟ قال :نعم وبما روى عن عبد الله بن عمرو بن العاص أن العاص بن وائل أوصى أن يعتق عنه مائة رقبة، فأعتق ابنه هشام خمسين رقبة، فأراد ابنه عمرو أن يعتق عنه الخمسين الباقية فقال :حتى أسأل رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فأتى النبى -صلى الله عليه وسلم - فقال :يا رسول الله، إن أبى أوصى بعتق مائة رقبة، وإن هشاما أعتق عنه خمسين، وبقيت عليه خمسون رقبة، أفأعتق عنه؟ فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :إنه لو كان مسلما فأعتقتم عنه أو تصدقتم عنه أو حججتم عنه بلغه ذلك وبما روى عن ابن عباس -رضى الله عنهما -أن سعد بن عبادة استفتى رسول الله -صلى الله عليه وسلم -إن أمى ماتت وعليها نذر لم تقضه، فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :اقضه عنها .فكانت سنة بعده (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۰، ص ۲۲۲ و ص ۲۲۳، ماده نذر)

[2] الاتجاه الثانى :يرى من ذهب إليه أن من مات وعليه صدقة منذورة، فلا تؤدى عنه إلا إذا أوصى بذلك، وكانت له تركة تؤدى منها، فإن أوصى بإخراجها كانت وصية وأخرجت من ثلث

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:...... یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ہر عمل کے قبول ہونے کے لئے اخلاص شرط ہے، اس لئے مالی عبادات وصدقات کے ذریعہ ایصالِ ثواب کرنے کے لئے بھی اخلاص ضروری ہے۔

اور اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جو عمل بھی کیا جائے وہ شریعت کے دائرے میں رہ کر کیا جائے، اپنی طرف سے کوئی خاص صورت مخصوص کر کے اس کو زیادہ فضیلت کا باعث یا ضروری سمجھنا درست نہیں، اور صدقہ میں بھی صدقۂ جاریہ والی صورتیں زیادہ فضیلت کا باعث ہیں، اور صدقۂ جاریہ کی بحث ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

تنبیہ: ایصالِ ثواب کے لئے کون سا عمل افضل ہے؟ یہ بحث ہم نے اس کتاب میں الگ مقام پر بیان کر دی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تركته مقدمة على سائر الوصايا، وإن لم يوص بها سقطت عنه بموته، ولا يجب على الوارث أداؤها من ماله الخاص أو من تركة الميت، إلى هذا ذهب الحنفية والمالكية واستدلوا بأن المقصود من التكاليف الابتلاء والمشقة، وهذا يتأتى فى العبادات المالية بتنقيص المال المحبوب للنفس بإيصاله إلى الفقير، وهذا المال متعلق بفعل المكلف به، وقد سقطت الأفعال كلها بالموت، لتعذر ظهور طاعته بها فى دار التكليف، فكان الإيصاء بالمال الذى هو متعلقها تبرعا من الميت ابتداء، فيعتبر من الثلث(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۰، ص ۲۲۳، ماده نذر)

عن عقبة بن عامر أن غلاما أتى النبى صلى الله عليه وسلم وقال موسى فى حديثه سأل رجل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يارسول الله! إن أمى ماتت وتركت حليا أفأتصدق به عنها قال أمك أمرتك بذلك قال لا قال فأمسك عليك حلى أمك (مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۴۳۷)

فى حاشية مسند احمد: إسناده ضعيف، ومتنه منكر.

واعلم أن ظاهر الحديث يدل أنه ليس للولد أن يتصدق عن أمه إذا لم توص. وقد جائت أحاديث صريحة بخلافه، منها حديث ابن عباس: أن سعد بن عبادة قال: يارسول الله! إن أمى توفيت وأنا غائب عنها فهل ينفعها إن تصدقت بشئ عنها؟ قال: نعم. وهو مخرج فى أحكام الجنائز (ص ۱۷۲) و"صحيح أبى داود" (۲۵٦٦) وفى معناه أحاديث أخرى مذكورة هناك. أقول: فلعل الجمع بينه وبينها أن يحمل على أن الرجل السائل كان فقيراً محتاجا، ولذالك أمره بأن يمسك ماله. ويؤيده أنه صلى الله عليه وسلم لم يحببه على سؤاله: فهل ينفعها إن تصدق عنها؟ بقوله مثلاً: "لا"، وإنما قال له: "احبس عليك مالك"، أى لحاجته إليه. هذا مابدا لى. والله اعلم (السلسلة الصحيحة، تحت رقم الحديث ۲۷۷۹)

حج وعمرہ میں نیابت اور ایصالِ ثواب

حج وعمرہ اگرچہ بدنی عبادت ہے، لیکن اس کی ادائیگی مخصوص مقام پر جا کر کی جاتی ہے، اس لئے اس مقام تک پہنچنے کے لئے اگر مال کی ضرورت ہو، تو اس کا ہونا بھی ضروری ہے، اس لئے حج وعمرہ کو مالی وبدنی عبادات کا مجموعہ کہا جاتا ہے کہ جس کو ادا کرنے کے لئے جانے میں روپیہ پیسہ بھی خرچ ہوتا ہے اور اعمال کی انجام دہی میں جسمانی وبدنی محنت ومشقت بھی کرنی پڑتی ہے۔ [1]

(۱)......حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک عورت نے چند مسئلے معلوم کئے جن میں آخری مسئلہ یہ تھا کہ:

قَالَتْ اِنَّهَا لَمْ تَحُجَّ قَطُّ اَفَاَحُجُّ عَنْهَا قَالَ حُجِّيْ عَنْهَا (مسلم) [2]

ترجمہ: اس عورت نے عرض کیا کہ میری والدہ نے کبھی حج بھی نہیں کیا تو کیا میں ان کی طرف سے حج بھی کرسکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں! حج بھی ان کی طرف سے کرسکتی ہو (مسلم)

(۲)......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبِيْ اَدْرَكَهُ الْحَجُّ وَهُوَ شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَايَثْبُتُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ فَاِنْ شَدَدْتُهٗ خَشِيْتُ اَنْ يَّمُوْتَ اَفَاَحُجُّ عَنْهُ قَالَ اَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَقَضَيْتَهٗ اَكَانَ مُجْزِئًا قَالَ

---

[1] عبادة الحج بدنية وليس المال ركنا فيه وانما هو وسيلة الايرى ان المكى يجب عليه الحج اذا قدر على المشى الىٰ عرفات من غير شرط المال وهذا هو الاظهر اعنى ان الحج غير مركب من مال وبدن بل بدنى محض كما قد نص عليه جماعة من اصحاب ابى حنيفة المتأخرين ،قلت هذا غير صحيح ، اذ صحة البدن شرط لوجوب الاداء ولهذا يجب عليه الاحجاج او الايصاء (شرح ملا على القارى على الفقه الاكبر ص ۱۳۱ ، مطبوعه قديمى كتب خانه كراچى)

[2] رقم الحديث ۱۱۴۹ ''۱۵۷'' كتاب الصيام، باب قضاء الصوم عن الميت.

نَعَمْ قَالَ فَحُجَّ عَنْ اَبِیْکَ (نسائی) ۱

ترجمہ: ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے والد کو حج نے پالیا ہے، اور وہ عمر رسیدہ بزرگ ہیں، جو سواری پر صحیح طرح بیٹھ بھی نہیں سکتے، اور اگر میں انہیں (سواری پر رسی وغیرہ سے) باندھ کر بٹھاؤں تو ان کے فوت ہونے کا خوف ہے، تو کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتا ہوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے کہ اگر ان پر کوئی قرض ہوتا تو کیا آپ اس کو ادا کرتے، تو کیا ان کی طرف سے ادائیگی نہ ہوجاتی؟ اس شخص نے عرض کیا کہ بے شک اس کی ادائیگی تو ہوجاتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پس (اسی طرح) آپ اپنے والد کی طرف سے حج کرلیں (نسائی)

ملحوظ رہے کہ یہ واقعہ قبیلہ خثعم کے اس شخص کے علاوہ ہے، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ ۲

(۳)...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اَنَّ امْرَاَۃً مِّنْ جُھَیْنَۃَ جَاءَ تْ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنَّ اُمِّیْ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ فَلَمْ تَحُجَّ حَتّٰی مَاتَتْ اَفَاَ حُجُّ عَنْھَا قَالَ نَعَمْ حُجِّیْ عَنْھَا اَرَاَیْتِ لَوْ کَانَ عَلٰی اُمِّکِ دَیْنٌ اَکُنْتِ قَاضِیَۃً اِقْضُوا اللّٰہَ فَاللّٰہُ اَحَقُّ بِالْوَفَاءِ (بخاری) ۳

---

۱ رقم الحدیث ۵۳۹۳، کتاب آداب القاضی، واللفظ لہٗ، ورقم الحدیث ۲۶۲۱ ورقم الحدیث ۲۶۴۰، مسند احمد رقم الحدیث ۱۸۱۲؛ سنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث ۵۹۴۷ و رقم الحدیث ۵۹۵۳، المعجم الکبیر للطبرانی رقم الحدیث ۳۴۶۸، و رقم الحدیث ۱۰۳۴۷ و رقم الحدیث ۱۱۱۶۰، مسند ابویعلیٰ الموصلی رقم الحدیث ۲۲۹۷، صحیح ابنِ حبان رقم الحدیث ۴۰۶۵ و رقم الحدیث ۴۰۶۹، مسند عبدبن حمید رقم الحدیث ۶۱۳.

فی حاشیۃ مسند احمد: حدیث صحیح، رجالہ ثقات.

۲ وھذہ قصۃ اخری، ومن وحد بینھاوبین حدیث الخثعمی فقد ابعد وتکلف (فتح الباری لابن حجر، ج۴ص ۶۹، کتاب الحج، حج المرأۃ عن الرجل)

۳ رقم الحدیث ۱۸۵۲، کتاب الحج، باب الحج والنذور عن المیت، واللفظ لہٗ؛ وکتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب من شبہ أصلا معلوما بأصل مبین قد بین اللہ حکمھما، رقم الحدیث ۶۷۷۱.

ترجمہ: قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اورعرض کیا کہ میری والدہ نے حج کی نذر(ومنت) مانی تھی اور وہ اس کے پورا کرنے سے پہلے ہی وفات پا گئیں، تو کیا میرے لئے ان کی طرف سے حج کرنا درست ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں بے شک تمہیں ان کی طرف سے حج کرنا درست ہے، (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) بتاؤ اگر تمہاری والدہ پر کچھ قرض ہوتا تو تم اس کو ادا کرتیں یا نہیں؟ پس ایسے ہی اللہ کا جو حق ان پر تھا (یعنی حج) اس کو بھی ادا کرو، اللہ تعالیٰ تو حقوق کی ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے (بخاری)

(۴)...... ایک روایت میں قبیلہ خثعم کی عورت کا واقعہ اس طرح آیا ہے کہ:

جَاءَ تْ اِمْرَأَۃٌ مِّنْ خَثْعَمَ عَامَ حَجَّةِ الْوِدَاعِ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّ فَرِيْضَةَ اللهِ عَلٰى عِبَادِهٖ فِى الْحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِىْ شَيْخًا كَبِيْرًا لَايَسْتَطِيْعُ أَنْ يَّسْتَوِىَ عَلَى الرَّاحِلَةِ فَهَلْ يَقْضِىْ عَنْهُ أَنْ أَحُجَّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ (بخاری) [1]

ترجمہ: حجۃ الوداع کے موقعہ پر (مزدلفہ سے منیٰ کو واپس ہوتے ہوئے) قبیلہ بنی خثعم کی ایک عورت نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بلاشبہ اللہ کا فریضہ یعنی حج میرے بوڑھے والد کے ذمہ لازم ہوگیا ہے (اور وہ اس قدر بوڑھے اورضعیف ہیں کہ) سواری پر جم کر نہیں بیٹھ سکتے ہیں تو کیا ان کا حج ادا ہو جائے گا اگر میں ان کی طرف سے حج کرلوں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ جی ہاں (بخاری)

(۵)...... حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

---

[1] رقم الحديث ۱۸۵۴، كتاب الحج، باب الحج عمن لايستطيع، واللفظ لهٗ؛ مسلم، رقم الحديث ۲۳۷۵؛ ابوداؤد، رقم الحديث ۱۵۴۴؛ نسائی، رقم الحديث ۲۵۹۳؛ مسند احمد، رقم الحديث ۲۸۹۲.

جَاءَ رَجُلٌ مِنْ خَثْعَمَ اِلٰی رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَبِیْ اَدْرَکَہُ الْاِسْلَامُ وَھُوَ شَیْخٌ کَبِیْرٌ لَایَسْتَطِیْعُ رُکُوْبَ الرَّحْلِ وَالْحَجُّ مَکْتُوْبٌ عَلَیْہِ اَفَاَحُجُّ عَنْہُ قَالَ اَنْتَ اَکْبَرُ وَلَدِہٖ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَرَاَیْتَ لَوْ کَانَ عَلٰی اَبِیْکَ دَیْنٌ فَقَضَیْتَہٗ عَنْہُ اَکَانَ ذَالِکَ یُجْزِئُ عَنْہُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاحْجُجْ عَنْہُ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: قبیلۂ خثعم کا ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے والد کو اسلام (یا اسلام کے رکن یعنی حج) نے پالیا ہے، اور وہ عمر رسیدہ بزرگ ہیں جو سواری پر سوار ہونے کی طاقت نہیں رکھتے، اور حج ان پر فرض ہو چکا ہے، تو کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتا ہوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ ان کی اولاد میں بڑے ہیں، اس شخص نے عرض کیا کہ جی ہاں! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ کہ اگر آپ کے والد پر قرض ہوتا تو پھر آپ اسے ادا کر دیتے تو کیا آپ کے اس عمل سے وہ قرض ادا ہو جاتا؟ اس شخص نے عرض کیا کہ بے شک، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اسی طرح) آپ اپنے والد کی طرف سے حج کرلیں (مسند احمد) [2]

---

[1] رقم الحدیث ۱۶۱۲۵، سنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث ۳۶۱۸، سنن دارمی، رقم الحدیث ۱۸۸۹.

فی حاشیۃ مسند احمد: حدیث صحیح.

[2] اس قسم کی مختلف روایات میں کچھ معمولی اختلاف ہے جس کی وجہ سے بعض ایصالِ ثواب کے منکرین نے اس کے مضطرب ہونے کا شبہ کیا ہے۔

مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بخاری کی شرح میں مفصل کلام کرکے اس اختلاف کو حل کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

والذی یظھر لی من مجموع ھذہ الطرق ان السائل رجل و کانت ابنتہ معہ فسألت ایضا والمسئول عنہ ابو الرجل وامہ جمیعا (فتح الباری، ج۴ ص۶۸، باب حج المرأۃ عن الرجل)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۶)......حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

اَنَّهٗ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِیْ شَیْخٌ کَبِیْرٌ لَا یَسْتَطِیْعُ الْحَجَّ وَلَا الْعُمْرَةَ وَلَا الظَّعْنَ قَالَ حُجَّ عَنْ اَبِیْکَ وَاعْتَمِرْ (ترمذی) [۱]

ترجمہ: وہ (یعنی ابورزین) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بے شک میرے والدین بوڑھے ہیں، جو نہ حج کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، اور نہ عمرہ کرنے کی، اور نہ ان دونوں کے لیے سفر کرنے کی؛ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے والد کی طرف سے حج اور عمرہ کرلیجیے (ترمذی)

(۷)......حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وتحصل من هذه الروايات ان اسم الرجل حصين بن عوف الخثعمی، واما ماوقع فی الرواية الاخری انه ابوالغوث بن حصين فان اسنادها ضعيف ولعله كان فيه عن ابی الغوث حصين فزيد فی الرواية ابن او ان اباالغوث ايضا كان مع ابيه حصين فسأل كما سأل ابوه واخته، والله اعلم، ووقع السؤال عن هذه المسألة من شخص آخر وهو ابورزين، بفتح الراء وكسر الزای، العقيلی بالتصغير واسمه لقيط بن عامر ، ففی السنن وصحيح ابن خزيمة وغيرهما من حديثه انه قال "يارسول الله ان ابی شيخ كبير لايستطيع الحج ولا العمرة ،قال حج عن ابيک واعتمر" وهذه قصة اخری، ومن وحد بينها وبين حديث الخثعمی فقد ابعد وتكلف (فتح الباری، ج۴ص۶۸، ۶۹،باب حج المرأة عن الرجل)

[۱] رقم الحديث ۹۳۰،ابواب الحج، باب ما جاء فی الحج عن الشيخ الكبير، والميت، واللفظ لهٗ؛ ابوداؤد رقم الحديث ۱۵۴۵ ، نسائی رقم الحديث ۲۵۷۴ورقم الحديث ۲۵۸۹، ابنِ ماجه رقم الحديث ۲۸۹۷، مسنداحمد رقم الحديث ۱۵۵۹۵ ورقم الحديث ۱۵۵۹۶ ورقم الحديث ۱۵۶۱۴،السنن الكبریٰ للبيهقی جزء۴ص ۳۲۹، السنن الكبریٰ للنسائی رقم الحديث ۳۶۰۰،مسند الطيالسی رقم الحديث ۱۱۷۴ ،مسند ابن الجعد رقم الحديث ۱۳۸۳ .

قال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح وانما ذكرت العمرة عن النبی صلی الله عليه وسلم فی هذاالحديث ان يعتمر الرجل عن غير وابورزين العقيلی اسمه لقيط بن عامر

مَنْ حَجَّ عَنْ اَبَوَيْهِ اَوْ قَضٰى عَنْهُمَا مَغْرَمًا بُعِثَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ الْاَبْرَارِ

(سنن دارقطنی) [1]

ترجمہ: جس نے اپنے والدین کی طرف سے حج کیا یا ان کے قرض کو ادا کیا تو وہ (اس عمل کی برکت سے) قیامت کے دن نیک لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا

(دارقطنی) [2]

(۸)......حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

اِنَّ إِمْرَأَةً نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ فَمَاتَتْ فَأَتٰى أَخُوهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنْ ذَالِكَ فَقَالَ أَرَأَيْتَ لَوْكَانَ عَلٰى أُخْتِكَ دَيْنٌ أَكُنْتَ قَاضِيَهُ، قَالَ نَعَمْ. قَالَ فَاقْضُوا اللّٰهَ فَهُوَ اَحَقُّ بِالْوَفَاءِ (نسائی) [3]

ترجمہ: ایک عورت نے حج کی نذر (ومنت) مانی تھی، پھر وہ نذر (ومنت) پوری کرنے سے پہلے فوت ہوگئی، تو اس کے بھائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور اس نذر (ومنت) کے بارے میں سوال کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر آپ کی بہن پر قرض ہوتا تو آپ اس کو ادا کرتے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ بے شک، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ کے حق (یعنی حج) کو ادا کرو،

---

[1] رقم الحديث ۲۶۰۸، کتاب الحج، باب المواقيت، الترغيب فی فضائل الاعمال وثواب ذالک لابنِ شاهين رقم الحديث ۳۰۳.

[2] اس حدیث کو اور اس سے اگلی حدیث کو بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن بہت سے فقہائے کرام نے اس حدیث کو استدلال میں پیش کیا ہے، اور والدین کی طرف سے حج کرنے کی اہمیت دوسری صحیح احادیث سے بھی ثابت ہے، اس لئے یہ ضعف ان شاء اللہ تعالیٰ مضر نہیں ہوگا۔

[3] رقم الحديث ۲۶۳۲، کتاب مناسک الحج، الحج عن الميت الذی نذر أن يحج، واللفظ لہٗ؛ مسند احمد، رقم الحديث ۲۱۴۰؛ سنن کبریٰ نسائی، رقم الحديث ۳۵۹۸؛ صحيح ابنِ خزيمه، رقم الحديث ۳۰۴۱؛ مسند الطيالسی، رقم الحديث ۲۷۳۴.
فی حاشية مسند احمد: إسناده صحيح علی شرط الشيخين. أبو بشر: هو جعفر بن إياس.

کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے حق کی ادائیگی کے زیادہ مستحق ہیں (نسائی)

(۹)...... حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اِنَّ اُخْتِیْ مَاتَتْ وَلَمْ تَحُجَّ ،اَفَاَحُجُّ عَنْھَا؟ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : اَرَاَیْتَ لَوْ کَانَ عَلَیْھَا دَیْنٌ فَقَضَیْتَہٗ؟ فَاللّٰہُ اَحَقُّ بِالْوَفَاءِ (صحیح ابنِ حبان) [1]

ترجمہ: ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میری بہن فوت ہوگئی ہیں، اور انہوں نے حج نہیں کیا تو کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آپ کی بہن پر قرض ہوتا تو آپ اسے ادا کرتے اور اللہ تعالیٰ تو ادائیگی کے زیادہ مستحق ہیں (ابنِ حبان)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اولاد کے علاوہ بھائی بہن بھی ایک دوسرے کو ایصالِ ثواب کرسکتے ہیں۔

(۱۰)...... حضرت ابن زبیر فرماتے ہیں کہ:

اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اِبْنِیْ مَاتَ وَلَمْ یَحُجَّ فَاَحُجُّ عَنْہُ؟ قَالَ: اِنَّہٗ اَکْبَرُ وَلَدِکَ؟ قَالَ نَعَمْ ،قَالَ فَحُجَّ عَنْ اِبْنِکَ اَرَاَیْتَ لَوْ کَانَ عَلٰی اِبْنِکَ دَیْنٌ فَقَضَیْتَہٗ؟ (مصنف ابنِ ابی شیبۃ) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! بے شک میرا بیٹا فوت ہوگیا ہے، اور اُس نے حج نہیں کیا، تو

---

[1] رقم الحدیث ۳۹۹۳، کتاب الحج، باب الحج والاعتمار عن الغیر، واللفظ لہ، مصنف ابنِ ابی شیبۃ رقم الحدیث ۱۴۹۴۷، باب فی المیت یحج عنہ.
فی حاشیۃ ابنِ حبان: إسنادہ صحیح علی شرط الشیخین.

[2] رقم الحدیث ۱۴۷۲۵، کتاب المناسک، باب فی المیت یحج عنہ.

کیا میں اُس کی طرف سے حج کرلوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ آپ کا بڑا بیٹا تھا؟ اُس آدمی نے عرض کیا کہ جی ہاں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ اپنے بیٹے کی طرف سے حج کرلو، اگر آپ کے بیٹے پر قرض ہوتا تو آپ اُس کو بھی تو ادا کرتے (ابنِ ابی شیبہ)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ ساتھ والد بھی اپنے بیٹے کو ایصالِ ثواب کرسکتا ہے۔

(۱۱)......حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ لَبَّيْکَ عَنْ شُبْرُمَةَ قَالَ مَنْ شُبْرُمَةُ؟ قَالَ أَخٌ لِيْ أَوْ قَرِيْبٌ لِيْ قَالَ حَجَّجْتَ عَنْ نَّفْسِکَ قَالَ لَا قَالَ حُجَّ عَنْ نَفْسِکَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ (ابوداؤد) [۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا کہ شبرمہ کی طرف سے لبیک، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبرمہ کون ہے؟ اُس آدمی نے عرض کیا کہ میرا بھائی ہے یا (یہ کہا کہ) کہ میرا عزیز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ نے اپنا حج کرلیا ہے؟ اُس آدمی نے عرض کیا کہ نہیں؛ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے اپنا حج کریں، پھر آپ شبرمۃ کی طرف سے حج کریں (ابوداؤد)

---

[۱] رقم الحدیث ۱۸۱۱، کتاب المناسک، باب الرجل یحج عن غیرہ، واللفظ لہٗ، ابنِ ماجه، رقم الحدیث ۲۸۹۴؛ سننِ کبریٰ بیہقی، جزء ۴ صفحه ۳۳۶، وقال البیهقی: هذا اسناد صحیح لیس فی هذا الباب اصح منه؛ معجم کبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۱۲۲۴۹؛ معجم اوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۴۶۵۳؛ مسند ابی یعلی الموصلی، رقم الحدیث ۲۳۸۵؛ صحیح ابنِ خزیمه، رقم الحدیث ۲۸۰۶؛ معرفة الصحابة لابی نعیم، رقم الحدیث ۳۳۵۱؛ سنن دارقطنی عن جابر رقم الحدیث ۲۶۸۶.

قال المناوی: وقال ابن حجر: رواته ثقات لکن اختلف فی رفعه ووقفه وله شاهد مرسل (فیض القدیر، تحت رقم الحدیث ۳۶۸۱)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عزیز وقریب کے حق میں بھی ایصالِ ثواب کرنا درست ہے۔
حضرت ابنِ عمر، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم کی سندوں سے بھی والدین یا ان میں سے کسی ایک کی طرف سے حج کرنے پر فضیلت کی حدیث مروی ہے۔[1]
گزشتہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام میں فوت شدہ مسلمانوں کو ثواب پہنچانے کے لیے حج اور نیک اعمال کرنے کا معمول رہا ہے۔
لہٰذا بعض لوگوں کا یہ اعتراض کہ صحابۂ کرام میں ایصالِ ثواب کا معمول نہیں تھا؛ یہ درست نہیں۔[2]

---

[1] أخبرني الحسين بن محمد بن علي إجازة ,ثنا علي بن محمد بن إبراهيم، ثنا عبد الله بن محمد بن زكرياء ، ثنا علي بن قرين، ثنا خالد بن عبد الله الطحان، عن محمد بن إسحاق، عن نافع، عن ابن عمر، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من حج عن أبويه أو عن أحدهما كتب للميت أجر حجة ,وكتب للحاج براءة من النار(اخبارِ اصبهان ،ج ا ص ۴۴۰)

عن أبي هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من حج عن ميت فللذى حج عنه مثل أجره، ومن فطر صائما فله مثل أجره، ومن دل على خير فله مثل أجر فاعله (المعجم الاوسط للطبراني رقم الحديث ۵۸۱۸،وقال الطبراني:لم يروهذا الحديث عن ابن جريج الا عبدالملك بن ابي كريمة، تفردبه:على بن بهرام ، تاريخِ بغداد ج۵ص ۱۸۱)

قال الهيثمي:رواه الطبراني في الاوسط وفيه على بن يزيد بن بهرام ولم اجد من ترجمة، وبقية رجاله ثقات(مجمع الزوائد ج۳ص ۲۵۵)

أخبرنا الحسن بن أبي بكر وعثمان بن محمد بن يوسف قالا أنا أبو بكر الشافعي ثنا الحسن بن سعيد الموصلي ثنا إبراهيم بن حبان بن النجار ثنا حبان يعني أباه عن أبيه النجار عن جده أنس بن مالك، قال :سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت : بأبي وأمي يا رسول الله إنا لندعو لموتانا ونصدق ونحج عنهم فهل يصل ذلك إليهم؟ فقال" :إنه ليصل إليهم ويفرحون به كما يفرح أحدكم بالطبق إذا أهدى إليه"(الإكمال في رفع الارتياب عن المؤتلف والمختلف في الأسماء والكنى والأنساب لابنِ ماكولا ، ج۲ص ۳۱۲،۳۱۳،حرف الحاء)

[2] بعض ایصالِ ثواب کے منکرین نے اس موقع پر یہ بحث چھیڑی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے کی طرف سے حج کرنے کے بارے میں لفظِ عن کے ذریعہ سے سوال کیا گیا ہے نہ کہ لفظِ لھا یا لہٗ کے ذریعہ سے اور عن کے ذریعہ سے نیابت ثابت ہوتی ہے، نہ کہ ایصالِ ثواب۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ان احادیث وروایات سے معلوم ہوا کہ شریعت میں حجِ بدل کا بھی وجود ہے، اور حج وعمرہ کے ذریعہ سے دوسرے کو ایصالِ ثواب کرنا درست ہے۔ [۱]

اس کے علاوہ بعض امت کے بڑے بڑے اکابر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصالِ ثواب کے لئے حج وعمرے کرنا ثابت ہے۔ [۲]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مگر اس کا جواب صدقہ وخیرات کی بحث میں ہم نے ذکر کر دیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظِ عن کے ذریعہ سے نیابت اور ایصالِ ثواب دونوں کا ثبوت ہوتا ہے، کیونکہ ایصالِ ثواب میں عمل کے شروع میں بھی نیت کی جاسکتی ہے، اور بعد میں بھی۔

وقالوا: قال الله تعالىٰ: (وأن ليس للانسان الا ماسعى) قال على: هذه سورة مكية بلاخلاف، وهذه الاحاديث كانت فى حجة الوداع فصح ان الله تعالىٰ بعد ان لم يجعل للانسان الا ماسعى تفضل على عباده وجعل لهم ماسعى فيه غيرهم عنهم بهذه النصوص الثابتة (المحلىٰ لابن حزم، ج۵ ص ۳۵، كتاب الحج)

[۱] علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ففى هذه الاحاديث الصحيحة: "أنه أمر بحج الفرض عن الميت وبحج النذر" كما أمر بالصيام. وأن المأمور تارة يكون ولدا، وتارة يكون أخا، وشبه النبى صلى الله عليه وسلم ذالک بالدين، يكون على الميت. والدين يصح قضاؤه من كل أحد، فدل على أنه يجوز ان يفعل ذالک من كل أحد، لايختص ذالک بالولد. كماجاء مصرحاً به فى الأخ. فهذا الذى ثبت بالكتاب والسنة والإجماع علم مفصل مبين. فعلم أن ذالک لاينافى قوله: (وأن ليس للانسان الا ماسعى) (الفتاوىٰ الكبرىٰ لابن تيمية، ج۲۴ ص ۳۱۱، كتاب الجنائز، قولهٗ تعالىٰ وأن ليس للانسان الا ماسعى)

نیز فرماتے ہیں کہ:

فلما كان هو الساعى فى وجود الولد كان عمله من كسبه، بخلاف الأخ، والعم والأب، ونحوهم. فإنه ينتفع أيضاً بدعائهم، بل بدعاء الأجانب، لكن ليس ذالک من عمله (الفتاوىٰ الكبرىٰ لابن تيمية، ج۲۴ ص ۳۱۲، كتاب الجنائز، قولهٗ تعالىٰ وأن ليس للانسان الا ماسعى)

[۲] فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں ہے کہ:

ان ابن عمر كان يعتمر عنه صلى الله عليه وسلم عمرا بعد موته من غير وصية وحج ابن الموفق وهو فى طبقة الجنيد عنه سبعين حجة وختم ابن السراج عنه صلى الله عليه وسلم اكثر من عشرة آلاف ختمة وضحى عنه مثل ذالک (فتح الملهم ج ۳ ص ۳۹)

اور حواشی الشروانی میں ہے کہ:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ آج کے دور میں جبکہ غربت وافلاس عام ہے، اور حج وعمرہ کی سنت کے مطابق ادائیگی کا اہتمام بھی بہت کم ہے۔

ان حالات میں اس رقم کو صدقہ کر کے ایصالِ ثواب کرنا نفلی حج وعمرہ میں خرچ کر کے ایصالِ ثواب کرنے سے افضل ہے، البتہ اگر حجِ بدل ہو تو پھر حج ہی کرنے کو ترجیح ہوگی۔ [1]

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ حج تو مالی عبادت ہے، اور اس میں جو ثواب پہنچتا ہے وہ مال خرچ کرنا کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قوله واختاره) أي الجواز السبكي واحتج بأن ابن عمر -رضي الله تعالى عنهما- كان يعتمر عن النبي -صلى الله عليه وسلم- عمرا بعد موته من غير وصية، وحكى الغزالي في الإحياء عن علي بن الموفق وكان من طبقة الجنيد أنه حج عن النبي -صلى الله عليه وسلم- حججا وعدها القضاعي ستين حجة وعن محمد بن إسحاق السراج النيسابوري أنه ختم عن النبي -صلى الله عليه وسلم- أكثر من عشرة آلاف ختمة وضحى عنه مثل ذلك انتهى (حواشي الشرواني ج٧ص ٧٦، كتاب الوصايا)

مگر حج اور صدقے کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کے مشہور منکر جناب تمنا عمادی صاحب کہتے ہیں کہ:

حجِ بدل کی روایتیں سب کی سب مخالفِ قرآن اور خلافِ درایتِ اسلامیہ ہیں (مزید کہتے ہیں) یہی حال میت کی طرف سے یا کسی دوسرے زندہ کی طرف سے صدقہ وخیرات کرنے کا ہے (مذاکرہ: صفحہ ۱۶۸؛ شائع کردہ: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی؛ اشاعتِ دوم، ماہِ شوال ۱۴۱۷ھ، فروری ۱۹۹۷ء)

[1] قلت قد يقال إن صدقة التطوع في زماننا أفضل لما يلزم الحاج غالبا من ارتكاب المحظورات ومشاهدته لفواحش المنكرات وشح عامة الناس بالصدقات وتركهم الفقراء والأيتام في حسرات ولا سيما في أيام الغلاء وضيق الأوقات وبتعدي النفع تتضاعف الحسنات ثم رأيت في متفرقات اللباب الجزم بأن الصدقة أفضل منه وقال شارحه القاري أي على ما هو المختار كما في التجنيس ومنية المفتي وغيرهما ولعل تلك الصدقة محمولة على إعطاء الفقير الموصوف بغاية الفاقة أو في حال المجاعة وإلا فالحج مشتمل على النفقة بل وزاد إن الدرهم الذي ينفق في الحج بسبعمائة إلخ قلت قد يقال ما ورد محمول على الحج الفرض على أنه لا مانع من كون الصدقة للمحتاج أعظم أجرا من سبعمائة (منحة الخالق على البحر الرائق، جلد ۲ صفحہ ۳۳۴، كتاب الحج)

والحج على الوجه المشروع أفضل من الصدقة التي ليست واجبة. وأما إن كان له أقارب محاويج فالصدقة عليهم أفضل، وكذلك إن كان هناك قوم مضطرون إلى نفقته، فأما إذا كان كلاهما تطوعا فالحج أفضل لأنه عبادة بدنية مالية وكذلك الأضحية والعقيقة أفضل من الصدقة بقيمة ذلك، لكن هذا بشرط أن يقيم الواجب في الطريق ويترك المحرمات ويصلي الصلوات الخمس، ويصدق الحديث ويؤدي الأمانة ولا يتعدى على أحد (الفتاوىٰ الكبرىٰ لابن تيمية ج٥ ص ٣٨٢، كتاب الحج)

پہنچتا ہے، نہ کہ حج کے افعال کا، لہٰذا اس سے بدنی عبادت کا ایصالِ ثواب ثابت نہیں ہوا۔

تو یہ شبہ درست نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کی طرف سے حج کرنے کا ارشاد فرمایا ہے، یہ بات نہیں فرمائی کہ میت کی طرف سے حج پر خرچ کیا جائے۔ [1]

اس باب کا خلاصہ اور متعلّقہ مسائل

اس باب کا خلاصہ یہ نکلا کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے لئے ایصالِ ثواب کے طور پر حج وعمرہ کرنا جائز ہے، اور طواف کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ وہ بھی حج یا عمرہ کا اہم عمل ہے، اور بعض شرائط کے ساتھ دوسرے کی طرف سے حجِ بدل کرنا بھی جائز ہے۔

مسئلہ..... جب کسی شخص پر حج فرض ہوگیا، اور وہ خود حج کرنے سے معذور ہو، تو جمہور فقہائے کرام کے نزدیک بعض شرائط کے ساتھ دوسرے کو اس کی طرف سے حج کرنا جائز ہوتا ہے، جس کو عربی میں ''حج عن الغیر'' اور ہمارے آج کل کے عرف اور بول چال میں حجِ بدل کہا جاتا ہے۔ [2]

---

[1] واما قولکم انه یصل الیه فی الحج ثواب النفقة دون افعال المناسک فدعویٰ بلامجردة بلابرهان السنة تردها فان النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم قال حج عن ابیک، وقال للمرأة حجی عن امک، فاخبر ان الحج نفسه عن المیت ولم یقل ان الانفاق هو الذی یقع عنه.

وکذالک قال للذی سمعه یلبی عن شبرمة، حج عن نفسک ثم حج عن شبرمةحولماسألته المرأة عن الطفل الذی معها فقال الهذا الحج؟قال نعم ولم یقل انما له ثواب الانفاق بل اخبر ان له حجا مع انه لم یفعل شیئا بل ولیه ینوب عنه فی افعال المناسک.

ثم ان النائب عن المیت قد لاینفق شیئا فی حجته غیر نفقة معلقة فماالذی یجعل نفقة ثواب نفقة مقامه للمحجوج عنه وهولم ینفقها علی الحج بل تلک نفقة اقام اوسافر ، فهذا القول ترده السنة والقیاس واللہ اعلم(کتاب الروح ص ۱۴۰ ،وص ۱۴۱)

[2] أخبرنا مالک أخبرنا أیوب السختیانی عن ابن سیرین :أن رجلا کان جعل علیه أن لا یبلغ أحد من ولده الحلب فیحلب فیشرب ویستقیه إلا حج وحج به قال :فبلغ رجل من ولده الذی قال وقد کبر الشیخ فجاء ابنه إلی النبی صلی الله علیه و سلم فأخبره الخبر فقال إن أبی قد کبر وهو لا یستطیع الحج أفأحج عنه ؟ قال :نعم .

قال محمد :وبهذا نأخذ لا بأس بالحج عن المیت وعن المرأة والرجل إذا بلغا من الکبر ما لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

مسئلہ...... حجِ بدل کے لئے حنفیہ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ جس کی طرف سے حجِ بدل کیا جارہا ہے، حج کے ضروری تمام یا اکثر اخراجات اُسی شخص کے مال میں سے کیے جائیں، جس کا حجِ بدل کیا جارہا ہے۔

البتہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اگر کوئی اجنبی شخص بھی اپنا مال تبرعاً خرچ کر کے میت کی طرف سے حجِ بدل کرے، تو صحیح ہے، اور اس سے میت کا فرض حج ادا ہوجاتا ہے، خواہ مَرنے والے نے وصیت بھی نہ کی ہو، اور ترکہ بھی نہ چھوڑا ہو، جیسا کہ میت کی طرف سے تبرعاً قرض

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يستطيعان أن يحجا .وهو قول أبي حنيفة والعامة من فقهائنا رحمهم الله تعالى .وقال مالك بن أنس :لا أرى أن يحج أحد عن أحد (موطأ محمد، ج۲، ص۳۵۵، باب الحج عن الميت أو عن الشيخ الكبير)

ذهب الجمهور (الحنفية والشافعية والحنابلة) إلى مشروعية الحج عن الغير.

وقابليته للنيابة، وذهب مالك على المعتمد في مذهبه إلى أن الحج لا يقبل النيابة لا عن الحي ولا عن الميت، معذورا أو غير معذور .وقالوا :إن الأفضل أن يتطوع عنه وليه بغير الحج، كأن يهدى أو يتصدق عنه، أو يدعو له، أو يعتق.استدل الجمهور على مشروعية حج الإنسان عن غيره بالسنة الثابتة المشهورة، وبالعقل .أما السنة :فمنها حديث ابن عباس رضي الله عنه قال :جاء ت امرأة من خثعم عام حجة الوداع، قالت :يا رسول الله :إن فريضة الله على عباده في الحج أدركت أبي شيخا كبيرا لا يستطيع أن يستوى على الراحلة، فهل يقضى عنه أن أحج عنه؟ قال :نعم وعن ابن عباس أيضا :أن امرأة من جهينة جاء ت إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت :إن أمي نذرت أن تحج فلم تحج حتى ماتت أفأحج عنها؟ قال صلى الله عليه وسلم :نعم حجي عنها، أرأيت لو كان على أمك دين أكنت قاضيته؟ . .اقضوا الله، فالله أحق بالوفاء.وأما العقل، فقال الكمال بن الهمام :وكان مقتضى القياس أن لا تجرى النيابة في الحج، لتضمنه المشقتين البدنية والمالية، والأولى لم تقم بالآمر، لكنه تعالى رخص في إسقاطه بتحمل المشقة الأخرى، أعني إخراج المال عند العجز المستمر إلى الموت، رحمة وفضلا، وذلك بأن يدفع نفقة الحج إلى من يحج عنه، بخلاف حال القدرة فإنه لم يعذره لأن تركه ليس إلا لمجرد إيثار راحة نفسه على أمر ربه، وهو بهذا يستحق العقاب، لا التخفيف في طريق الإسقاط، وإنما شرط دوامه (أي العذر) إلى الموت لأن الحج فرض العمر.وقال ابن قدامة :هذه عبادة تجب بإفسادها الكفارة، فجاز أن يقوم غير فعله فيها مقام فعله، كالصوم إذا عجز عنه افتدى بخلاف الصلاة ،وأخذ المالكية بالأصل، وهو عدم جريان النيابة في العبادة البدنية، كالصوم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۷۲ وص ۷۳، الحج عن الغير، مشروعية الحج عن الغير)

ودَین کی ادائیگی کا معاملہ ہے(وهو الارجح عندنا) لے

لے وفى فتح القدير واعلم أن شرط الإجزاء كون أكثر النفقة من مال الآمر (البحرالرائق، ج٣، ص٦٦، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

ب -أن تكون نفقة الحج من مال الآمر كلها أو أكثرها عند الحنفية، سوى دم القران والتمتع، فهما على الحاج عندهم .لكن إذا تبرع الوارث بالحج عن مورثه تبرأ ذمة الميت إن لم يكن أوصى بالإحجاج عنه إن شاء الله.

أما الشافعية والحنابلة فقد أجازوا أن يتبرع بالحج عن غير الميت مطلقا، كما يجوز أن يتبرع بقضاء دينه.

وأما المالكية فالأمر عندهم فى هاتين المسألتين

تابع للوصية، ولتنفيذها بعقد الإجارة، أو لتبرع النائب، لا لإسقاط الفريضة عن الميت.

وأما الحى المعضوب :إذا بذل له المال أو الطاعة فلا يلزمه قبول ذلك للإحجاج عن نفسه عند الحنفية والمالكية والحنابلة.

وقال الشافعية :لو بذل له ولده أو أجنبى مالا للأجرة لم يجب قبوله فى الأصح .ولو وجد مالا أقل من أجرة المثل ورضى به الأجير لزمه الاستئجار، لأنه مستطيع، والمنة فيه ليست كالمنة فى المال. ولو لم يجد أجرة وبذل له ولده الطاعة بأن يذهب هو بنفسه للحج عنه وجب عليه قبوله، وهو الإذن له فى ذلك، لأن المنة فى ذلك ليست كالمنة فى المال .لحصول الاستطاعة، وكذا الأجنبى فى الأصح.ويشترط للزوم قبول طاعتهم أربعة شروط :أن يثق بالبازل، وأن لا يكون عليه حج ولو نذرا، وأن يكون ممن يصح منهم حجة الإسلام، وأن لا يكونا معضوبين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج١٧، ص ٧٥ ،وص٧٦، الحج عن الغير، شروط صحة الحج الواجب عن الغير،مادة "حج")

ومنها :أن يكون حج المأمور بمال المحجوج عنه، فإن تطوع الحاج عنه بمال نفسه لم يجز عنه حتى يحج بماله.

وكذا إذا كان أوصى أن يحج عنه بماله ومات، فتطوع عنه وارثه بمال نفسه؛ لأن الفرض تعلق بماله فإذا لم يحج بماله لم يسقط عنه الفرض؛ ولأن مذهب محمد أن نفس الحج يقع للحاج، وإنما للمحجوج عنه ثواب النفقة، فإذا لم ينفق من ماله فلا شىء له رأسا(بدائع الصنائع، ج٢ص٢١٣، كتاب الحج)

ويصح الاستنابة عن الميت من الوارث والأجنبى كقضاء الدين وللأخبار السابقة (لا فى تطوع لم يوص به) إذ لا اضطرار إلى الاستنابة فيه بخلاف ما إذا أوصى به وقيل تصح من الوارث وإن لم يوص به نقله الأصل فى الوصية عن السرخسى بعد نقله المنع عن العراقيين (ويجب على من عليه قضاء دينه) من وارث ووصى وحاكم إذا خلف الميت تركة (أن يستنيب عنه) فى الحج (عند استقراره عليه) وإن لم يوص به لخبر مسلم السابق ولخبر الصحيحين أن رجلا جاء إلى النبى - صلى الله عليه وسلم -فقال يا رسول الله إن أختى نذرت أن تحج وماتت قبل أن تحج أفأحج عنها؟ فقال :لو كان على أختك دين أكنت قاضيه؟ قال :نعم قال فاقضوا حق الله فهو أحق القضاء فإن لم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:..... جب دوسرے کی طرف سے حجِ بدل کیا جائے، اور حجِ بدل صحیح ہونے کی شرائط کا بھی لحاظ کیا جائے، تو یہ حج ابتداءً ہی اُس شخص کی طرف سے واقع ہوتا ہے، جس کی طرف سے حجِ بدل کیا گیا ہے (وھو الارجح عندنا) ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

يخلف تركة استحب للوارث أن يحج عنه فإن حج هو أو أجنبى عنه بنفسه أو باستئجار سقط الحج عنه كما سيأتى فى الوصية (أسنى المطالب فى شرح روض الطالب لزكريا بن محمد بن زكريا الأنصارى الشافعى، ج ا، ص ۴۵۰، كتاب الحج والعمرة)

(ويسقط) الحج عن الميت (بحج أجنبى عنه ولو بلا إذن) وليه؛ لأنه -صلى الله عليه وسلم -شبهه بالدين بخلاف من حج عن حى بلا إذنه كدفع زكاة مال غيره بغير إذنه (كشاف القناع عن متن الإقناع للبهوتى الحنبلى، ج۲، ص۳۹۳، كتاب الحج، فصل فى الاستطاعة)

۱؎ ثم فى الحديث دليل على أن الحج يقع عن الآمر وهو مختار شمس الأئمة السرخسى -رحمه الله، وجمع من المحققين وهو ظاهر المذهب(مرقاة المفاتيح، ج۵ص۱۷۴۳، كتاب المناسك)

أولا :النيابة فى الحج عن الحى:من يقع عنه حج النائب:

ذهب الفقهاء إلى أن الحج يقع عن المحجوج عنه .لحديث الخثعمية حيث قال لها النبى صلى الله عليه وسلم :حجى عن أبيك فقد أمرها النبى صلى الله عليه وسلم بالحج عن أبيها، ولولا أن حجها يقع عن أبيها لما أمرها بالحج عنه.

ولأن النبى صلى الله عليه وسلم قاس دين الله تعالى بدين العباد بقوله :أرأيت لو كان على أبيك دين .وذلك تجزء فيه النيابة، ويقوم فعل النائب مقام فعل المنوب عنه كذا هذا .لأن الحاج يحتاج إلى نية المحجوج عنه كذا الإحرام، ولو لم يقع نفس الحج عنه لكان لا يحتاج إلى نيته.

وروى عن محمد بن الحسن أن نفس الحج يقع عن الحاج، وإنما للمحجوج عنه ثواب النفقة؛ لأن الحج عبادة بدنية ومالية والبدن للحاج، والمال للمحجوج عنه، فما كان من البدن لصاحب البدن، وما كان بسبب المال يكون لصاحب المال .والدليل عليه أنه لو ارتكب شيئا من محظورات الإحرام فكفارته فى ماله لا فى مال المحجوج عنه، وكذا لو أفسد الحج يجب عليه القضاء ، فدل على أن نفس الحج يقع له إلا أن الشرع أقام ثواب نفقة الحج فى حق العاجز عن الحج بنفسه، مقام الحج بنفسه نظرا له ومرحمة عليه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص۳۱ وص۳۲، النيابة فى الحج عن الحى،مادة "نيابة")

وأما كيفية النيابة فيه، فذكر فى الأصل أن الحج يقع عن المحجوج عنه، وروى عن محمد أن نفس الحج يقع عن الحاج، وإنما للمحجوج عنه ثواب النفقة.

وجه رواية محمد أنه عبادة بدنية ومالية والبدن للحاج، والمال للمحجوج عنه فما كان من البدن لصاحب البدن، وما كان بسبب المال يكون لصاحب المال، والدليل عليه أنه لو ارتكب شيئا من محظورات الإحرام فكفارته فى ماله لا فى مال المحجوج عنه.وكذا لو أفسد الحج يجب عليه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:..... دوسرے کی طرف سے حجِ بدل کے بجائے اپنے مال میں سے دوسرے کے لئے حجِ نفل کرنا بھی جائز ہے، خواہ وہ دوسرا زندہ ہو یا فوت ہو چکا ہو اور خواہ اس نے اس کی اجازت دی ہو، یا نہ دی ہو، بلکہ دوسرے کو علم ہو یا نہ ہو، کیونکہ حجِ نفل کا مقصود دوسرے کو ایصالِ ثواب کرنا ہے، جو زندہ کے لئے بھی جائز ہے، اور فوت شُدہ کے لئے بھی، اور اس کے لئے دوسرے کی اجازت بھی ضروری نہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

القضاء فدل أن نفس الحج يقع له إلا أن الشرع أقام ثواب نفقة الحج فی حق العاجز عن الحج بنفسه مقام الحج بنفسه نظرا له ومرحمة عليه .وجه رواية الأصل ما روينا من حديث الخثعمية حيث قال لها النبی - :صلی الله عليه وسلم -حجی عن أبيک أمرها بالحج عن أبيها.

ولولا أن حجها يقع عن أبيها لما أمرها بالحج عنه، ولأن النبی -صلی الله عليه وسلم -قاس دين الله تعالی بدين العباد بقوله :أرأيت لو كان علی أبيک دين؟ وذلک تجزء فيه النيابة ويقوم فعل النائب مقام فعل المنوب عنه كذا هذا، والدليل عليه أن الحاج يحتاج إلی نية المحجوج عنه كذا الإحرام، ولو لم يقع نفس الحج عنه لكان لا يحتاج إلی نيته والله أعلم (بدائع الصنائع، ج۲، ص ۲۱۲، كتاب الحج)

[1] حج النفل عن الغير:

مشروعيته:اتفق الجمهور علی مشروعية حج النفل عن الغير بإطلاق، وهو مذهب الحنفية وأحمد. وأجازه المالكية أيضا مع الكراهة فيه وفی النيابة فی الحج المنذور

أما الشافعية ففصلوا وقالوا :لا تجوز الاستنابة فی حج النفل عن حی ليس بمعضوب، ولا عن ميت لم يوص به.

أما الميت الذی أوصی به والحی المعضوب إذا استأجر من يحج عنه، ففيه قولان مشهوران للشافعية:أصحهما الجواز، وأنه يستحق الأجرة.

والقول الآخر عدم الجواز، لأنه إنما جاز الاستنابة فی الفرض للضرورة، ولا ضرورة، فلم تجز الاستنابة فيه، كالصحيح، ويقع عن الأجير، ولا يستحق الأجرة.

ويدل للجمهور علی صحة حج النفل عن الغير المستطيع بنفسه أنها حجة لا تلزمه بنفسه، فجاز أن يستنيب فيها كالمعضوب.

ولأنه يتوسع فی النفل ما لا يتوسع فی الفرض، فإذا جازت النيابة فی الفرض فلأن تجوز فی النفل أولی (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۷۷، حج النفل عن الغير،مادة "حج")

أما بالنسبة لحج التطوع فعند الحنفية تجوز فيه الاستنابة بعذر وبدون عذر، وعند الحنابلة إن كان لعذر جاز وإن كان لغير عذر ففيه روايتان:

إحداهما يجوز؛ لأنها حجة لا تلزمه بنفسه، فجاز أن يستنيب فيها كالمعضوب.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ...... جو شخص اپنا فرض حج ادا کر چکا ہے، وہ اگر بعد میں کسی دوسرے کو ایصالِ ثواب کے لئے حج کرے، تو ایسا کرنا جائز ہے، لیکن اگر اس نے خود اپنا فرض حج ادا نہیں کیا، تو پھر اس کو ایسا کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اسے پہلے اپنے حج کا فریضہ ادا کرنا ضروری ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر...... جس طرح دوسرے کی طرف سے نائب بن کر حجِ بدل کرنا جائز ہے، اور دوسرے کو ایصالِ ثواب کے لئے حجِ نفل کرنا جائز ہے، اسی طرح دوسرے کی طرف سے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والرواية الثانية لا يجوز، لأنه قادر على الحج بنفسه، فلم يجز أن يستنيب فيه كالفرض، وللشافعية قولان فيما إذا كان بعذر :أحدهما لا يجوز؛ لأنه غير مضطر إلى الاستنابة فيه، فلم تجز الاستنابة فيه كالصحيح، والثاني يجوز، وهو الصحيح؛ لأن كل عبادة جازت النيابة فى فرضها جازت النيابة فى نفلها .وتكره الاستنابة فى التطوع عن المالكية .

وما مر إنما هو بالنسبة للحى .أما الميت فعند الحنابلة والشافعية :من مات قبل أن يتمكن من أداء الحج سقط فرضه، ولا يجب القضاء عنه، وإن مات بعد التمكن من الأداء ولم يؤد لم يسقط الفرض، ويجب القضاء من تركته، لما روى بريدة قال :أتت النبى صلى الله عليه وسلم امرأة فقالت :يا رسول الله إن أمى ماتت، ولم تحج فقال لها النبى صلى الله عليه وسلم :حجى عن أمك، ولأنه حق تدخله النيابة حال الحياة، فلم يسقط بالموت، كدين الآدمى، ومثل ذلك الحج المنذور؛ لما روى ابن عباس قال :أتى رجل النبى صلى الله عليه وسلم فقال له :إن أختى نذرت أن تحج، وإنها ماتت، فقال النبى صلى الله عليه وسلم :لو كان عليها دين أكنت قاضيه؟ قال :نعم. قال :فاقض الله فهو أحق بالقضاء .وعند الحنفية والمالكية :من مات ولم يحج فلا يجب الحج عنه، إلا أن يوصى بذلك، فإذا أوصى حج من تركته .وإذا لم يوص بالحج عنه، فتبرع الوارث بالحج بنفسه، أو بالإحجاج عنه رجلا جاز، ولكن مع الكراهة عند المالكية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢، ص ٣٣٦، النيابة فى أداء العبادات،مادة" نيابة")

[1] النيابة فى حالة القدرة على الحج بنفسه :الحج إما أن يكون فرضا، وإما أن يكون نذرا، وإما أن يكون تطوعا .فإن كان الحج فرضا، فقد اتفق الفقهاء على أنه لا يجوز للقادر أن يستنيب من يحج عنه، وكذا الحج المنذور عند الجمهور خلافا للمالكية الذين يرون كراهته.

وأما إن كان الحج حج تطوع، وكان المستنيب قد أدى حجة الإسلام، وهو قادر على الحج بنفسه، فقد اختلف الفقهاء فى جواز الاستنابة:

فذهب الحنفية، والحنابلة فى المذهب، إلى أنه تجوز الاستنابة.

ويرى المالكية كراهة الاستنابة.

وذهب الشافعية والحنابلة فى الرواية الثانية، إلى عدم جواز الاستنابة ، وينظر التفصيل فى مصطلح (حج ف) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٤٢، ص ٣٦، النيابة فى حالة القدرة على الحج بنفسه)

ایصالِ ثواب کی غرض سے عمرہ بلکہ طواف کرنا بھی جائز ہے۔ [1]

مسئلہ...... اگر کوئی شخص دوسرے کے تعاون کے طور پر اس دوسرے کو اپنے مال سے حج کرائے اور اس کا مقصود حج بدل کرانا نہ ہو، بلکہ دوسرے کے حج کی اعانت ومدد کر کے ثواب حاصل کرنا ہو تو ایسا کرنا بھی جائز ہے، اور اس صورت میں دوسرے کو حج کرانے کی مالی اعانت ومدد کر کے ثواب حاصل ہوتا ہے۔

فقط

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم

---

[1] النوع الثالث :العبادات المشتملة على البدن والمال:
العبادات المشتملة على البدن والمال هى الحج والعمرة .وقد ذهب الجمهور إلى مشروعية الحج عن الغير، وقابليته للنيابة للعذر الميئوس من زواله بالنسبة للحى، وذهب مالك على المعتمد فى مذهبه، إلى أن الحج لا يقبل النيابة لا عن الحى ولا عن الميت، معذورا أو غير معذور، والتفصيل فى مصطلح (حج ف ۱۱۴ وما بعدها، وأداء ف ۱۶، وعبادة ف ۷) . أما العمرة فتقبل النيابة فى الجملة، والتفصيل فى مصطلح (عمرة ف ۳۸) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۲، ص ۳۱، العبادات المشتملة على البدن والمال)
ذهب الفقهاء فى الجملة إلى أنه يجوز أداء العمرة عن الغير؛ لأن العمرة كالحج تجوز النيابة فيها؛ لأن كلا من الحج والعمرة عبادة بدنية مالية ولهم فى ذلك تفصيل:
ذهب الحنفية إلى أنه يجوز أداء العمرة عن الغير بأمره؛ لأن جوازها بطريق النيابة، والنيابة لا تثبت إلا بالأمر، فلو أمره أن يعتمر فأحرم بالعمرة واعتمر جاز؛ لأنه فعل ما أمر به.
وذهب المالكية إلى أنه تكره الاستنابة فى العمرة وإن وقعت صحت.
وقال الشافعية :تجوز النيابة فى أداء العمرة عن الغير إذا كان ميتا أو عاجزا عن أدائها بنفسه، فمن مات وفى ذمته عمرة واجبة مستقرة بأن تمكن بعد استطاعته من فعلها ولم يؤدها حتى مات .وجب أن تؤدى العمرة عنه من تركته، ولو أداها عنه أجنبى جاز ولو بلا إذن كما أن له أن يقضى دينه بلا إذن.وتجوز النيابة فى أداء عمرة التطوع إذا كان عاجزا عن أدائها بنفسه، كما فى النيابة عن الميت.وذهب الحنابلة إلى أنه لا تجوز العمرة عن الحى إلا بإذنه؛ لأنها عبادة تدخلها النيابة، فلم تجز إلا بإذنه، أما الميت فتجوز عنه بغير إذنه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۰ص ۳۲۸ و ۳۲۹،أداء العمرة عن الغير،مادة"عمرة")

قربانی میں نیابت اور ایصالِ ثواب

قربانی مالی عبادت ہے، اور اس کے ذریعہ سے بھی ایصالِ ثواب کرنا درست ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس اپنی امت کی طرف سے قربانی فرمائی ہے۔

آگے اس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(۱)......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالاضحیٰ کے موقع پر ایک اچھے موٹے تازے سینگوں والے مینڈھے کی قربانی فرمائی اور اس کو ذبح کرتے وقت آپ نے فرمایا کہ:

بِسۡمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلۡ مِنۡ مُّحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَمِنۡ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ (مسلم) [۱]

ترجمہ: بسم اللہ! اے اللہ! اس کو قبول فرما، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) طرف سے اور آلِ محمد اور امتِ محمد کی طرف سے (مسلم)

فائدہ: اس حدیث سے مندرجہ ذیل چند باتیں معلوم ہوئیں:

(ا)...... پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ قربانی کے ذریعہ سے بھی ایصالِ ثواب کرنا درست ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ایصالِ ثواب کرنے کے لئے یہ قربانی فرمائی۔

(ب)...... دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایک عمل سے کئی افراد بلکہ سب مسلمانوں کو ثواب پہنچایا جا سکتا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قربانی کے ایصالِ ثواب میں پوری امت کو شریک فرمایا۔

---

[۱] رقم الحدیث ۱۹۶۷ "۱۹" کتاب الاضاحی، باب استحباب الضحیۃ، وذبحھا مباشرۃ بلا توکیل، والتسمیۃ والتکبیر، ابوداؤد، رقم الحدیث ۲۷۹۲، باب مایستحب من الضحایا، مسند احمد، رقم الحدیث ۲۴۴۹۱.

(ج)...... تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایصالِ ثواب کے عمل سے ایصالِ ثواب کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قربانی کو اپنی طرف سے قبول کرنے کی بھی اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی۔

(د)...... چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی عمل کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے وہ عمل عامل کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوا ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبولیت کی دعا کرتے وقت پہلے اپنی طرف سے اس کے قبول کرنے کی دعا فرمائی۔

لہٰذا جس عمل میں اخلاص نہ ہو یا اور کوئی خرابی ہو' جس کی وجہ سے وہ عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہ ہو' اس کا ایصالِ ثواب نہیں کیا جاسکتا۔

(ھ)...... پانچویں بات یہ معلوم ہوئی کہ ایصالِ ثواب والا عمل کرتے وقت دوسرے کو ایصالِ ثواب کرنے کی نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنا جائز ہے، اگرچہ ضروری نہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نیت کے الفاظ ادا فرمانے میں امت کے لئے کئی چیزوں کی تعلیم مقصود تھی، جیسا کہ یہ بات ظاہر ہے۔

(و)...... چھٹی بات یہ معلوم ہوئی کہ ایصالِ ثواب زندہ اور مُردہ دونوں قسم کے مومن بندوں کو کیا جاسکتا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری امت کی طرف سے قربانی فرمائی، اور آپ کی امت کے بعض افراد اس وقت فوت ہو چکے تھے، اور بہت سے زندہ تھے، اور بہت سے ابھی تک پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ [1]

---

[1] لہٰذا ایصالِ ثواب کے منکرین کا یہ اعتراض کرنا کہ اس حدیث سے ایصالِ ثواب ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اس قربانی میں زندہ افراد بھی شامل ہیں، اور اربوں ایسے افراد بھی شامل ہیں جو اس وقت عالَم میں موجود نہیں تھے۔
ظاہر ہے کہ یہ بات اُن لوگوں کے خلاف تو واقع ہوتی ہے، جن کے موقف کے مطابق ایصالِ ثواب مُردوں کے ساتھ خاص ہو؛ اور ہمارے موقف کے مطابق ایصالِ ثواب مُردوں کے ساتھ خاص نہیں، جس پر مستقل بحث الگ عنوان کے تحت ذکر کردی گئی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحَرَ عَنْ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بَقَرَةً وَّاحِدَةً (سنن ابنِ ماجه) [1]

ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ایک گائے آلِ محمد کی طرف سے ذبح فرمائی (ابنِ ماجہ)

ظاہر ہے کہ آپ کے امتیوں میں بعض لوگ وہ بھی تھے، جوفوت ہوگئے تھے، اس لئے امت کی طرف سے یہ قربانی ایصالِ ثواب کے طور پر تھی، اور ضروری نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خود صاحبِ نصاب ہوں۔

(۲)......حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں ہے کہ:

ذَبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مُوْجَأَيْنِ، فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ: إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا، وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهٖ (ابوداؤد) [2]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالاضحیٰ کے دن دومینڈھوں کی قربانی کی اور ذبح کے وقت مندرجہ ذیل دعا:

---

[1] رقم الحديث ۳۱۳۵، كتاب الاضاحى، باب عن، كم تجزء البدنة والبقرة، دار إحياء الكتب العربية، القاهرة.

[2] رقم الحديث ۲۷۹۵، كتاب الضحايا، باب مايستحب عن الضحايا، سنن ابنِ ماجه رقم الحديث ۳۱۱۲، مسنداحمد رقم الحديث ۱۴۴۹۱، السنن الكبرىٰ للبيهقى جزء ۹ ص۲۸۷، شعب الايمان للبيهقى رقم الحديث ۷۰۷۴، سنن الدارمى رقم الحديث ۱۹۹۸، الدعوات الكبير للبيهقى رقم الحديث ۴۵۱، السنن الصغير للبيهقى رقم الحديث ۱۴۲۵.
فى حاشية مسند احمد: إسناده محتمل للتحسين.

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ

فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ وَعَنْ مُحَمَّدٍ وَاُمَّتِہٖ .

یعنی ''اے اللہ! (یہ قربانی کے جانور) آپ کی طرف سے (عطیہ ہیں) اور آپ (کی رضا حاصل کرنے) کے لئے محمد اور امتِ محمد کی طرف سے ہیں'' (ابوداؤد)

(۳)...... حضرت عائشہ یا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اَرَادَاَنْ یُّضَحِّیَ اِشْتَرٰی کَبْشَیْنِ عَظِیْمَیْنِ سَمِیْنَیْنِ اَمْلَحَیْنِ اَقْرَنَیْنِ مَوْجُوْئَیْنِ فَیَذْبَحُ اَحَدَھُمَا عَنْ اُمَّتِہٖ مِمَّنْ شَھِدَ بِالتَّوْحِیْدِوَشَھِدَلَہٗ بِالْبَلَاغِ وَذَبَحَ الْآخَرَ عَنْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَآلِ مُحَمَّدٍ (مسند احمد، رقم الحدیث ۲۵۸۸۶) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی کا ارادہ فرماتے تو آپ بڑے موٹے تازے سینگوں والے سیاہی مائل سفید رنگ کے دو خصی مینڈھے خریدتے، اُن دونوں میں سے ایک کی اپنے ان امتیوں کی طرف سے جو اللہ کی وحدانیت اور آپ کی تبلیغِ رسالت کی شہادت دیں، اور دوسرے کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آلِ محمد کی طرف سے قربانی کرتے (مسند احمد)

(۴)...... حضرت جابر بن عبداللہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

شَھِدْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْأَضْحٰی بِالْمُصَلّٰی فَلَمَّا قَضٰی خُطْبَتَہٗ نَزَلَ عَنْ مِنْبَرِہٖ فَأُتِیَ بِکَبْشٍ فَذَبَحَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدِہٖ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ أَکْبَرُ ھٰذَا عَنِّیْ وَعَمَّنْ لَمْ

---

[1] فی حاشیۃ مسند احمد: صحیح لغیرہ.

يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِيْ (ترمذی) [1]

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدالاضحیٰ کے موقع پر عیدگاہ میں حاضر ہوا، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم (عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد) خطبہ سے فارغ ہوگئے، تو اپنے منبر سے نیچے تشریف لائے، پھر ایک مینڈھا لایا گیا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھ سے ذبح فرمایا اور (ذبح کے وقت اس طرح تکبیر پڑھی) بسم اللہ واللہ اکبر (پھر فرمایا کہ) یہ میری طرف سے ہے اور اس شخص کی طرف سے جس نے میری امت میں سے قربانی نہیں کی (ترمذی)

اس حدیث کی سند پر بعض ایصالِ ثواب کے منکرین نے اعتراض کیا ہے، مگر وہ اعتراض انصاف پسندی پر مبنی نہیں ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحديث ۱۵۲۱؛ابواب الاضاحی ؛ ابو داؤد، رقم الحديث ۲۸۱۰؛ مسند احمد، رقم الحديث ۱۴۸۳۷.

قال الترمذی:هذا حديث غريب من هذا الوجه والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبی صلى الله عليه وسلم وغيرهم :أن يقول الرجل إذا ذبح :بسم الله والله أكبر، وهو قول ابن المبارک والمطلب بن عبد الله بن حنطب يقال إنه لم يسمع من جابر.

فی حاشية مسند احمد: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن إن صح سماع المطلب بن عبد الله من جابر، فقد نص غير واحد من أهل العلم أنه لم يسمع منه، لكن قد جاء تصريحُه بالسماع عند الطحاوی والحاكم، والله تعالى أعلم.

[2] حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی نے اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ کے غریب کہنے اور مطلب بن عبداللہ بن حنطب کے جابر سے سماع نہ ہونے کے قول کو لے کر غیر معتبر قرار دینے کی کوشش کی ہے، نیز اس حدیث کے ایک راوی عمرو بن ابی عمرو پر بھی غیر مؤثر جرحیں نقل کی ہیں (ملاحظہ ہو: عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں ص ۱۶۹ تا ۱۷۱، درذیل: ''امت کی جانب سے قربانی'' اشاعتِ ہفتم، ربیع الاول ۱۴۱۷، اگست 1996ء، ناشر: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی)

مگر اُن کی اس تاویل وکوشش سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

مطلب بن عبدالله سمع رجلا من أصحاب النبی صلى الله عليه وسلم، وعن أبی موسى وأم سلمة وعائشة روى عنه عمرو ابن أبی عمرو وكثير بن زيد وهو مدنی (التاريخ الكبير للبخاری، ج۸ ص۸، رقم الترجمة ۱۹۴۴)

قال محمد الامين الشنقيطی رحمه الله:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا یہ حدیث سند کے لحاظ صحیح ہے، اور اس کی تائید وتصدیق دیگر روایات سے بھی ہوتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾فالجواب أن هذا كله ليس فيه مايقتضى رد هذا الحديث، لأن عمراً المذكور ثقة، وهو من رجال البخارى ومسلم، وممن روى عنه مالک بن أنس، وكل ذالک يدل على أنه ثقة، وقال فيه ابن حجر فى (التقريب) ثقة ربما وهم، وقال فيه النووى في (شرح المهذب) أما تضعيف عمرو ابن أبى عمرو فغير ثابت، لأن البخارى، ومسلماً رويا له فى صحيحيهما، واحتجا به، وهما القدوة فى هذا الباب. وقد احتج به مالک، وروى عنه وهو القدوة، وقد عرف من عادته أنه لايروى فى كتابه إلا عن ثقة. وقال أحمد بن حنبل فيه: ليس به بأس، وقال ابوزرعة: هو ثقة، وقال أبو حاتم: لابأس به. وقال ابن عدى: لابأس به، لأن مالكاً روى عنه، ولا يروى مالک إلا عن صدوق ثقة، قلت: وقد عُرِف إن الجرح لايثبت إلا مفسراً، ولم يفسره ابن معين، والنسائى بما يثبت تضعيف عمرو المذكور. وقول الترمذى: إن مولاه المطلب بن عبدالله بن حنطب، لايعرف له سماع من جابر، وقول البخارى للترمذى: لاأعرف له سماعاً من أحد من الصحابة إلا قوله: حدثنى من شهد خطبة رسول الله صلى الله عليه وسلم، ليس فى شىء من ذالک مايقتضى رد روايته، لماقدمنا فى سورة النساء من أن التحقيق هو الاكتفاء بالمعاصرة. ولايلزم ثبوت اللقى، وأحرى ثبوت السماع، كما أوضحه الإمام مسلم بن الحجاج رحمه الله تعالىٰ فى مقدمة صحيحه، بما لامزيد عليه مع أن البخارى ذكر فى كلامه هذا الذى نقله عنه الترمذى. أن المطلب مولى عمرو بن أبى عمرو المذكور، صرح بالتحديث ممن سمع خطبة رسول الله صلى الله عليه وسلم . وهو تصريح بالسماع من بعض الصحابة بلاشک. وقال النووى فى (شرح المهذب): وأما إدراک المطلب لجابر. فقال ابن أبى حاتم، وروى عن جابر قال: ويشبه أن يكون أدركه، هذا هو كلام ابن أبى حاتم، فحصل شک فى إدراكه، ومذهب مسلم بن الحجاج الذى ادعى فى مقدمة صحيحه الإجماع فيه أنه لايشترط فى اتصال الحديث اللقاء، بل يكتفى بإمكانه، والإمكان حاصل قطعاً، ومذهب على ابن المدينى، والبخارى، والأكثرين اشتراط ثبوت اللقاء، فعلى مذهب مسلم الحديث متصل، وعلى مذهب الأكثرين يكون مرسلا لبعض كبار التابعين، وقد سبق أن مرسل التابعى الكبير يحتج به عندنا إذا اعتضد بقول الصحابة. أو قول أكثر العلماء، أو غير ذالک مماسبق. وقد اعتضد هذا الحديث، فقال به من الصحابة رضى الله عنهم، من سنذكره فى فرع مذاهب العلماء اه، كلام النووى. فظهرت صحة الاحتجاج بالحديث المذكور على كل التقديرات (أضواء البيان لمحمد الامين الشنقيطى بن محمد المختار، متوفىٰ ۱۳۹۳ھ، جزء ۱ صفحه ۴۵۷ درذيل سوره مائدة آيت نمبر ۹۶)

[1] قال الالبانى: صحيح. أخرجه أبو داود(۲۸۱۰) والترمذى(۱/۲۸۷) وكذا الطحاوى(۲/۳۰۲) والدارقطنى(۵۴۴ ـ ۵۴۵) والحاكم(۴/۲۲۹) والبيهقى(۹/۲۶۴ ـ ۲۸۷)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

معلوم ہوا کہ قربانی کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کرنا درست ہے، اور انسان اپنی قربانی میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأحمد (۳/۳۵۶ ـ ۳۶۲)عن عمرو بن أبي عمرو عن المطلب بن عبد الله (زاد الطحاوي وغيره : وعن رجل من بني سلمة أنهما حدثاه) عن جابر بن عبد الله ,(وفي رواية الطحاوي :أن جابر بن عبد الله أخبرهما) قال " :شهدت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الأضحى بالمصلي ,فلما قضى خطبته ,نزل من منبره ,وأتي بكبش ,فذبحه رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده ,وقال: بسم الله ,والله أكبر ,هذا عني ,وعن من لم يضح من أمتي ."وقال الترمذي " :حديث غريب من هذا الوجه ."

قلت :وقال الحاكم ":صحيح الإسناد ."وأقره الذهبي .قلت :وهو كما قالا ,فإن رجاله كلهم ثقات ,وإنما يخشى من تدليس المطلب وقد عنعنة في رواية الترمذي وغيره ,فلعله استغربه من أجلها ,لكن قد صرح بالتحديث في رواية الطحاوي والحاكم وغيرهما ,فزالت بذلك شبهة تدليسه ,ثم رأيت الترمذي قد بين وجه الاستغراب بعد سطرين مما سبق نقله عنه فقال ": والمطلب بن عبد الله بن حنطب يقال إنه لم يسمع من جابر ."قلت :ورواية الطحاوي :ترد هذا القيل .وقد قال ابن أبي حاتم في روايته عن جابر " :يشبه أنه أدركه ."وهذا أصح مما رواه عنه ابنه في "المراسيل " :"لم يسمع من جابر ."على أنه لم ينفرد به ,فقد رواه محمد بن إسحاق عن يزيد بن أبي حبيب عن أبي عياش عن جابر بن عبد الله قال "ضحى رسول الله صلى الله عليه وسلم بكبشين في يوم العيد ,فقال :حين وجههما :(إني وجهت وجهي للذي فطر السماوات والأرض) - إلى آخر الآية -اللهم إن هذا منك ولك عن محمد وأمته ,ثم سمى الله ,وكبر ,وذبح ."أخرجه أبو داود(۲۷۹۵)والدارمي (۲/۷۵ ـ ۷۶)والطحاوي والبيهقي(۹/۲۸۵ ـ ۲۸)

قلت :ورجاله ثقات غير أبي عياش هذا وهو المعافري المصري ,وهو مستور روى عنه ثلاثة من الثقات .نعم رواه ابن ماجه(۳۱۲۱)بإسناده عن محمد بن إسحاق به إلا أنه قال :عن أبي عياش الزرقي ."وأبو عياش الزرقي اثنان أحدهما صحابي ,والآخر تابعي اسمه زيد بن عياش ,وهو ثقة , فالإسناد على هذا صحيح لولا عنعنة ابن إسحاق ,لكن إسناد ابن ماجه إليه بأنه الزرقي ضعيف , ويؤيد أنه غيره أنهم لم يذكروا في الرواة عنه يزيد بن أبي حبيب ,وإنما ذكروه في الرواة عن المعافري.وله طريق ثالثة عن جابر ,يرويه عبد الله بن محمد بن عقيل قال :أخبرني عبد الرحمن بن جابر بن عبد الله قال :حدثني أبي " :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أتي بكبشين أملحين عظيمين أقرنين موجوئين ,فأضجع أحدهما ,وقال :بسم الله ,والله أكبر ,اللهم عن محمد وأمته ,من شهد لك بالتوحيد ,وشهد لي بالبلاغ ."أخرجه الطحاوي ,وأبو يعلى في " مسنده(۲/۱۰۵) "والبيهقي(۹/۲۶۸)قلت :وإسناده حسن ,رجاله ثقات رجال مسلم غير ابن عقيل وفيه كلام لا ينزل به حديثه عن رتبة الحسن ,وقد قال الهيثمي (۴/۲۲) "رواه أبو يعلى وإسناده حسن ."نعم قد اختلف فيه على ابن عقيل ,فرواه حماد بن سلمة عنه هكذا.

ورواه زهير وعبيد الله بن عمر عن علي بن الحسين عن أبي رافع به وزاد " :ثم يؤتى بالآخر فيذبحه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(خواہ وہ بڑا جانور ہو، یا چھوٹا، جیسا کہ مینڈھا، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی فرمایا) دوسروں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بنفسه ويقول :هذا عن محمد وآل محمد ,فيطعمهما جميعا المساكين ,ويأكل هو وأهله منهما , فمكثنا سنين ليس رجل من بني هاشم يضحى ,قد كفاه الله المؤنة برسول الله صلى الله عليه وسلم والغرم ."أخرجها عنهما الإمام أحمد(٦/ ٣٩١ـ ٣٩٢)والطحاوى عن عبيد الله والبيهقى عن زهير .ورواه سفيان الثورى عنه عن أبى سلمة عائشة وعن أبى هريرة " :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا أراد أن يضحى اشترى كبشين عظيمين " ....الحديث إلى قوله " :وعن آل محمد ."أخرجه ابن ماجه(٣١٢٢)والطحاوى والحاكم (٤/ ٢٢٧ـ ٢٢٨)وأحمد (٦/ ٢٢٠ـ ٢٢٥)والبيهقى.وقال البوصيرى ق(١/ ١٩٠) هذا إسناد حسن ,عبد الله بن محمد مختلف فيه ."
قلت :والطرق إلى ابن عقيل بهذه الأسانيد كلها صحيحة ,فإما أن يكون ابن عقيل قد حفظها عن مشايخه الثلاثة :عن عبد الرحمن بن جابر وعلى بن الحسين وأبى سلمة ,وإما أن يكون اضطرب فيها ,ورجح الأول البيهقى ,ولكنه لم تقع له روايته عن أبى سلمة ,وإنما عن عبد الرحمن وعلى فقال عقب روايته عنهما " :فكأنه سمعه منهما ."قلت :ولعله يرجح ما ذكره البيهقى أن للحديث أصلا عن أبى رافع ,وعائشة وأبى هريرة من طرق أخرى عنهم.
أما حديث أبى رافع ,فرواه عمارة :حدثنى المعتمر بن أبى رافع عن أبيه مختصرا بلفظ " :ذبح رسول الله صلى الله عليه وسلم كبشا ثم قال :هذا عنى وعن أمتى ."أخرجه الطبرانى فى " الأوسط(٢/ ١٢٧/ ١) "وقال " :لم يروه إلا عمارة ."قلت :وهو ابن غزية ,وهو ثقة ,لكن شيخه المعتمر ,ليس بالمشهور عندى لم أجد له ترجمة ,سوى أن ابن حبان أورده فى " الثقات(١/ ٢١٨) "وقال " :يروى عن أبيه ,وعنه عمرو بن أبى عمرو ." ...وأما حديث عائشة فيرويه عروة بن الزبير عنها " :أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بكبش أقرن يطأ فى سواد , ويبرك فى سواد وينظر فى سواد ,فأتى به ليضحى به ,فقال لها يا عائشة :هلمى المدية ,ثم ال : اشحذيها بحجر ,ففعلت ,ثم أخذها ,وأخذ الكبش فأضجعه ,ثم ذبحه ,ثم قال :بسم الله ,اللهم تقبل من محمد ,وآل محمد ,ومن أمة محمد ,ثم ضحى به ."أخرجه مسلم(٦/ ٧٨)وأبو داود(٢٧٩٢) والطحاوى والبيهقى.وأما حديث أبى هريرة ,فيرويه ابن وهب :حدثنى عبد الله بن عياش بن عباس القتبانى عن عيسى بن عبد الرحمن أخبرنى ابن شهاب عن سعيد بن المسيب عنه مرفوعا بلفظ " :ضحى رسول الله صلى الله عليه وسلم بكبشين أقرنين أملحين أحدهما عنه وعن أهل بيته ,والآخر عنه وعن من لم يضح من أمته ."أخرجه الطبرانى فى "الأوسط(٢/ ٢١٧) "وقال " :تفرد به ابن وهب ."قلت :وهو ثقة حافظ ,ومن فوقه ثقات إلا أن القتبانى فيه ضعف يسير ,وأخرج له مسلم فى الشواهد ,فالإسناد حسن.وقال الهيثمى " :رواه الطبرانى فى " الأوسط "و "الكبير "وإسناده حسن ."وفى الباب عن أبى سعيد الخدرى مختصرا نحو حديث المعتمر بن أبى رافع عن أبيه.أخرجه الطحاوى والدارقطنى والحاكم (٤/ ٢٢٨)والبيهقى وأحمد (٣/ ٨)من طريق ربيح بن عبد الرحمن بن أبى سعيد عن أبيه عن جده.وقال الحاكم " :صحيح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کے لیے ایصالِ ثواب کی بھی نیت کرسکتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الإسناد ."ووافقه الذهبی.قلت :کذا قالا ,وربيح لم يوثقه أحد بل قال البخاری " :منكر الحديث ," وأورده الذهبی نفسه فی "الضعفاء ! "وقال الحافظ فی "التقريب " :"مقبول ."

و عن أنس بن مالک .وله عنه طريقان :الأولى :عن الحجاج بن أرطاة عن قتادة عن أنس مرفوعا نحو حديث أبی هريرة عند ابن وهب .أخرجه الطبرانی فی "الأوسط(۱/۱۲۸) " وقال " :لم يروه إلا الحجاج ."قلت :وهو مدلس وقد عنعنه .وفی الطريق إليه ضعيفان.لكن أخرجه أبو يعلى فی " مسنده(۱/۱۵۷) "بسند صحيح عنه ,فانحصرت الشبهة فيه .والأخرى :عن المبارک بن سحيم أخبرنا عبد العزيز بن صهيب عنه .أخرجه الدارقطنی.والمبارک بن سحيم متروک.وفی الباب عن أبی طلحة وابن عباس وحذيفة بن أسيد ,فی أسانيدها كلام ,وقد خرجها الهيثمی فليراجعها من شاء فی كتابه "مجمع الزوائد "فإن فيما خرجناه كفاية(ارواء الغليل، تحت رقم الحديث ۱۱۳۸)

[1] بعض ایصالِ ثواب کے منکرین نے اس حدیث میں یہ تاویل کی ہے کہ جن لوگوں نے قربانی نہیں کی یا آئندہ قربانی نہ کرسکیں، اُن کی ذمہ داری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذمہ لیتے ہوئے بطور نیابت اُن سب کی جانب سے قربانی ادا فرمائی، کیونکہ آپ اُمت کے باپ تھے۔

لہٰذا اس سے ایصالِ ثواب کی قربانی کا ثبوت نہیں ہوتا۔

لیکن ان حضرات نے اس بات پر غور نہیں فرمایا کہ اوّلاً تو اس حدیث میں ایسی کوئی بات مذکور نہیں، دوسرے اگر آج بھی کوئی شخص اپنی فوت شُدہ اولاد کو ثواب پہنچانے کے لیے ایصالِ ثواب کرے تو کیا یہ جائز نہ ہوگا؟ اور اصل بات تو یہ ہے کہ اس حدیث سے محدثین وفقہائے کرام نے قربانی کے ذریعے سے ایصالِ ثواب پر استدلال کیا ہے۔

لہٰذا اُن کے استدلال کے ہوتے ہوئے منکرین کے اس اجتہاد کی کوئی حیثیت نہیں۔

چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ومن الادلة الدالة على وصول ثواب العبادة المالية حديث جابر رضی الله عنه قال:(صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم عيدالاضحیٰ ،فلما انصرف اتى بكبش فذبحه ، فقال عليه الصلاة والسلام :بسم الله والله اكبر ، اللهم هذا عنی وعمن لم يضح من امتی)رواه ابوداؤد والترمذی، وحديث الكبشين اللذين قال عليه الصلاة والسلام فی احدهما (اللهم هذا عن امتی جميعا)وفی الآخر (اللهم هذا عن محمد وآل محمد) رواه احمد ، والقربة فی الاضحية اراقة الدم وقد جعلها لغيره (شرح ملا علی القاری على الفقه الاكبر ص ۱۳۱)

اور امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وهذا يصح على مذهب من لم يوجب الاضحية وهم اكثر العلماء ويدخل حينئذ من لم يضح ذالک العام من امته فی ثواب تلک الاضحية، وكذالک سائر اهل بيت الرجل يشركهم فی ثوابها وان لم يكونوا يملكون شيئا منها (الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس قسم کی احادیث سے یہ یقین حاصل ہوجانا ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی جانب سے قربانی فرمائی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الامصار ج۵ص ۲۴۲ ،باب الشركة فى الضحايا وعن كم تذبح البقرة والبدنة)

اورعلامہ احمد بن قاسم عبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وفي رواية عمن لم يضح من أمتي محمول لنص البويطي على أن من نواها عنه وعن أهل بيته أجزأه على الشركة في الثواب لا الأضحية لاستحالة وقوعها عن كلهم عن كل جزء من شاة ولا أحسب فيه خلافا اهـ .وبما قدمته علم أن معنى نفي الإجزاء عدم حصول ذلك الثواب المخصوص (حاشية ابن قاسم العبادى على تحفة المحتاج فى شرح المنهاج، ج۹ ص ۲۴۵، كتاب الاضحية)

اورصدرالدین محمد بن علاءالدین علی بن محمد بن ابی العز حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وأما تفريق من فرق بين العبادات المالية والبدنية -فقد شرع النبي صلى الله عليه وسلم الصوم عن الميت، كما تقدم، مع أن الصوم لا تجزي فيه النيابة، (وكذلك)حديث جابر رضي الله عنه، قال :صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم عيد الأضحى، فلما انصرف أتي بكبش فذبحه، فقال" :بسم الله والله أكبر، اللهم هذا عني وعمن لم يضح من أمتي، رواه أحمد وأبو داود والترمذي، وحديث الكبشين اللذين قال في أحدهما :اللهم هذا عن أمتي جميعا، وفي الآخر :اللهم هذا عن محمد وآل محمد "، رواه أحمد .والقربة في الأضحية إراقة الدم، وقد جعلها لغيره (شرح الطحاوية،ص ۴۶۲،۴۶۳)

اورامام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وقدحمل جماعة الحديث المذكور على الاشتراك في الثواب وممن ذكر هذا صاحب العدة والشيخ ابراهيم المرروذي (المجموع شرح المهذب، جزء۸ صفحه ۳۸۴،باب الاضحية)

اورعلامہ مبارک پوری صاحب فرماتے ہیں کہ:

قال في غنية الألمعي ما محصله إن قول من رخص في التضحية عن الميت مطابق للأدلة ولا دليل لمن منعها وقد ثبت أنه صلى الله عليه وسلم كان يضحي كبشين أحدهما عن أمته ممن شهد له بالتوحيد وشهد له بالبلاغ والآخر عن نفسه وأهل بيته ومعلوم أن كثيرا منهم قد كانوا ماتوا في عهده صلى الله عليه وسلم فدخل في أضحيته صلى الله عليه وسلم الأحياء والأموات كلهم،والكبش الواحد الذي يضحي به عن أمته كما كان للأحياء من أمته كذلك كان للأموات من أمته بلا تفرقة،ولم يثبت أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يتصدق بذلك الكبش كله ولا يأكل منه شيئا بل قال أبو رافع أن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جس کا مطلب یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قربانی کا ثواب امت کو بخشا ہے۔ [۱]

(۵)......حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

وَالَّذِیْ أَتٰی بِهِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةً، فَنَحَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِیَدِهٖ ثَلَاثَةً وَّسِتِّیْنَ، ثُمَّ أَعْطٰی عَلِیًّا فَنَحَرَ مَا غَبَرَ، وَأَشْرَكَهٗ فِیْ هَدْیِهٖ (مسند احمد) [۱]

ترجمہ: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سو قربانی کے جانور حاصل کئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے تریسٹھ جانوروں کو ذبح فرمایا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باقی جانوروں کو ذبح کرنے کا حکم فرمایا، اوران کو اپنی قربانی میں

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رسول الله صلى الله عليه وسلم يطعمهما جميعا المساكين ويأكل هو وأهله منهما رواه أحمد،وكان دأبه صلى الله عليه وسلم أنه يأكل من الأضحية هو وأهله ويطعم منها المساكين وأمر بذلك أمته ولم يحفظ عنه خلافه،فإذا ضحى الرجل عن نفسه وعن بعض أمواته أو عن نفسه وعن أهله وعن بعض أمواته فيجوز أن يأكل هو وأهله من تلك الأضحية وليس عليه أن يتصدق بها كلها (تحفة الاحوذی، ج۵ص ۶۶، ابواب الاضاحی،باب ماجآء فی الاضحیة عن المیت)

[۱] فقد روى هذا عن عدة من الصحابة وانتشرت مخرجوه فلا يبعد ان يكون القدر المشترك وهو انه ضحى عن امته مشهورا يجوز تقييد الكتاب به بما لم يجعله صاحبه اهـ (فتح الملهم ج۳ص ۳۸،باب وصول ثواب الصدقة عن الميت اليه)

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فقد روى هذا عن عدة من الصحابة وانتشر مخرجوه ، فلايبعد ان يكون مشهورا يجوز تقييد الكتاب به بما لم يجعله صاحبه لغير (ردالمحتار، ج ۲ ص ۵۹۶، کتاب الحج،باب الحج عن الغير)

ان احادیث کے بارے میں ایصالِ ثواب کے بعض منکرین کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔ مگر یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ کسی چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دینے کے لئے مستقل معتبر دلیل کی ضرورت ہے اور یہاں ایسی کوئی معتبر دلیل موجود نہیں ہے۔

[۱] رقم الحديث ۱۴۴۴۰ ، مؤسسة الرسالة، بيروت.

فی حاشية مسند احمد:إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير جعفر - وهو ابن محمد بن علي-، فمن رجال مسلم .يحيى :هو ابن سعيد القطان.

شریک فرمایا (مسند احمد)

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی قربانی کے جانور میں کسی دوسرے کو ذبح کرنے کی نیابت جائز ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک شخص کا ایک سے زیادہ تعداد میں قربانی کے جانور یا حصے کرنا بھی جائز ہے۔

(۶)......حضرت عبداللہ بن ہشام سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے کہ:

وَكَانَ يُضَحِّيْ بِالشَّاةِ الْوَاحِدَةِ عَنْ جَمِيْعِ أَهْلِهٖ (بخاری) [1]

ترجمہ: اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بکری کی اپنے سب گھر والوں کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے (بخاری)

اس کا حنفیہ کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بکری کے ثواب میں اپنے سب گھر والوں کو شریک فرمایا کرتے تھے۔

یہ مطلب نہیں کہ ایک بکری کی ایک سے زیادہ افراد کی طرف سے واجب قربانی کیا کرتے تھے، کیونکہ ایک بکری میں ایک فرد کی طرف سے ہی اصل قربانی کا واقع ہونا مروی ہے۔ [2]

(۷)......حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت میں آتا ہے کہ:

أَنَّهٗ كَانَ يُضَحِّيْ بِكَبْشَيْنِ اَحَدُهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْآخَرُ عَنْ نَفْسِهٖ فَقِيْلَ لَهٗ فَقَالَ أَمَرَنِيْ بِهٖ يَعْنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا أَدَعُهٗ أَبَدًا (ترمذی) [3]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے، ایک کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے، اور دوسرے کی اپنی طرف سے، حضرت علی رضی

---

[1] رقم الحديث ٧٢١٠، كتاب الاحكام، باب بيعة الصغير، دارطوق النجاة، بيروت.

[2] قلت: هـذا لا يـدل على وقوعه من الجماعة، بل معناه أنه كان يضحى ويجعل ثوابه هبة لأهل بيته كما ذكرناه آنفا (البناية شرح الهداية، ج١٢ ص١٦، كتاب الأضحية)

[3] رقم الحديث ١٤٩٥، ابواب الاضاحى، باب ما جاء في الأضحية عن الميت، واللفظ لهٗ، مستدرک حاکم، رقم الحديث ٧٥٥٦.

اللہ عنہ سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم فرمایا تھا، اس لیے میں کبھی اس کو نہیں چھوڑتا (ترمذی)

امام حاکم اور علامہ ذہبی رحمہما اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ۱؎

امام ترمذی رحمہ اللہ نے محمد بن عبید محاربی کی سند سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ ۲؎

۱؎ قال الحاكم: هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه وأبوالحسناء هذا هو: الحسن بن الحكم النخعي.

وقال الذهبي في التلخيص: صحيح.

جناب تمنا عمادی مجیبی پھلواری نے حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ مذاکرہ میں (جس کا ذکر آگے آتا ہے) اور حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی نے اپنی کتاب عقیدہ ایصالِ ثواب میں مختلف قرائن کی بنیاد پر ایڑی چوٹی کا زور لگا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو موضوع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

مگر غور کرنے سے ہمیں ان کی تحقیق سے اتفاق نہیں ہوسکا۔ جیسا کہ آگے آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا۔

کسی راوی پر جرح وتنقید کا پایا جانا اس کو مجروح قرار نہیں دیتا، اور اسی وجہ سے جرح مؤثر ہونے کے لیے کچھ قاعدے وقانون مقرر ہیں، اور اگر کسی راوی پر جرح وتعدیل دونوں موجود ہوں تو عام حالات میں تعدیل کو جرح پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

ورنہ تو بہت بڑے بڑے محدثین پر بھی جرحیں موجود ہیں، بلکہ شاید ہی کوئی راوی ایسا ہو کہ جس پر کسی نہ کسی طرح سے جرح نہ کی گئی ہو۔

ان چیزوں کی تفاصیل قواعد واُصول علومِ حدیث میں موجود ہیں۔

۲؎ چنانچہ سنن ترمذی کی سند یہ ہے:

حدثنا محمد بن عبيد المحاربي الكوفي حدثنا شريك عن ابي الحسناء عن الحكم عن حنش عن علي انه كان الخ(ترمذي)

شریک اور ان کے بعد کے راویوں پر گفتگو اگلی روایت کے ذیل میں آتی ہے، شریک سے پہلے یہاں جو راوی ہیں، وہ محمد بن عبید محاربی ہیں، ان سے ابوداؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ نے روایات لی ہیں، اور ان کو ابنِ حبان نے ''ثقات'' میں شمار کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

محمد بن عبيدبن محمد بن المحاربي من اهل الكوفة كنيته ابوجعفر النحاس ،يروي عن وكيع وعبدالله بن الاجلح حدثنا عنه محمد بن اسحاق الثقفي وغيره من شيوخنا مات سنة خمس واربعين ومائتين(ثقات ابنِ حبان جزء۹ص۱۰۸)

اور علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

محمد بن عبيد بن محمد بن واقد المحاربي الكندي ابوجعفر النحاس الكوفي، روى عن ابيه وابي معاوية الضريروابي بكر بن عياش وابي الاحوص وعبدالسلام ابن حرب وحفص بن غياث وشريك وسعيد بن خثيم الهلالي وعلي بن مسهر واسماعيل بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام حاکم نے محمد بن سعید بن اصبہانی کی سند سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

عياش وحاتم بن اسماعيل وعمرو بن عبيد الطناطسي وعلى بن هاشم بن البريد ويحيىٰ ابن زكريا بن ابى زائدة ووكيع وابن المبارك وعبدالرحمن بن زيد بن اسلم وعبدالعزيز بن ابى حازم ومحمد بن فضيل بن غزوان وغيرهم .

روى عنه ابوداوٗد والترمذى والنسائى ويعقوب بن سفيان وابوحاتم وابوزرعة وعبدالله بن احمد وابن ماجة ومطين والقاسم بن زكريا المطرز وابن زيدان وعبيد ابن غنام ومحمد بن عثمان بن ابى شيبة والهيثم بن خلف وابولبيد محمد بن ادريس السامى ومحمد بن جرير الطبرى ومحمد بن اسحاق السراج وآخرون.

قال النسائى لابأس به وذكره ابن حبان فى الثقات وقال مات سنة خمس واربعين ومائتين وقال ابن ابى عاصم مات سنة احدى وخمسين ومائتين .

قلت: كناه السراج وابن حبان اباجعفر ،ووقع فى الترمذى فى ابواب التطوع حدثنا محمد بن عبيد المحاربى ابويعلىٰ الكوفى فلعل له كنيتين وقال مسلمة كوفى لابأس به روى عنه بقى بن مخلد (تهذيب التهذيب ج۹ص ۳۳۲)

۱؎ چنانچہ مستدرک حاکم کی سند یہ ہے:

حدثنا الشيخ ابوبكر بن اسحاق أبأ بشر بن موسى الاسدى، وعلى بن عبدالعزيز البغوى، قالا: ثنا محمد بن سعيد بن الاصبهانى، ثنا شريك عن ابى الحسناء عن الحكم عن حنش (مستدرك حاكم)

حاکم کی روایت میں شریک سے محمد بن سعید بن الاصبہانی روایت کرتے ہیں، ان سے امام بخاری، ترمذی اور نسائی وغیرہ روایت کرتے ہیں، اوران کو محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے:

محمد بن سعيد الاصبهانى ابوجعفر الكوفى الذى يقال له حمدان يروى عن ابن المبارك وشريك روى عنه ابن ابى شيبة واهل العراق مات سنة عشرين ومائتين او قبلها اوبعدها بقليل (ثقات ابنِ حبان جزء ۹ص۶۳)

اور علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

محمد بن سعيد بن سليمان الكوفى ،ابوجعفر بن الاصبهانى، يلقب حمدان،ثقة ثبت، من العاشرة، مات سنة عشرين (تقريب التهذيب ج ا ص ۴۸۰)

اور تہذیب التہذیب میں فرماتے ہیں کہ:

محمد بن سعيد بن سليمان بن عبدالله الكوفى ،ابوجعفر بن الاصبهانى، ولقبه حمدان...... روى عنه البخارى وروى الترمذى عن البخارى عنه والنسائى فى اليوم والليلة عن محمد بن يحيىٰ بن كثير الحرانى عنه وابوزرعة الرازى ومحمد بن يحيىٰ الذهلى ويعقوب ابن سفيان والفضل بن سهل الاعرج وابوالاحوص قاضى عكبرا وعلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اورابوداؤ د میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ان الفاظ میں ہے کہ:

عَنْ حَنَشٍ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ مَاهٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِيْ اَنْ اُضَحِّيَ عَنْهُ فَاَنَا اُضَحِّيْ عَنْهُ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: حضرت حنش فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے، میں نے ان سے عرض کیا کہ یہ (دو قربانی) کس لئے کرتے ہیں؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی وصیت فرمائی تھی کہ میں ان کی طرف سے قربانی کیا کروں، اس لئے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرتا ہوں (ابوداؤد)

ترمذی وغیرہ کی روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے اور اس روایت میں وصیت کرنے کا ذکر ہے، اور ایسا حکم جو وفات کے بعد کی طرف منسوب ہو وصیت ہی کہلاتا ہے، لہٰذا دونوں قسم کی روایتوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حضرت عثمان بن ابی شیبہ کے واسطے سے روایت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بن عبدالعزیز البغوی ومحمد بن صالح کبلجة وابراهیم بن هانئ واحمد بن ملاعب واسماعیل سمویه وبشرابن موسیٰ وآخرون.

قال یعقوب بن شیبة متقن وقال النسائی ثقة وذکره ابن حبان فی الثقات ، قال البخاری وابوداؤد مات سنة عشرین ومائتین ، قلت وقال ابن عدی کوفی ثقة وقال ابوحاتم کان حافظا یحدث من حفظه ولایقبل التلقین ولا یقرأ من کتاب الناس ولم ار بالکوفة اتقن حفظا منه وقال فی موضع آخر هو ثبت وفی الزهرة روی عنه ثلاثة احادیث (تهذیب التهذیب ج۹ص۱۸۸،۱۸۹)

[1] رقم الحدیث ۲۷۹۰، کتاب الضحایا، باب الاضحیة ، عن المیت،واللفظ لهٗ، مسند احمد، رقم الحدیث ۱۲۸۶، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل رقم الحدیث ۱۱۶۱؛ مسند أبی یعلی الموصلی، رقم الحدیث ۴۵۹ ،الکامل لابنِ عدی ج۳ص ۳۶۹،۳۷۰،بلفظ ”فأنا أحب أن أفعله“

کیا ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ ابوداؤد کی سند یہ ہے:

حدثنا عثمان بن ابی شیبة حدثنا شریک عن ابی الحسناء عن الحکم عن حنش قال الخ (ابوداؤد)

ابوداؤد کی سند میں شریک سے روایت کرنے والے عثمان بن ابی شیبۃ ہیں، ان سے امام بخاری، امام مسلم، نسائی اور ابنِ ماجہ وغیرہ روایت کرتے ہیں، اور ان کو محدثین نے ثقہ وصادق قرار دیا ہے۔

عثمان بن ابی شیبة محمد بن ابرهیم العبسی ابوالحسن الکوفی، احد الحفاظ الاعلام اخو ابی بکر بن ابی شیبة، روی عن شریک وهشیم وابن المبارک وخلق، وعنه عبدالله بن احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی وابنِ ماجة وخلق ،وصنف المسند والتفسیر (طبقات الحفاظ للسیوطی ج ۱ ص ۱۹۶، الطبقة الثامنة)

عثمان بن محمد بن ابی شیبة واسمه ابراهیم بن عثمان ابوالحسن العبسی الکوفی اخو ابی بکر والقاسم اخرج البخاری فی العلم وغیر موضع عنه وعن جریر وعبدة وهشیم والقاسم بن مالک وطلحة بن یحییٰ قال البخاری مات یوم الاحد لسبع بقین من المحرم سنة تسع وثلاثین ومائتین، قال ابوحاتم الرازی عثمان اکبر من ابی بکر الا ان ابا بکر صنف وعثمان لم یصنف وهو صدوق (التعدیل والتجریح لسلیمان بن خلف الباجی جزء۳ص۱۰۶۷ ،رقم الترجمة ۱۰۴۴)

عثمان بن ابی شیبة هو الامام الحافظ الکبیر المفسر، أبوالحسن، عثمان بن محمد بن القاضی أبی شیبة إبراهیم بن عثمان بن خواستی العبسی مولاهم الکوفی، صاحب التصانیف، وأخو الحافظ أبی بکر. ولد بعد الستین ومئة. وحدث عن: شریک، وأبی الاحوص، وجریر بن عبدالحمید، وهشیم بن بشیر، وسفیان بن عیینة، وحمید بن عبدالرحمن، وطلحة بن یحیی الزرقی، وعبدالله بن المبارک، وعلی بن مسهر، وعبدة بن سلیمان، وإسماعیل ابن علیة، وأبی معاویة، ووکیع، وابن فضیل، ویحیی بن آدم، وعفان، وأبی نعیم، ویزید بن هارون، وخلق کثیر. حدث عنه: البخاری، ومسلم، واحتجابه فی کتابیهما، وأبوداود، وابن ماجة فی "سننهما"، وأبو حاتم، والفسوی، وإبراهیم الحربی، وإبراهیم بن أبی طالب، وبقی بن مخلد، وعبدالله بن أحمد، وأبو بکر أحمد بن علی المروزی، وزکریا خیاط السنة، وأبویعلی، والفریابی، والبغوی، وأحمد بن الحسن الصوفی، وولده الحافظ محمد بن عثمان، ومطین، وعدد کثیر. سئل عنه أحمد بن حنبل، فأثنی علیه، وقال: ماعلمت إلا خیرا. وقال یحیی بن معین: ثقة مأمون.

قلت: لاریب أنه کان حافظا متقنا (سیر أعلام النبلاء، ج ۱۱ ص ۱۵۱، ۱۵۲، باب عثمان بن أبی شیبة)

مذکورہ عبارات سے جناب تمنا عمادی صاحب کے اُن کئی شبہات بلکہ الزامات کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے جو انہوں نے حضرت عثمان بن ابی شیبہ پر نعوذ باللہ تعالیٰ قرآن مجید میں تصحیف وغیرہ کے لگائے ہیں۔

(ملاحظہ ہو؛ مذاکرہ: صفحہ ۱۶۴؛ شائع کردہ: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی؛ اشاعتِ دوم، ماہِ شوال ۱۴۱۷ھ، فروری ۱۹۹۷ء)

اور مسند احمد میں امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حضرت اسود بن عامر کے واسطے سے روایت کیا ہے۔ [1]

اور ابویعلیٰ موصلی اور ابنِ عدی نے اس حدیث کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ کے واسطے سے روایت کیا ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ نے ایک مقام پر مسند احمد میں محمد بن عبید محاربی اور ابوبکر بن ابی شیبہ دونوں سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ [2]

---

[1] چنانچہ مسند احمد کی سند یہ ہے:

حدثنا أسود بن عامر أنبأنا شریک عن ابی الحسناء عن الحکم عن حنش (مسند احمد، رقم الحدیث ۸۰۲)

اس سند میں شریک سے اسود بن عامر روایت کرتے ہیں، یہ بھی ثقہ ہیں، چنانچہ طبقات الحنابلہ میں ہے کہ:

وقال حنبل سمعت اباعبداللہ یقول اسود بن عامر ثقة (طبقات الحنابلة ج ۱ ص ۱۱۸)

اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

شاذان، الامام الحافظ الصدوق، ابوعبدالرحمن اسود بن عامر، شاذان، الشامی ثم البغدادی، ولد سنة بضع وعشرین ومئة ......وثقه ابن المدینی وغیره وحدث عنه من القدماء بقیة بن الولید، توفی فی اول سنة ثمان ومئتین ببغداد (سیراعلام النبلاء ج۱۰ ص ۱۱۲ وص ۱۱۳ ملخصاً)

[2] چنانچہ ابویعلیٰ موصلی کی سند اس طرح ہے:

حدثنا ابوبکر بن ابی شیبة، حدثنا شریک الخ (مسند ابویعلیٰ الموصلی رقم الحدیث ۴۵۹)

اور ابنِ عدی (المتوفی ۳۶۵ھ) نے بھی الکامل میں ابوبکر بن ابی شیبۃ کے واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے (ملاحظہ ہو: الکامل لابنِ عدی ج۴ص ۴۳۸)

اس سند میں شریک سے روایت کرنے والے امام ابوبکر بن ابی شیبہ ہیں۔

اور مسند احمد کی ایک سند اس طرح ہے:

حدثنا عبداللہ حدثنا أبوبکر بن ابی شیبة ومحمد بن عبید المحاربی قالا حدثنا شریک عن ابی الحسناء عن الحکم عن حنش (مسنداحمد، رقم الحدیث ۱۲۸۶)

اس میں شریک سے محمد بن عبید محاربی اور ابوبکر بن ابی شیبہ دونوں روایت کر رہے ہیں۔

ابوبکر بن ابی شیبہ مشہور امام ہیں، اور ان سے امام بخاری، امام مسلم، ابوداؤد، ابنِ ماجہ وغیرہ روایت کرتے ہیں:

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وهو الامام احدالاعلام عبداللہ بن محمد بن ابی شیبة ابراهیم بن عثمان العبسی الکوفی،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اتنے واسطوں سے اس حدیث کے روایت ہونے کی وجہ سے اس حدیث کے اصل ہونے میں قوت آ جاتی ہے، اور اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ تک اس کو روایت کرنے والے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صاحب التصانيف الكبار، توفي في المحرم وله بضع وسبعون سنة، سمع من شريك فمن بعده، قال ابوزرعة: مارأيت احفظ منه الخ (العبر في خبر من غبر ج ا ص ۱ ۳۳)

اور علامہ صفدی لکھتے ہیں کہ:

روى عنه البخاري ومسلم وابوداؤد وابن ماجة ......قال ابن حنبل :صدوق احب الى من اخيه، وقال العجلي ثقة، وعن ابى عبيد قال :احسنهم وضعا لكتاب ابوبكر، وقال الخطيب :كان متقنا حافظا صنف المسند والاحكام والتفسير وتوفي سنة خمس وثلاثين ومائتين (الوافي بالوفيات ج۵ص ۴۶۲)

اور امام حاکم معرفۃ علوم الحدیث میں اس طرح روایت کرتے ہیں کہ:

حدثناه أبو نصر أحمد بن سهل الفقيه ببخارى، قال: ثنا صالح بن محمد بن حبيب الحافظ قال: ثنا على بن حكيم قال: ثنا شريك، عن أبي الحسناء، عن الحكم بن عتيبة، عن حنش الخ (معرفة علوم الحديث، ص ۹۶ ،ذكر النوع الخامس والعشرين من علم الحديث)

اس سند میں شریک سے روایت کرنے والے علی بن حکیم ہیں، ان سے امام بخاری نے ادب المفرد میں اور امام مسلم وغیرہ نے احادیث روایت کی ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

على بن حكيم أبوالحسن الكوفي الاودي سمع شريكا، مات سنة احدى وثلاثين ومائتين (التاريخ الكبير، جزء ۶ صفحه ۲۷۱ ،رقم الترجمة ۲۳۷۶)

اور علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

على بن حكيم بن ذبيان الاودي أبوالحسن الكوفي روى عن ابن ادريس وابن المبارك وحميد بن عبدالرحمن الرواسي وشريك بن عبدالله النخعي وابن زبيد بن عبثر بن القاسم وشهاب بن عباد وابن عيينة وعلى بن مسهر ومصعب بن المقدام وجماعة. روى عنه البخاري في الادب ومسلم (تهذيب التهذيب، جزء۷ صفحه ۳۱۱)

اور حافظ ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی المتوفیٰ ۳۲۷ھ فرماتے ہیں کہ:

على بن حكيم الاودي أبوالحسن روى عن شريك وابن المبارك سمعت ابي يقول ذالك قال أبومحمد روى عنه ابن احمد بن عثمان بن حكيم وابي وابوزرعة، ناعبدالرحمن قال سئل ابي عن على بن حكيم الاودي فقال كوفي صدوق (الجرح والتعديل، جزء۶ صفحه ۱۸۳ ،رقم الترجمة ۱۰۰۲)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

راوی بھی اس درجہ کے نہیں ہیں کہ ان کی وجہ سے اس حدیث کو موضوع قرار دیا جاسکے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ شریک سے روایت کرنے والے چھ حضرات درجِ ذیل ہیں:

(۱) محمد بن عبید المحاربی الکوفی (۲) عثمان بن ابی شیبۃ (۳) محمد بن سعید بن الاصبہانی (۴) اسود بن عامر (۵) ابوبکر بن ابی شیبۃ (۶) علی بن حکیم۔

اوران چھ حضرات کے بارے میں محدثین کی آراء نقل کی جاچکی ہیں، اس کے علاوہ شریک سے مالک بن اسماعیل النہدی اورابواحمد الزبیری اور اسماعیل بن ابان بھی روایت کرتے ہیں، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

طوالت کے خوف اور عدمِ ضرورت کی وجہ سے ان باقی حضرات پر محدثین کی آراء سے اجتناب کیا جاتا ہے۔

لہٰذا اتنے متابعات کے ہوتے ہوئے یہاں تک اس حدیث کی سند کے معتبر ہونے میں شبہ نہیں ہونا چاہئے۔

۱؎ پیچھے جو راویوں سے متعلق تفصیل ذکر کی گئی، اس کے بعد چار راویوں کا معاملہ رہ جاتا ہے، یعنی (۱) شریک (۲) ابی الحسناء (۳) حکم (۴) حنش۔

آگے ان چار حضرات پر کلام کیا جاتا ہے۔

جہاں تک ان میں سے پہلے راوی شریک کا معاملہ ہے، تو ان کو محدثین نے ثقہ، عادل، صدوق، محدث وغیرہ قرار دیا ہے، لیکن ان کی طرف بعض نے تخلیط وخطا کی نسبت بھی کی ہے، ان سے امام بخاری نے استشہاد کیا ہے، اور امام مسلم نے متابعۃً حدیث نقل کی ہے، اور نسائی، ترمذی، ابوداؤد، ابنِ ماجہ نے روایات لی ہیں، نیز اس روایت کے مقابلے میں کوئی اس سے قوی مخالف حدیث بھی موجود نہیں، اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان سے بڑے بڑے ثقہ ائمہ ومحدثین اس روایت کو نقل کررہے ہیں، کما مر۔

ہم تفصیل سے گریز کرتے ہوئے چند حوالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔

علامہ صفدی فرماتے ہیں کہ:

شريک بن عبدالله بن ابى شريک الحارث بن اوس، القاضى ابوعبدالله النخعى الكوفى الفقيه، احد الاعلام، مولده سنة خمس وتسعين، وتوفى فيما قيل سنة سبع وسبعين ومائة، قال ابو داؤد: شريک ثقة يخطى على الاعمش، وقال معاوية بن صالح: سألت ابن حنبل عنه فقال: كان عاقلا صدوقا محدثا عندى وكان شديدا على اهل الريب والبدع، وقال النسائى: ليس به بأس، قال لشيخ شمس الدين: استشهد به البخارى، وخرج له مسلم متابعة، واحتج به النسائى وغيره، وروى له الاربعة (الوافى بالوفيات للصفدى، ج۵ ص ۲۰۴)

اور امام مزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وقال أحمد بن عبدالله العجلى: كوفى ثقة وكان حسن الحديث...... وقال على بن حكيم الاودى: سمعت وكيعا يقول: لم يكن أحد أروى عن الكوفيين من شريک وقال ابوتوبة الربيع بن نافع: سمعت عيسى بن يونس يقول: مارأيت أحدا قط أورع فى علمه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض ایصالِ ثواب کے منکرین نے اس حدیث کی سند میں جو ایک مجہول راوی ہونے کا الزام عائد کیا ہے، وہ درست معلوم نہیں ہوسکا۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

من شریک ...... وقال سعید بن سلیمان: سمعت ابن المبارک عند خدیج بن معاویة یقول: شریک أعلم بحدیث الکوفیین من سفیان الثوری (تهذیب الکمال، جزء ۱۲ صفحه ۴۷۰، ۴۷۱، ملخصاً)

اور علامہ سیوطی ان کے بارے میں ابنِ معین سے نقل کرتے ہیں کہ:

قال ابن معین: صدوق ثقة الا انه اذا خالف فغیره احب الینا منه (طبقات الحفاظ للسیوطی ج ۱ ص ۱۰۵، الطبقة الخامسة)

امام عجلی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۶۱ھ) جو کہ کوفے ہی کے باشندے ہیں، اور متقدمین میں سے ہیں، شریک کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

کوفی ثقة ثبت فی الحدیث وکان حسن الحدیث، وکان یعد من حکماء اصحاب الحدیث بصری ثقة حسن الحدیث، وحسن العقل یشابه علی ابن المدینی کوفی ثقة، کان حسن الحدیث الخ (معرفة الثقات ج ۱ ص ۱۱۹)

اذا قالوا فی رجل له اوهام او یهم فی حدیثه او یخطیء فیه فهذا لاینزله عن درجة الثقة، فان الوهم الیسیر لایخلو عنه احد (قواعد فی علوم الحدیث صفحه ۲۷۵)

ملحوظ رہے کہ شریک کوفے کے رہنے والے ہیں، لہٰذا ان کے بارے میں امام عجلی اور دوسرے کوفے کے ناقدین کی رائے بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔

۱؎ اس روایت کے دوسرے راوی ابوالحسناء ہیں، تو اگرچہ کئی محدثین نے ان کو مجہول قرار دیا ہے، اور بعض نے ان کا نام حسن اور بعض نے حسین کہا ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ابوالحسناء الکوفی، اسمه الحسن، ویقال: الحسین، روی عن الحکم بن عتیبة عن حنش عن علی فی الاضحیة، وعنه شریک النخعی (تهذیب التهذیب ج ۱۲ ص ۷۴، ۷۵)

لیکن ہمارے خیال میں ان کو مجہول قرار دینا صحیح نہیں، کیونکہ اولاً تو امام ترمذی نے مسلم کے حوالے سے ان کا نام حسن نقل کیا ہے:

قال مسلم اسمه الحسن (ترمذی، تحت رقم الحدیث ۱۴۹۵، باب ماجاء فی الاضحیة عن المیت)

دوسرے امام حاکم رحمہ اللہ کی یہ تصریح پچھلی روایت کے ذیل میں گزر چکی ہے کہ:

هذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه وأبوالحسناء هذا هو: الحسن بن الحکم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسی طرح ایصالِ ثواب کے بعض منکرین نے اس روایت کے بعض راویوں پر جو شیعت کا الزام عائد کیا ہے، وہ بھی درست معلوم نہیں ہوسکا۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

النخعی(مستدرک حاکم، تحت رقم الحدیث ۷۵۵۶)

امام حاکم کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ ابوالحسناء سے مراد ''حسن بن حکم النخعی'' ہیں، اوران کے بارے میں امام ذہبی لکھتے ہیں کہ:

قال ابوحاتم صالح الحدیث (الکاشف فی معرفۃ من له روایۃ فی الکتب الستۃ، جزء ۱ ص ۳۲۴، تحت رقم الترجمۃ ۱۰۲۳)

اور حافظ ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم (المتوفّٰی ۳۲۷ھ) فرماتے ہیں کہ:

قال ابومحمد روی عنه حنش بن الحارث النخعی ومروان الفزاری.

حدثنا عبدالرحمن انا عبدالله بن احمد بن حنبل فیما کتب الی قال سئل ابی عن الحسن بن الحکم النخعی فقال: ثقة.

حدثنا عبدالرحمن انا ابن ابی خیثمة فیما کتب الی قال سمعت یحییٰ بن معین یقول: الحسن بن الحکم النخعی ثقة.

سألت ابی عنه فقال: هو صالح الحدیث (الجرح والتعدیل جزء ۳ص۷)

۱؎ اور جہاں تک تیسرے راوی حکم کا معاملہ ہے تو دراصل یہ حکم ابنِ عتیبۃ ہیں، چنانچہ علامہ مبارک پوری فرماتے ہیں کہ:

(عن الحکم)هو ابن عتیبة ثقة ثبت(تحفة الاحوذی، ج۵ص۶۵، ابواب الاضاحی، باب فی الاضحیة بکبشین)

اور علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

الحکم بن عتیبة الکندی مولاهم ابومحمد، ویقال ابوعبدالله ویقال ابوعمر الکوفی ولیس هو الحکم بن عتیبة بن النهاس(تهذیب التهذیب ج۲ص۴۳۲، ۴۳۳)

اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

الحکم بن عتیبة: الامام الکبیر عالم اهل الکوفة ،ابومحمد الکندی، مولاهم الکوفی، ویقال: ابوعمرو، ویقال ابوعبدالله ......قال احمدبن حنبل: هو اثبت الناس فی ابراهیم، قال سفیان بن عیینة: ماکان بالکوفة مثل الحکم، وحماد بن ابی سلیمان، قال عباس الدوری: کان الحکم صاحب عبادة وفضل، وقال احمد بن عبدالله العجلی: کان الحکم ثقة ثبتا فقیها من کبار اصحاب ابراهیم ،وکان صاحب سنة واتباع.

قال سلیمان الشاذکونی: حدثنا یحییٰ بن سعید سمعت شعبة یقول: کان الحکم یفضل علیا علی ابی بکر وعمر.

قلت: الشاذکونی لیس بمعتمد وما اظن ان الحکم یقع منه هذا (سیر اعلام النبلاء ج۵ص۲۰۸، ۲۰۹ ملخصاً)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہرحال یہ حدیث سند کے لحاظ سے درست ہے، اوراس پر ایصالِ ثواب کے منکرین کا بحث کرنا درست نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان پر تفضیلی شیعیت کا الزام معتبر نہیں، جیسا کہ تمنا عمادی صاحب نے ''مذاکرہ'' صفحہ ۶۸ پر اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اب چوتھے اور آخری راوی حنش رہ جاتے ہیں، حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ان کا پورا نام حنش بن عبداللہ السبائی قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

وعن حنش بفتح الحاء المهملة وبالنون المفتوحة والشين المعجمة: ذكره السيد وقال المؤلف هو ابن عبدالله السبائی، قيل انه كان مع علی بالكوفة وقدم مصر بعدقتل علی (مرقاة المفاتيح، ج۳ص ۱۰۸۴، كتاب الصلاة، باب فی الاضحية)

اگر حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ کے بقول اس روایت میں حنش سے ابنِ عبداللہ سبائی مراد ہوں، تو یہ بھی ثقہ ہیں۔

اور علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

حنش بن عبدالله ويقال ابن علی بن عمرو بن حنظلة السبائی أبورشدين الصنعانی من صنعاء دمشق سكن إفريقية. وروى عن علی وابن مسعود ورويفع بن ثابت وفضالة بن عبيد وأبی سعيد وابن عباس وكعب الاحبار وغيرهم ....قال العجلی وابوزرعة ثقة وقال أبوحاتم صالح وقال ابن المدينی حنش الذی روى عن فضالة هو حنش بن علی الصنعانی وليس هو حنش بن المعتمر الكنانی صاحب علی (تهذيب التهذيب، جزء۳ صفحه ۵۷، ۵۸ ملخصاً)

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ کی تصریح اور امام حاکم اور علامہ ذہبی کے اس حدیث کو صحیح قرار دینے کے پیشِ نظر راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں حنش ابنِ عبداللہ سبائی مراد ہیں، اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے درست ہے۔

لیکن علامہ مبارک پوری صاحب نے تحفۃ الاحوذی میں حنش سے مراد بن المعتمر الکنانی کو لیا ہے۔

قلت: حنش هذا ليس ابن عبدالله السبئی بل هو حنش بن المعتمر الكنانی ابوالمعتمر الكوفی كما صرح به المنذری (تحفة الاحوذی، ج۵ص ۶۵، ابواب الاضاحی، باب فی الاضحية بكبشين)

امام منذری کی تصریح تو ہمیں نہیں مل سکی، کہ انہوں نے یہ تصریح کہاں فرمائی ہے، لیکن اگر بالفرض حنش بن المعتمر ہی مراد ہوں، تو اگرچہ محدثین ان کی حدیث پر کلام کرتے ہیں، لیکن امام عجلی اور امام ابوداؤد وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حنش بن المعتمر وقيل ابن ربيعة ابوالمعتمر الكنانی تابعی من اهل الكوفة جاء ت عنه رواية مرسلة فذكره بسببها ابن مندى فی الصحابة ثم قال: لاتصح له صحبة، وذكره العجلی وغيره فی التابعين وقد ضعفه النسائی وطائفةوقواه بعضهم (الاصابة فی معرفة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اوراس حدیث کو دوسری سندوں کے ساتھ کئی اور محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الصحابة ،باب الحاء بعدها النون ج ا ص ۲۷۱)

اورامام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حنش بن المعتمر الصنعانی ابوالمعتمر الکنانی، وقال بعضهم:حنش بن ربیعة ، سمع علیا، روی عنه سماک والحکم بن عتیبة ،الکوفیون یتکلمون فی حدیثه (التاریخ الکبیر جزء ۳ص ۹۹،رقم الترجمة ۳۴۲)

اورامام عجلی کوفی متوفی ۲۶۱ھ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حنش بن الحارث کوفی ثقة،حنش بن عبداللہ الصنعانی ثقة ،حنش بن المعتمر ابوالمعتمر کوفی ثقة تابعی (معرفة الثقات جزء ا ص ۳۲۶)

امام عجلی کوفے کے باشندے ہیں، اور متقدمین میں سے ہیں، حنش بن حارث جو کہ کوفہ کے رہنے والے ہیں، اس حیثیت سے بھی اُن کے بارے میں امام عجلی کی رائے اہمیت کی حامل ہے؛ **لان صاحب البیت ادری بمافیه ۔ فکل رجل أعرف باھل بلده وماقربه (قواعد فی علوم الحدیث صفحه ۳۵۳)**

اورامام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حنش بن المعتمر ویقال ابن ربیعة الکنانی الکوفی عن علی وابی ذر وعنه اسحاق وابن ابی خالد وثقه ابوداؤد وقال البخاری یتکلمون فی حدیثه(من له روایة فی الکتب الستة (جزء ا ص ۳۵۸)

اور علامہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حنش بن ربیعة تلمیذ علی وھو ثقة (العرف الشذی للکشمیری، جزء ا صفحه ۲۰۶)

غرضیکہ امام حاکم وذہبی کی تصحیح کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس صورت میں بھی اس حدیث کے قابلِ قبول ہونے میں شبہ نہیں۔

[۱] چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ اپنی سند سے حنش کی روایت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، ثنا أبو العباس محمد بن یعقوب ,ثنا العباس بن محمد الدوری، ثنا مالک بن إسماعیل النهدی، ثنا شریک، عن أبی الحسناء ، عن الحکم بن عتیبة، عن حنش بن الحارث، قال :کان علی بن أبی طالب رضی الله عنه یضحی بکبش عن رسول الله صلی الله علیه وسلم وبکبش عن نفسه ,قلنا :یا أمیر المؤمنین تضحی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم؟ قال :إن رسول الله صلی الله علیه وسلم أمرنی أن أضحی عنه أبدا؛ فأنا أضحی عنه أبدا .رواه أبو داود عن عثمان بن أبی شیبة ,عن شریک ,تفرد به شریک بن عبد الله بإسناده وهو إن ثبت یدل علی جواز التضحیة عمن خرج من دار الدنیا من المسلمین (السنن الکبریٰ للبیهقی، جزء ۹ صفحه۲۸۴،رقم الحدیث ۱۹۱۸۸)

اس سند میں شریک سے روایت کرنے والے مالک بن اسماعیل النہدی ہیں، اور آخر میں حنش بن حارث بن لقیط نخعی کوفی ہیں۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ایصالِ ثواب کے بعض منکرین اس روایت کے بارے میں کہا کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حافظ ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم (المتوفیٰ ۳۲۷ھ) فرماتے ہیں کہ:

حنش بن الحارث بن لقيط النخعي كوفي روى عن سويد بن غفلة وابيه وعبدالرحمن بن الاسود ورياح بن الحارث روى عنه شريك وابونعيم وخلاد بن يحيىٰ سمعت ابى يقول ذالک، قال ابومحمد وروى عن الاسود بن يزيد وعلى بن مدرک وسلمة بن كهيل وابوهبيرة الانصارى روى عنه اشعث بن شعبة ومحمد بن سعيد بن زائدة، سمعت ابى يقول :حنش بن الحارث صالح الحديث مابه بأس (الجرح والتعديل جزء ۳ص ۲۹۱)

اور امام ابنِ حبان فرماتے ہیں کہ:

حنش بن الحارث بن لقيط النخعي من أهل الكوفة يروى عن سويد بن غفلة وأبيه روى عنه شريک (ثقات ابن حبان، جزء۶ صفحه ۲۴۲)

اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

حنش بن الحارث بن لقيط النخعي الكوفي، سمع سويد بن غفلة وأباه، روى عنه شريک وأبونعيم (التاريخ الكبير، جزء۳صفحه۹۹)

لہٰذا امام بیہقی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی "**إن ثبت يدل على جواز التضحية عمن خرج من دار الدنيا من المسلمين**" کی شرط پائے جانے پر مُردوں کی طرف سے قربانی کا جواز ہونا چاہیے۔

اور محاملی اس طرح روایت کرتے ہیں کہ:

حدثنا الحسين قال حدثنا أحمد بن محمد بن سوادة قال :حدثني أبو أحمد الزبيرى، عن شريک، عن حسن بن أبي الحسناء ، عن الحكم بن عتيبة، عن حنش، عن على قال: "أوصانى رسول الله صلى الله عليه وسلم :أن أضحى عنه بعد موته ,فلا أدعه أبدا " (امالي المحاملي رواية ابن يحيىٰ البيع ،رقم الحديث ۱۲۱)

اس روایت میں شریک سے روایت کرنے والے ابواحمد الزبیری ہیں، اوراس کے بعد حسن بن ابی الحسناء ہیں، جن کو ابنِ حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے، اوران کے بارے میں علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

الحسن بن أبي الحسناء أبوسهل البصرى القواس صدوق لم يصب الأزدى فى تضعيفه من السابعة (تقريب التهذيب، جزء ۱ صفحه۱۶۰)

اور امام مزی فرماتے ہیں کہ:

فهذا شيخ قديم، وثقه ابن معين، وهو بصرى (تهذيب الكمال، جزء۶ صفحه۱۲۷)

اور شیخ الاسلام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی متوفیٰ ۳۲۷ھ فرماتے ہیں کہ:

حدثنا عبدالرحمن قال ذكره ابى عن اسحاق بن منصور عن يحيى بن معين قال: الحسن بن ابى الحسناء ثقة. سألت ابى عن الحسن بن ابى الحسناء فقال: شيخ محله الصدق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اللہ عنہ کی یہ قربانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس لئے صحیح تھی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت سے تھی، تو وہ گویا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا عمل ہوا، اور اس لئے اس کا ثواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنا صحیح ہوا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(الجرح و التعديل، جزء۳ صفحه ۹)

اور حافظ عجلی کوفی متوفی ۲۶۱ھ فرماتے ہیں کہ:

الحسن بن أبي الحسناء بصری ثقة (معرفة الثقات، جزء ۱ صفحه ۲۹۳)

اور امام دولابی حنش کی اس روایت کو اس سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ:

حدثنا يحيى بن عبادة الواسطى أبو القاسم، قال :حدثنا إسماعيل بن أبان، قال :حدثنا شريک بن عبد الله عن أبي الحسناء ، عن الحكم بن عيينة، عن حنش بن ربيعة أبي المعتمر الكناني، عن علي بن أبي طالب، رضي الله عنه أنه دعا بكبشين يوم أضحى فذبح أحدهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم والآخر عن نفسه وقال :أمرني أن أضحي عنه -يعني النبي صلى الله عليه وسلم -فلا أزال أفعل ما بقيت (الكنىٰ و الاسماء للدولابي، رقم الحديث ۱۸۰۷)

اس روایت میں شریک سے روایت کرنے والے اِسماعیل بن ابان ہیں، اور حنش بن ربیعہ سے روایت کرنے والے حکم بن عیینہ ہیں، ان کو ابنِ حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

الحكم بن عيينة التابعي الجليل (التبيان، جزء ۱ صفحه ۱۵۹)

اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قال أبو حاتم: كان أعلم أهل زمانه بحديث ابن مسعود. وتغير قبل موته بسنة أو سنتين. سنة إحدى وستين ومئة(العبر في خبر من غبر جزء ۱ صفحه ۱۸۰)

شریک کے بعد مزید ان راویوں کی متابعت سے اس روایت کو اور زیادہ تقویت حاصل ہو جاتی ہے، اور اگر کوئی راوی درمیان میں حذف بھی ہو تب بھی مقصود میں مضر نہیں۔

اوّلاً تو ہر صحیح حدیث کی صحت کے لیے متابعت شرط نہیں، اور اتنے متابعات کے ہوتے ہوئے تو اعتراض کی گنجائش ہی نہیں ہونی چاہیے۔

علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ امام مزی سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

قال المزي: هذا لا يقدح في صحة الحديث لان وجود المتابعة ليس شرطاً في صحة كل حديث صحيح على أن له متابعا (تهذيب التهذيب، جزء ۱ صفحه ۲۶۷)

لہٰذا ایصالِ ثواب کے منکرین کا اس روایت کو موضوع قرار دینا درست نہیں، کیونکہ ان میں سے کسی بھی راوی کو معتبر محدثین

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

مگر یہ بات درست نہیں، جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نے کذاب قرار نہیں دیا، پس اس روایت کو مختلف تخمینوں کی بنیاد پر موضوع قرار دینے والے لوگوں پر سوائے افسوس کے اور کچھ نہیں کیا جاسکتا۔

اس روایت پر منکرینِ ایصالِ ثواب نے مزید جو شبہات کئے ہیں، ان کے جوابات محدثین کی مذکورہ عبارات سے سمجھے جاسکتے ہیں، طوالت کے خوف کی وجہ سے ان پر فرداً فرداً تبصرہ سے گریز کیا جاتا ہے۔

ماقبل میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث پر سند کے اعتبار سے بحث کی گئی، اس سے قارئین کو حبیب الرحمٰن صدیقی کے اس الزام کی حقیقت معلوم ہوگئی ہوگی جو انہوں نے اپنی کتاب میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

> اس موقعہ پر قارئین کی معلومات کے لئے یہ عرض کردیں تو مناسب ہوگا کہ ۱۹۵۱ء میں اس موضوع پر علامہ ظفر احمد عثمانی مرحوم اور علامہ تمنا عمادی میں تحریری مباحثہ ہوا تھا جس میں علامہ ظفر احمد عثمانی مرحوم کو لاجواب ہونا پڑا، یہ مباحثہ فل سائز کے اسی ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس کی فوٹو اسٹیٹ ہمارے پاس موجود ہے، جو صاحبِ خیر اسے طبع کرانا چاہیں تو مجھ سے رجوع کریں (عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں صفحہ ۱۹۵، تالیف: حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، اشاعت ہفتم ربیع الاول ۱۴۱۷ھ، ناشر: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی)

یہ مذاکرہ ”حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی صاحب کی خواہش کے مطابق الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی“ ہی کی طرف سے شائع ہوچکا ہے، جس کا ہم نے بغور مطالعہ کیا ہے، اور باوجودیکہ یہ مذاکرہ یکطرفہ طور پر ایک فریق کی جانب سے شائع کیا گیا ہے، جس میں معلوم نہیں کہ کیا کیا کتربیونت کی گئی ہوگی، بہرحال موجودہ شکل میں اشاعتِ دوم ماہِ شوال ۱۴۱۷ھ فروری 1997ء ہمارے سامنے ہے، جس کو ملاحظہ کرنے کے بعد ہمیں دلائل کی رُو سے علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کا موقف ہی وزنی، درست اور شرعی قواعد کے مطابق معلوم ہوا، اور اس کے برعکس جناب تمنا عمادی صاحب کی تحریر میں نقل سے زیادہ عقل اور چرب لسانی وقلم روانی کا عنصر نظر آتا ہے، جس سے اس بات کو تقویت حاصل ہوجاتی ہے کہ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے جو آخر میں یہ تحریر فرمایا تھا کہ:

> جب میرے اور آپ کے درمیان اصول ہی میں اختلاف ہے تو فروع میں گفتگو بے کار ہے (مذاکرہ: صفحہ ۱۳۵؛ شائع کردہ: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی؛ اشاعتِ دوم، ماہِ شوال ۱۴۱۷ھ، فروری ۱۹۹۷ء)

اور بالکل آخر میں تحریر فرمایا تھا کہ:

> گرامی نامہ بصورتِ کتاب موصول ہوا، افسوس ہے کہ آپ میں اور مجھ میں اصولی اختلاف ہے (ایضاً صفحہ ۱۷۶)

وہ درست تھا، کیونکہ تمنا عمادی صاحب کی تحریر سے خارجیت کی بو آتی ہے، کہ وہ اپنے زورِ قلم پر انتہائی بے باکی کے ساتھ جن بڑے بڑے محدثین کو چاہیں، شیعہ اور رافضی اور بدعتی اور نہ جانے کیا کیا قرار دیدیتے ہیں، جس کا ان کی ”امام زہری وامام طبری“ اور ”انتظارِ مہدی ومسیح“ نامی تصانیف واضح ثبوت ہیں۔

إِنْ ثَبَتَ يَدُلُّ عَلٰى جَوَازِ التَّضْحِيَةِ عَمَّنْ خَرَجَ مِنْ دَارِ الدُّنْيَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ(سنن البيهقى) [1]

ترجمہ: اگر یہ روایت ثابت ہوتو یہ دنیا سے رخصت ہونے والے مسلمانوں کی طرف سے قربانی کے جواز کی دلیل ہے(بیہقی)

معلوم ہوا کہ یہ روایت فوت شدہ لوگوں کی طرف سے قربانی کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔ [2]

اس قسم کی احادیث وروایات کے پیشِ نظر اور شرعی قواعد سے استنباط کرتے ہوئے متعدد فقہائے کرام بالخصوص فقہائے احناف نے قربانی کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کے معتبر ہونے کی وضاحت فرمائی ہے،جن کی عبارات میں موجودہ دور کے منکرینِ ایصالِ ثواب کے شبہات کے جوابات بھی موجود ہیں،اہلِ علم حضرات کے لئے چند عبارات نقل کی جاتی ہیں۔

---

[1] تحت رقم الحديث ١٩١٨٨، كتاب الضحايا،باب قول المضحى :اللهم منك وإليك فتقبل منى ,وقول المضحى عن غيره :اللهم تقبل من فلان.

[2] لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ایصالِ ثواب کے منکرین اس قربانی کو وصیت کے ساتھ خاص ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود وہ اس کے قائل نہیں ہوئے کہ اس طرح اگر آج کوئی مرنے والا اپنے کسی عزیز کو صدقہ وغیرہ کی شکل میں ایصال ثواب کی وصیت کرجائے اور وہ صدقہ وغیرہ سے ایصال ثواب کرے تو یہ ثواب اس مردے کو پہنچے گا۔

بہرحال یہ صریح مغالطہ ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اس کام کے لئے کوئی رقم تو جمع کی نہیں تھی۔

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل صرف وصیت ہے اور قربانی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل ہے اور بحث اس قربانی ہی کے اجر وثواب میں ہے۔

پس یہ قربانی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنے مال سے کرتے تھے جب ہی صحیح ہوسکتی ہے جبکہ اصولاً اس کو تسلیم کرلیا جائے کہ ایک کے صدقہ اور ایک کی قربانی کا ثواب اور نفع دوسرے مسلمان کو پہنچ سکتا ہے۔

ورنہ اگر یہ اصول نہ مانا جائے، جیسا کہ ایصالِ ثواب کے منکرین ومخالفین کا خیال ہے، تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قربانی ہی غلط ہوگی، بلکہ معاذ اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت بھی غلط ہوگی، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وصیت ہی اس وجہ سے تھی کہ قربانی کے ذریعے سے دوسرے کو''ایصالِ ثواب'' کرنا درست ہے۔

علاوہ ازیں قربانی کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کے ثبوت کا دارومدار صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر ہے بھی نہیں، بلکہ اس کے ثبوت کی اور صحیح احادیث بھی موجود ہیں، جو اس باب کے شروع میں ذکر کی جاچکی ہیں، اس کو صرف تائید کے طور پر نقل کیا گیا ہے، اور ضعیف حدیث کی تائید اگر دوسری حدیث سے ہوتی ہو، تو اس کو تقویت حاصل ہوجاتی ہے۔

(ا)...... الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے کہ:

إِذَا أَوْصَى الْمَيِّتُ بِالتَّضْحِيَةِ عَنْهُ ، أَوْ وَقَفَ وَقْفًا لِذٰلِكَ جَازَ بِالِاتِّفَاقِ ،فَإِنْ كَانَتْ وَاجِبَةً بِالنَّذْرِ وَغَيْرِهٖ وَجَبَ عَلَى الْوَارِثِ إِنْفَاذُ ذٰلِكَ، أَمَّا إِذَا لَمْ يُوْصِ بِهَا فَأَرَادَ الْوَارِثُ أَوْ غَيْرُهُ أَنْ يُضَحِّيَ عَنْهُ مِنْ مَّالِ نَفْسِهٖ، فَذَهَبَ الْحَنَفِيَّةُ وَالْمَالِكِيَّةُ وَالْحَنَابِلَةُ إِلٰى جَوَازِ التَّضْحِيَةِ عَنْهُ، إِلَّا أَنَّ الْمَالِكِيَّةَ أَجَازُوْا ذٰلِكَ مَعَ الْكَرَاهَةِ ،وَإِنَّمَا أَجَازُوْهُ لِأَنَّ الْمَوْتَ لاَ يَمْنَعُ التَّقَرُّبَ عَنِ الْمَيِّتِ كَمَا فِي الصَّدَقَةِ وَالْحَجِّ.

وَقَدْ صَحَّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحّٰى بِكَبْشَيْنِ أَحَدُهُمَا عَنْ نَّفْسِهٖ، وَالْآخَرُ عَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِهٖ وَعَلٰى هٰذَا لَوِ اشْتَرَكَ سَبْعَةٌ فِيْ بَدَنَةٍ فَمَاتَ أَحَدُهُمْ قَبْلَ الذَّبْحِ، فَقَالَ وَرَثَتُهٗ، وَكَانُوْا بَالِغِيْنَ ،اِذْبَحُوْا عَنْهُ، جَازَ ذٰلِكَ ،وَذَهَبَ الشَّافِعِيَّةُ إِلٰى أَنَّ الذَّبْحَ عَنِ الْمَيِّتِ لَا يَجُوْزُ بِغَيْرِ وَصِيَّةٍ أَوْ وَقْفٍ (الموسوعة الفقهيه الكويتية، ج۵ ص ۱۰۶ ، مادة: اضحية، التضحية عن الميت)

ترجمہ: جب میت اپنی طرف سے قربانی کی وصیت کرے یا اپنی طرف سے قربانی کے لیے (کوئی چیز) وقف کرے تو بالاتفاق جائز ہے، اور اگر میت پر قربانی نذر (ومنت) وغیرہ کی وجہ سے واجب تھی، تو اس پر اس وصیت کو پورا کرنا واجب ہے، اور اگر میت نے اس کی وصیت نہ کی ہو، پھر وارث یا اس کے علاوہ کوئی اس کی طرف سے اپنے مال میں سے قربانی کرے تو حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اس کی طرف سے قربانی کے جائز ہونے کی طرف گئے ہیں، مگر مالکیہ نے کراہت کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے، اور ان فقہائے کرام نے میت کی طرف سے قربانی کی

اجازت اس لیے دی ہے کہ موت میت کی طرف سے تقرب وعبادت کے لیے مانع نہیں ہے، جیسا کہ صدقہ اور حج کا معاملہ ہے۔

اور یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے ذبح فرمائے، ایک اپنی طرف سے، اور ایک اپنی امت کی طرف سے جس نے قربانی نہیں کی۔

اور اسی پر یہ مسئلہ بھی مبنی ہے کہ اگر کسی بڑی قربانی کے جانور میں سات آدمی شریک تھے، پھر ان میں سے کوئی ایک ذبح سے پہلے فوت ہوگیا، پھر اس کے وارثوں نے کہا، جبکہ وہ بالغ بھی تھے کہ تم اس کی طرف سے ذبح کرو، تو یہ جائز ہے، اور شافعیہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ میت کی طرف سے بغیر وصیت یا وقف کے ذبح جائز نہیں (موسوعہ الفقہیۃ)

یہ فقہائے کرام کے موقف کی اجمالی ترجمانی ہے، اور شوافع کا ایک قول جواز کا بھی ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

(۲)...... فقہ حنفی کی کتاب بدائع الصنائع میں ہے کہ:

وَذُكِرَ فِي الْاَصْلِ اِذَا اشْتَرَكَ سَبْعَةٌ فِيْ بَدَنَةٍ فَمَاتَ اَحَدُهُمْ قَبْلَ الذِّبْحِ فَرَضِيَ وَرَثَتُهُ اَنْ يُّذْبَحَ عَنِ الْمَيِّتِ جَازَ اِسْتِحْسَانًا وَالْقِيَاسُ اَنْ لَّايَجُوْزَ (وَجْهُ) الْقِيَاسِ اَنَّهُ لَمَّامَاتَ اَحَدُهُمْ فَقَدْ سَقَطَ عَنْهُ الذِّبْحُ، وَذِبْحُ الْوَارِثِ لَا يَقَعُ عَنْهُ؛ اِذِ الْاُضْحِيَّةُ عَنِ الْمَيِّتِ لَاتَجُوْزُ فَصَارَ نَصِيْبُهُ اللَّحْمَ، وَأَنَّهُ يَمْنَعُ مِنْ جَوَازِ ذِبْحِ الْبَاقِيْنَ مِنَ الْأُضْحِيَّةِ كَمَا لَوْأَرَادَ أَحَدُهُمُ اللَّحْمَ فِيْ حَالِ حَيَاتِهِ.

(وَجْهُ) الْاِسْتِحْسَانِ اَنَّ الْمَوْتَ لَايَمْنَعُ التَّقَرُّبَ عَنِ الْمَيِّتِ بِدَلِيْلِ اَنَّهُ يَجُوْزُ اَنْ يُّتَصَدَّقَ عَنْهُ وَيُحَجَّ عَنْهُ، وَقَدْ صَحَّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحّٰى بِكَبْشَيْنِ اَحَدُهُمَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَالْآخَرُ عَمَّنْ

لَایَذْبَحُ مِنْ اُمَّتِہٖ، وَاِنْ کَانَ مِنْھُمْ مَنْ قَدْمَاتَ قَبْلَ اَنْ یَّذْبَحَ، فَدَلَّ اَنَّ الْمَیِّتَ یَجُوْزُ اَنْ یُّتَقَرَّبَ عَنْہُ فَاِذَا ذُبِحَ عَنْہُ صَارَ نَصِیْبُہٗ لِلْقُرْبَۃِ فَلَا یَمْنَعُ جَوَازَ ذِبْحِ الْبَاقِیْنَ (بدائع الصنائع، ج۵ص ۷۲، کتاب التضحیۃ ،فصل فی جواز جواز اقامۃ الواجب فی الاضحیۃ)

ترجمہ: امام محمد کی اصل کتاب میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب سات آدمی ایک قربانی کے بڑے جانور میں شریک ہوں، پھر ذبح سے پہلے ان میں سے کوئی ایک فوت ہوجائے ،اور اس کے وارث فوت شدہ شخص کی طرف سے ذبح کرنے پر راضی ہوں، تو استحسان کے طور پر جائز ہے (استحسان میں ظاہری قیاس کے خلاف کوئی ایسی دلیل ہوتی ہے جو اول وہلے میں نظر نہیں آتی) اور (استحسان کے مقابلہ میں) ظاہری قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جائز نہ ہو۔

ظاہری قیاس کی وجہ یہ ہے کہ جب ان سات افراد میں سے ایک فوت ہوگیا تو اس کے ذمہ سے ذبح ساقط ہوگیا (یعنی فوت ہونے کی وجہ سے قربانی اس کے ذمہ میں واجب نہیں رہی) اور وارث کا ذبح کرنا فوت شدہ کی طرف سے واقع نہیں ہوگا، کیونکہ قربانی میت کی طرف سے جائز نہیں، لہٰذا فوت شدہ شخص کا حصہ صرف گوشت بن کر رہ جائے گا، اور یہ چیز باقی لوگوں کی قربانی درست ہونے کے لئے مانع ہے، جیسا کہ (سب لوگوں کے زندہ ہونے کی صورت میں) کوئی ایک زندہ شخص گوشت حاصل کرنے کی نیت کرے (قربانی وعبادت کی نیت نہ ہو تو کسی کی بھی قربانی درست نہیں ہوتی)

مگر (ظاہری قیاس کی دلیل کے مقابلہ میں) استحسان کی دلیل یہ ہے کہ فوت ہوجانا میت کی طرف سے اس قربانی کے عبادت واقع ہونے کے لئے مانع نہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ دینا اور حج کرنا جائز ہے، اور (یہ

دلیل بھی ہے کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ یہ ثابت ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے ذبح فرمائے، ایک اپنی طرف سے اور دوسرا اپنی امت کے ان افراد کی طرف سے جنہوں نے قربانی نہیں کی، اگرچہ امت کے بعض افراد وہ بھی تھے کہ جو ذبح سے پہلے فوت ہوگئے تھے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ میت کی طرف سے (ایصالِ ثواب کے لئے) قربانی کی عبادت جائز ہے، پس جب میت کی طرف سے ذبح کیا جائے گا تو اس کا حصہ عبادت واقع ہوگا (صرف گوشت نہ بنے گا) لہٰذا باقی لوگوں کی قربانی کے جائز ہونے کے لئے کوئی مانع نہ ہوگا (بدائع الصنائع) [1]

(۳)...... بدائع الصنائع میں ہی ہے کہ:

وَقَدْ صَحَّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ ضَحّٰی بِکَبْشَیْنِ اَمْلَحَیْنِ اَحَدُھُمَا عَنْ نَّفْسِہٖ وَالْآخَرُ عَنْ اُمَّتِہٖ مِمَّنْ آمَنَ بِوَحْدَانِیَّةِ اللّٰہِ

---

[1] جناب تمنا عمادی صاحب نے اپنی تحریر میں اس چیز کا دعویٰ کیا تھا کہ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد غرضیکہ کسی بھی مستند و معتمَد علیہ لوگوں سے میت کی طرف سے قربانی کا جواز ثابت نہیں، اس لیے یہ یقیناً بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے (ملاحظہ ہو: مذاکرہ، صفحہ ۴۹، شائع کردہ: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی؛ اشاعتِ دوم: ماہِ شوال ۱۴۱۷، فروری ۱۹۹۷)

اور تمنا عمادی صاحب کی حمایت میں جناب عبدالواحد خیری صاحب نے بھی اپنے مکتوب میں بڑے زوردار انداز میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین اور ائمۂ احناف سے اس کا ثبوت نہ ہونے پر واویلہ کیا تھا (ملاحظہ ہو: ایضاً صفحہ ۶۲)

لیکن جب علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ایک مکتوب میں امام محمد رحمہ اللہ کی اصل یعنی مبسوط کے حوالے سے مندرجہ بالا عبارت پیش کی (ملاحظہ ہو "مذاکرہ" صفحہ ۱۳۶)

تو ان دونوں حضرات کے اس مطالبے کا جواب ہوگیا، کیونکہ فقہائے احناف کے نزدیک مفتیٰ بہ اور راجح جواز ہے، اور انہوں نے استحسان اور نص کی وجہ سے ظاہری قیاس کو رد کردیا (جیسا کہ اسی عبارت اور آگے آنے والی دیگر عبارات سے واضح ہے)

لیکن کیونکہ ان منکرینِ ایصالِ ثواب کا مقصود دوسرے پر الزام قائم کرنا تھا، نہ کہ ائمۂ احناف سے ثبوت ملنے کے بعد اس کو قبول کرلینا؛ اسی لیے یہ حضرات اخیر تک اپنے دعوے پر ڈٹے رہے، اور اس حوالے کی کوئی پرواہ نہیں کی اور ظاہری قیاس کو استحسان پر غالب رکھنے پر ہی مُصر رہے (ملاحظہ ہو: ایضاً صفحہ ۱۷۲)

تَعَالٰی وَبِرِسَالَتِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُوِیَ اَنَّ سَعْدَبْنَ اَبِیْ وَقَّاصٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمِّیْ كَانَتْ تُحِبُّ الصَّدَقَةَ اَفَاَتَصَدَّقُ عَنْهَا؟فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقْ، وَعَلَيْهِ عَمَلُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ لَّدُنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی يَوْمِنَا هٰذَا،مِنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِوَقِرَاءَ ةِ الْقُرْآنِ عَلَيْهَا وَالتَّكْفِيْنِ وَالصَّدَقَاتِ وَالصَّوْمِ وَالصَّلَاةِوَجَعْلِ ثَوَابِهَا لِلْاَمْوَاتِ،وَلَا امْتِنَاعَ فِی الْعَقْلِ اَيْضًالِاَنَّ اِعْطَاءَ الثَّوَابِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی اِفْضَالٌ مِّنْهُ لَااِسْتِحْقَاقَ عَلَيْهِ فَلَهٗ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلٰی مَنْ عَمِلَ لِاَجْلِهٖ بِجَعْلِ الثَّوَابِ لَهٗ كَمَا لَهٗ اَنْ يَّتَفَضَّلَ بِاِعْطَاءِ الثَّوَابِ مِنْ غَيْرِ عَمَلٍ رَاْسًا (بدائع الصنائع، ج۲ص۲۱۲،کتاب الحج، فصل نبات الحرم)

ترجمہ: اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ انہوں نے دوسینگوں والے (عمدہ) مینڈھوں کی قربانی فرمائی، ایک کی اپنی طرف سے اور دوسرے کی اپنی امت کے ان لوگوں کی طرف سے کہ جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے، اور حضرت سعد (بن عبادہ) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری والدہ صدقہ کو پسند کیا کرتی تھیں، تو کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کردوں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ کردیں، اور اسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر ہمارے اس زمانے تک مسلمانوں کا عمل رہا ہے، قبروں کی (بدعات سے بچتے ہوئے) زیارت کرنے کا اور ان پر قرآن مجید پڑھنے کا اور کفن دینے کا، اور صدقہ دینے کا،

اور روزہ رکھنے کا، اور نماز پڑھنے کا، اور ان اعمال کا ثواب مُردوں کے لئے بخشنے کا، اور عقلی طور پر بھی اس میں کوئی خرابی نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب عطا کیا جانا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری نہیں، تو اللہ تعالیٰ کو یہ اختیار ہے کہ جو شخص مُردہ کو ثواب پہنچانے کے لئے عمل کرے، تو اس پر فضل فرماتے ہوئے اس ثواب کو پہنچادیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ اختیار ہے کہ سرے سے عمل کئے بغیر ہی کسی کو اپنے فضل سے ثواب مرحمت فرمادیں (بدائع الصنائع)

(۴)......الجوہرۃ النیرۃ میں ہے کہ:

اِشْتَرَکَ سَبْعَۃٌ فِیْ بَدَنَۃٍ فَمَاتَ اَحَدُھُمْ قَبْلَ الذِّبْحِ فَرَضِیَ وَرَثَتُہٗ اَنْ یُّذْبَحَ عَنِ الْمَیِّتِ جَازَ اِسْتِحْسَانًا. وَقَالَ زُفَرُ لَایَجُوْزُ لِأَنَّ الْمَیِّتَ قَدْ سَقَطَ عَنْہُ الذِّبْحُ وَفِعْلُ الْوَارِثِ لَایَقُوْمُ مَقَامَ فِعْلِہٖ فَصَارَ نَصِیْبُہُ اللَّحْمَ فَلَمْ یَجُزْ. وَلَنَا أَنَّ الْوَارِثَ یَمْلِکُ أَنْ یَّتَقَرَّبَ عَنِ الْمَیِّتِ بِدَلِیْلِ أَنَّہٗ یَجُوْزُ أَنْ یُّحَجَّ عَنْہُ وَیُتَصَدَّقَ عَنْہُ فَصَارَ نَصِیْبُ الْمَیِّتِ لِلْقُرْبَۃِ فَیَجُوْزُ عَنِ الْبَاقِیْنَ (الجوھرۃ النیرۃ، ج۲ص۱۸۷، کتاب الاضحیۃ)

ترجمہ: سات آدمی قربانی کے بڑے جانور میں شریک ہوئے، پھر ان میں سے کوئی ایک ذبح ہونے سے پہلے فوت ہوگیا، اور اس کے وارث میت کی طرف سے قربانی پر راضی ہیں، تو (امام ابوحنیفہ وصاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک) استحسان کے طور پر جائز ہے، لیکن امام زفر کے بقول جائز نہیں، امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ میت کے ذمہ سے ذبح کرنا ساقط ہوگیا، اور وارث کا فعل اس میت کے قائم مقام نہیں ہوسکتا، لہٰذا میت کا حصہ خالص گوشت بن کر رہ جائے گا، اس لئے جائز نہیں۔

لیکن امام زفر کے مقابلہ میں ہماری دلیل یہ ہے کہ وارث اس بات کا مالک ہے کہ

وہ میت کی طرف سے (ایصالِ ثواب کی غرض سے) بطور عبادت قربانی کرے، جیسا کہ میت کی طرف سے حج کرنا اور صدقہ کرنا جائز ہے، لہٰذا میت کا حصہ عبادت بنے گا (خالی گوشت نہ بنے گا) اور اس وجہ سے باقی لوگوں کی قربانی بھی جائز ہوگی (جوہرۃ النیرۃ)

(۵)......علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

مَنْ ضَحّٰی عَنِ الْمَیِّتِ یَصْنَعُ کَمَا یَصْنَعُ فِیْ اُضْحِیَّةِ نَفْسِہٖ مِنَ التَّصَدُّقِ وَالْاَکْلِ، وَالْاَجْرُ لِلْمَیِّتِ وَالْمِلْکُ لِلذَّابِحِ، قَالَ الصَّدْرُ: وَالْمُخْتَارُ اَنَّہٗ اِنْ بِاَمْرِ الْمَیِّتِ لَایَاْکُلُ مِنْھَا وَاِلَّا یَاْکُلُ بَزَّازِیَّةٌ، وَسَیَذْکُرُہٗ فِی النَّظْمِ (ردالمحتار ج۶ ص ۳۲۶، کتاب الاضحیۃ)

ترجمہ: جس نے میت کی طرف سے قربانی کی، تو (اس گوشت کے ساتھ) وہی معاملہ کرے، جو اپنی قربانی (کے گوشت) میں کرتا، یعنی صدقہ کرنا اور کھانا (جائز ہوگا) اور قربانی کا ثواب میت کو ملے گا، اور ملکیت قربانی کرنے والے کی ہوگی، صدر شہید نے فرمایا کہ اگر قربانی میت کے حکم سے ہو (یعنی اس کی وصیت کے مطابق ہو، اپنے طور پر ایصالِ ثواب کے لئے نہ ہو) تو مختار یہ ہے کہ اس کا گوشت نہ کھائے، اور اگر یہ قربانی میت کے حکم کے بغیر (اپنی طرف سے بطور تبرع ایصالِ ثواب کے لئے) ہو تو پھر گوشت کا کھانا جائز ہوگا۔

فتاویٰ بزازیہ میں اسی طرح ہے، اور مصنف (یعنی صاحبِ درمختار) آگے نظم میں یہ بات ذکر کریں گے (ردالمحتار)

(۶)......حاشیۃ الشروانی علیٰ تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج میں ہے کہ:

وَقِیْلَ تَصِحُّ التَّضْحِیَّةُ عَنِ الْمَیِّتِ وَاِنْ لَّمْ یُوْصِ لِاَنَّہٗ ضَرْبٌ مِّنَ الصَّدَقَةِ وَھِیَ تَصِحُّ عَنِ الْمَیِّتِ وَتَنْفَعُہٗ وَتَقَدَّمَ فِی الْوَصَایَا اَنَّ مُحَمَّدَ

بْنَ اِسْحَاقَ السِّرَاجَ النَّيْسَابُوْرِيَّ اَحَدَ اَشْيَاخِ الْبُخَارِيِّ خَتَمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثَرَ عَشْرَةَ آلَافِ خَتْمَةً وَضَحّٰى عَنْهُ بِمِثْلِ ذَالِكَ اھ (حاشية الشروانی علی تحفة المحتاج فی شرح المنهاج، کتاب الاضحية، جزء ۹ ص ۳۶۸)

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا صحیح ہے، اگرچہ اس نے وصیت بھی نہ کی ہو، کیونکہ یہ ایک طرح سے صدقہ کی قسم ہے (کہ اس میں بھی صدقہ کی طرح مال خرچ ہوتا ہے) اور صدقہ میت کی طرف سے صحیح ہے، اور اس کے لئے نفع بخش ہے، اور وصایا کے باب میں یہ بات گزر چکی ہے کہ محمد بن اسحاق سراج نیشاپوری جو امام بخاری کے مشائخ میں سے ہیں، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دس ہزار ختم کئے، اور اسی کے مثل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی بھی کی (حاشیۃ الشروانی)

معلوم ہوا کہ شافعیہ کے ایک قول کے مطابق وصیت کے بغیر بھی قربانی بطورِ ایصالِ ثواب کے جائز ہے۔

(۷)...... علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَتَجُوْزُ الْاُضْحِيَّةُ عَنِ الْمَيِّتِ كَمَا يَجُوْزُ الْحَجُّ عَنْهُ وَالصَّدَقَةُ عَنْهُ وَيُضَحّٰى عَنْهُ فِي الْبَيْتِ وَلَا يُذْبَحُ عِنْدَ الْقَبْرِ اُضْحِيَّةً وَلَا غَيْرَهَا

(مجموع فتاویٰ ابنِ تیمیه، ج ۲۶ ص ۳۰۶، فصل فی جواز الاضحية عن الميت)

ترجمہ: اور میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے، جیسا کہ میت کی طرف سے حج کرنا اور صدقہ کرنا جائز ہے، البتہ میت کی طرف سے قربانی گھر میں کی جائے، میت کی قبر پر نہ تو قربانی کا جانور ذبح کیا جائے، اور نہ اس کے علاوہ (صدقہ وغیرہ کا جانور) (مجموع فتاویٰ ابنِ تیمیۃ)

(۸)...... شوافع کی کتاب المجموع شرح المہذب میں ہے کہ:

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

وَاَمَّا التَّضْحِيَّةُ عَنِ الْمَيِّتِ فَقَدْ اَطْلَقَ اَبُو الْحَسَنِ الْعِبَادِيُّ جَوَازَهَا لِاَنَّهَا ضَرْبٌ مِّنَ الصَّدَقَةِ ،وَالصَّدَقَةُ تَصِحُّ عَنِ الْمَيِّتِ وَتَنْفَعُهُ وَتَصِلُ اِلَيْهِ بِالْاِجْمَاعِ ،وَقَالَ صَاحِبُ الْعُدَّةِ وَالْبَغَوِيُّ لَاتَصِحُّ التَّضْحِيَّةُ عَنِ الْمَيِّتِ اِلَّا اَنْ يُّوْصِيَ بِهَا وَبِهٖ قَطَعَ الرَّافِعِيُّ فِي الْمُجَرَّدِ ،وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ...... وَاَطْلَقَ الشَّيْخُ اِبْرَاهِيْمُ الْمَرْوَرُوْذِيُّ اَنَّهَا تَقَعُ عَنِ الْمُضَحِّيْ قَالَ هُوَ وَصَاحِبُ الْعُدَّةِ وَآخَرُوْنَ وَلَوْ ذَبَحَ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاشْتَرَطَ غَيْرَهَا فِيْ ثَوَابِهَا جَازَ قَالُوْا وَعَلَيْهِ يُحْمَلُ الْحَدِيْثُ الْمَشْهُوْرُ عَنْ عَائِشَةَ (اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَبَحَ كَبْشًا وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰى بِهٖ)رَوَاهُ مُسْلِمٌ ،وَاللّٰهُ اَعْلَمُ،وَاحْتَجَّ الْعِبَّادِيُّ وَغَيْرُهٗ فِي التَّضْحِيَّةِ عَنِ الْمَيِّتِ بِحَدِيْثِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ (يُضَحِّيْ بِكَبْشَيْنِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِكَبْشَيْنِ عَنْ نَّفْسِهٖ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنِيْ اَنْ اُضَحِّيَ عَنْهُ اَبَدًا فَاَنَا اُضَحِّيْ عَنْهُ اَبَدًا)رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ (المجموع شرح المهذب ،جزء ۸ص ۴۰۶و۴۰۷،باب الاضحية)

ترجمہ: اور رہا معاملہ میت کی طرف سے قربانی کا تو ابوالحسن عبادی نے مطلق اس کے جواز کا قول کیا ہے، اس لئے کہ یہ صدقہ کی ایک قسم ہے(کہ اس میں صدقہ کی طرح مال خرچ ہوتا ہے)اور صدقہ میت کی طرف سے صحیح ہے، اور اس سے میت کو نفع ہوتا ہے، اور میت کی طرف بالاجماع اس کا ثواب پہنچتا ہے، اور صاحبِ عدۃ اور بغوی نے فرمایا کہ میت کی طرف سے قربانی صحیح نہیں ہے، ہاں اگر میت نے اس کی وصیت کی ہو تو صحیح ہے، اور امام رافعی نے مجرد میں اس کو یقین کے ساتھ

بیان کیا ہے، واللہ اعلم۔

اور شیخ ابراہیم مروروذی نے اطلاق کے ساتھ یہ بات بیان کی ہے کہ قربانی تو ذبح کرنے والے زندہ شخص کی طرف سے واقع ہوگی، شیخ ابراہیم اور صاحبِ عدۃ اور دوسرے حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ اگر اپنی طرف سے ذبح کرے اور دوسرے کو ثواب پہنچانے کو بھی ساتھ میں شامل کرلے، تو پھر جائز ہے، ان حضرات نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اُس مشہور حدیث کا مطلب بھی یہی ہے، جس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھا ذبح فرمایا اور فرمایا "بسم اللہ" اے اللہ یہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور امتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے قبول فرمایئے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح فرمایا، اس کو مسلم نے روایت کیا، واللہ اعلم۔

اور عبادی وغیرہ نے میت کی طرف سے قربانی کے جائز ہونے کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث پیش کی ہے، کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور اپنی طرف سے دو مینڈھے ذبح فرماتے تھے، اور یہ فرماتے تھے کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے ہمیشہ قربانی کرنے کا حکم فرمایا ہے، تو میں ان کی طرف سے ہمیشہ قربانی کرتا ہوں، اس کو ابوداؤد، ترمذی اور بیہقی نے روایت کیا ہے (مجموع)

(۹)...... شیخ ابن باز (سابق مفتیٔ اعظم سعودی عرب) ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں کہ:

اَمَّا الْاُضْحِيَّةُ عَنِ الْمَيِّتِ فَاِنْ كَانَ اَوْصٰى بِهَا فِيْ ثُلُثِ مَالِهٖ مَثَلًا، اَوْ جَعَلَهَا فِيْ وَقْفٍ لَهٗ وَجَبَ عَلَى الْقَائِمِ عَلَى الْوَقْفِ اَوِ الْوَصِيَّةِ تَنْفِيْذُهَا، وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ اَوْصٰى بِهَا وَلَا جَعَلَهَا وَقْفًا ، وَاَحَبَّ اِنْسَانٌ اَنْ يُّضَحِّيَ عَنْ اَبِيْهِ اَوْ اُمِّهٖ اَوْ غَيْرِهِمَا فَهُوَ حَسَنٌ، وَيُعْتَبَرُ مِنْ اَنْوَاعِ

الصَّدَقَةِ عَنِ الْمَيِّتِ، وَالصَّدَقَةُ عَنْهُ مَشْرُوْعَةٌ فِيْ قَوْلِ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ (فتاویٰ اسلامیة ج۲ص ۳۲۱،حکم الاضحية عن الميت،الناشر:دار الوطن للنشر، الرياض)

ترجمہ: اور رہی میت کی طرف سے قربانی، تو اگر میت نے مثلاً اپنے تہائی مال میں سے اس کی وصیت کی ہو، یا اس کے لئے جو چیز اس نے وقف کی ہو، اس میں سے قربانی کی وصیت کی ہو، تو وقف یا وصیت کے ذمہ دار کو اس وصیت کو پورا کرنا واجب ہے، اور اگر میت نے وصیت نہ کی ہو اور نہ ہی اس کے لئے کوئی چیز وقف کی ہو اور کوئی انسان یہ چاہے کہ وہ اپنے والدین وغیرہ کی طرف سے قربانی کرے ، تو یہ اچھی بات ہے، اور قربانی کا یہ عمل میت کی طرف سے صدقہ کی ایک قسم شمار کیا جائے گا، اور صدقہ میت کی طرف سے اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک درست ہے (فتاویٰ اسلامیہ) ۱

---

۱ الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ کراچی کی جانب سے ''مذاکرہ'' کے عنوان سے ایک کتابچہ شائع ہوا ہے۔
جس میں جناب تمنا عمادی مجیبی پھلواری اور حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے مابین قربانی کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کے درست ہونے نہ ہونے پر تحریری مذاکرہ طبع کیا گیا ہے۔
کیونکہ یہ مذاکرہ ایصالِ ثواب کے منکرین کی طرف سے یکطرفہ طور پر شائع ہوا ہے، اس لئے اس کے تمام مندرجات کی تصدیق کرنا تو قابلِ تأمل ہے کہ علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کے ساتھ تحریری مکاتبت کو من وعن شائع کیا گیا ہے یا اس میں کچھ کمی زیادتی کی گئی ہے۔
البتہ اس تحریر کو ملاحظہ کرنے کے بعد اس چیز کا اندازہ ضرور ہو جاتا ہے، کہ جناب تمنا عمادی صاحب کس قسم کے نظریات کے حامل تھے۔
تمنا عمادی صاحب نے فقہاء ومحدثین کے اقوال کو نظر انداز کر کے اپنے اجتہاد کے ذریعہ سے جو کچھ نتیجہ اخذ کیا ہے، اس سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔
جناب تمنا عمادی صاحب جو اپنے دعوے کی بنیاد قرآن پر رکھنے کے مدعی ہیں، انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ:

قربانی چونکہ ایک انسانی جان کا فدیہ ہے حیوانی جان سے، اس لئے جس کی طرف سے قربانی کی جائے، اس کی جان پر اگر بیماری وغیرہ کی کوئی مصیبت یا بلاء آنے والی ہو یا اس کو کوئی جانی خطرہ پیش آنے والا ہو تو اسی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

البتہ آج جبکہ غربت وافلاس عام ہے، تو ہمارے نزدیک اگرچہ قربانی سے بھی ایصالِ ثواب کرنا جائز ہے، مگر نفلی قربانی کی صورت میں ایصالِ ثواب کرنے کے بجائے اُس رقم کو صحیح مستحقین وغرباء پر صدقہ کرکے ایصالِ ثواب کرنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قربانی کی وجہ سے وہ مصیبت وبلاء رد ہوسکتی اور وہ خطرہ جو اس کی جان پر آنے والا ہوٹل سکتا ہے، جو شخص مرگیا، جس کی جان اس کے بدن سے نکل چکی، اس کی جان کو اب کون سا خطرہ ہے جو قربانی سے ٹل سکتا ہے، آخرت کے عذاب سے کوئی بھی فدیہ دے کر نہیں بچ سکتا اور نہ بچایا جاسکتا ہے، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پاک کو آخرت میں کیا خطرہ ہوسکتا ہے جن کے قدموں کے صدقے میں کروڑوں انسان آخرت کے خطرے سے نجات پائیں گے الخ (مذاکرہ ص ۴۸، اشاعتِ دوم شوال ۱۴۱۷ھ، فروری 1997ء، شائع کردہ: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی)

حالانکہ اپنی طولِ لاطائل تحریر میں کسی قرآنی آیت یا حدیث سے وہ اپنا یہ دعویٰ ثابت نہیں کرسکے کہ قربانی کی غرض کسی دنیوی مصیبت کا ردہونا یا جان کے خطرے کا ٹلنا ہے۔

اور یوں تو مطلق صدقے کے بارے میں بلاؤں کے دور ہونے کا احادیث میں ذکر آیا ہے، اس میں قربانی کی کوئی تخصیص نہیں، لہٰذا اس کو قربانی کی علت قرار نہیں دیا جاسکتا، زیادہ سے زیادہ حکمت قرار دیا جاسکتا ہے، اور حکمت پر حکم کا مدار نہیں ہوا کرتا۔

۱ عبادتِ مالیہ یا تقرب بالمال کی دو قسمیں ہیں:

ایک بطریقِ تملیک، جیسے زکوٰۃ وصدقات، دوسرے بطریقِ اتلاف جیسے غلام آزاد کرنا۔

اوراُضحیۃ میں تملیک واتلاف دونوں عناصر پائے جاتے ہیں، اتلاف بشکلِ ذبح، اور تملیک بشکل گوشت تبرعاً، اُضحیۃ میں اراقۃِ دم اصل ہوتا ہے اور صدقہ میں تملیک اصل ہوتی ہے، اگر نص نہ ہوتی تو اُضحیۃ میں بھی اصل اور قیاس کا تقاضا تصدق تھا، مگر نص کی وجہ سے قیاس سے عدول کرکے اتلاف ونقصانِ مالیت کی طرف رجوع کیا گیا

اعلم بأن القرب المالية نوعان نوع بطريق التمليك كالصدقات ونوع بطريق الإتلاف كالعتق ويجتمع في الأضحية معنيان فإنه تقرب بإراقة الدم وهو إتلاف، ثم بالتصدق باللحم وهو تمليك (المبسوط ج۱۲ ص۸ باب الاضحية، كتاب الذبائح)

(كذا في البحر الرائق ج۸ص ۱۹۷ كتاب الاضحية؛ تبيين الحقائق ج۶ ص ۲ كتاب الاضحية، سبب الاضحية وشرائطها)

التضحية ثبتت قربة بالنص واحتمل ان يكون التصدق بعين الشاة اوقيمتها اصلاً لانه هو المشروع في باب المال كمافي سائر الصدقات الاان الشرع نقل من الاصل الى التضحية وهونقصان في المالية (كشف الاسرار ج ۱ ص ۳۴۲ باب الامر، القضاء نوعان اما بمثل معقول واما بمثل غير معقول)

(تفصیل کے لیے ہمارا رسالہ ’’صدقہ کا صحیح طریقہ اور بکرے کا صدقہ‘‘ اور ’’ماہِ ذیقعدہ وحج کے فضائل واحکام‘‘ ملاحظہ فرمائیں)

اس باب کا خلاصہ اور متعلّقہ مسائل

خلاصہ یہ کہ جمہور فقہائے کرام کے نزدیک معمولی اختلاف کے ساتھ قربانی کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کرنا جائز ہے، اور بعض شرائط کے ساتھ دوسرے کی طرف سے قربانی بطور نیابت کے کرنا بھی جائز ہے۔

مسئلہ..... دوسرے کی طرف سے قربانی یا دوسرے کے لئے قربانی کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ قربانی کسی اور شخص کی ہو، اور اس کی قربانی کے جانور کی خریداری یا ذبح کا عمل کوئی دوسرا شخص انجام دے رہا ہو، یا اس میں کسی طرح کی اعانت کر رہا ہو۔

اور دوسرا یہ کہ قربانی تو کرنے والے ہی کی ملکیت ہو، لیکن وہ اس قربانی کے ذریعہ سے دوسرے کو ثواب پہنچانا چاہتا ہو۔

پہلی صورت نیابت، وکالت اور اعانت کی کہلاتی ہے، اور دوسری صورت ایصالِ ثواب کی کہلاتی ہے۔ [1]

مسئلہ..... قربانی کے ذبح کرنے میں نیابت (یعنی اپنی قربانی کسی اور سے کرانا) جائز ہے،

---

[1] قولہ: تقبل من محمد وآل محمد استدل به النووی رحمه الله علی جواز التضحية الرجل عنه وعن أهل بيته واشتراكهم معه فی الثواب. قال:(وهو مذهبنا ومذهب الجمهور، وكرهه الثوری وأبوحنيفة وأصحابه)

قال العبد الضعيف عفاالله عنه: الاشتراک علی معنيين: الأول ان تقع الأضحية عن واحد ثم يهب المضحی ثوابها الیٰ غيره. والثانی: أن يكون الاشتراک فی ملک الشاة وتقع الأضحية عن أكثر من واحد. فإن كان النووی رحمه الله أراد المعنی الأول. فما نقله من خلاف أبی حنيفة فی ذالک غير صحيح، لانه رحمه الله لايكره لرجل أن يهب ثواب اضحيته إلی الآخرين بالغا عددهم مابلغ، وعليه يحمل حديث الباب، وإن أراد المعنی الثانی، فإنه لا يقول به الشافعية أيضاً.

وتفصيل المسألة ان الشاة الواحدة لاتجزئ إلا عن واحد عند أبی حنيفة والشافعی، نعم يجوز له أن يشرک من شاء فی أجر التضحية بطريق هبة الثواب (تكملة فتح الملهم، المجلد الثالث، صفحه ۵۶۴، كتاب الأضاحی، مسألة اشتراک أهل البيت فی شاة واحدة)

وہ الگ بات ہے کہ اگر کوئی عذر نہ ہو، تو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے۔

اور نیابت بعض اوقات دوسرے کی صراحتاً اجازت سے ثابت ہوتی ہے، اور بعض اوقات دلالتاً واشارتاً اجازت سے ثابت ہوتی ہے۔ [۱]

مسئلہ...... جب کسی فوت ہونے والے مسلمان شخص نے اپنی طرف سے قربانی کی وصیت کی ہو، یا اس کے لئے وقف کیا ہو، تو اس کی طرف سے بالاتفاق قربانی جائز ہے۔

اور اگر کسی نے نذر ومنت وغیرہ مان کر اپنے اوپر قربانی کو واجب کرلیا تھا، اور پھر وہ نذر ومنت پوری کرنے سے پہلے فوت ہوگیا، اور اس نے اپنی اس نذر ومنت کو پورا کرنے کی وصیت بھی نہیں کی، تو حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک وارث یا غیر وارث کو اپنے مال میں سے اس کی وصیت کو پورا کرنا جائز ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ [۲]

---

[۱] النيابة فى ذبح الأضحية:

اتفق الفقهاء على أنه تصح النيابة فى ذبح الأضحية إذا كان النائب مسلما، لحديث فاطمة السابق: يا فاطمة قومى إلى أضحيتك فاشهديها 4)) لأن فيه إقرارا على حكم النيابة.

والأفضل أن يذبح بنفسه إلا لضرورة.

وذهب الجمهور إلى صحة التضحية مع الكراهة إذا كان النائب كتابيا، لأنه من أهل الذكاة، وذهب المالكية -وهو قول محكى عن أحمد -إلى عدم صحة إنابته، فإن ذبح لم تقع التضحية وإن حل أكلها.

والنيابة تتحقق بالإذن لغيره نصا، كأن يقول :أذنتك أو وكلتك أو اذبح هذه الشاة، أو دلالة كما لو اشترى إنسان شاة للأضحية فأضجعها وشد قوائمها فى أيام النحر، فجاء إنسان آخر وذبحها من غير أمر فإن، التضحية تجزء عن صاحبها عند أبى حنيفة والصاحبين

ويرى الحنفية والحنابلة أنه إذا غلط كل واحد من المضحيين فذبح أضحية الآخر أجزأت، لوجود الرضى منهما دلالة.وذهب المالكية إلى أنه لا يجزء عن أى منهما .ولم نطلع على رأى للشافعية فى ذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ص۱۰۵، ۱۰۶ ،مادة"اضحية")

[۲] التضحية عن الميت:

إذا أوصى الميت بالتضحية عنه، أو وقف وقفا لذلك جاز بالاتفاق .فإن كانت واجبة بالنذر وغيره وجب على الوارث إنفاذ ذلك .أما إذا لم يوص بها فأراد الوارث أو غيره أن يضحى عنه من مال نفسه، فذهب الحنفية والمالكية والحنابلة إلى جواز التضحية عنه، إلا أن المالكية أجازوا ذلك مع الكراهة .وإنما أجازوه لأن الموت لا يمنع التقرب عن الميت كما فى الصدقة والحج.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:...... جب کوئی شخص بطورِ خود کسی کو ثواب پہنچانے کے لئے قربانی کرے، یا کسی فوت شدہ کی وصیت کے مطابق اپنے مال میں سے قربانی کرے (خواہ الگ جانور کرے، یا بڑے جانور میں کوئی حصہ لے) تو اس کے گوشت کا حکم عام قربانی کی طرح ہے، کیونکہ یہ قربانی کرنے والے کی طرف سے نفلی قربانی ہے، اور اس کا ثواب دوسرے کے لئے ہے۔

البتہ اگر کسی نے فوت ہونے سے پہلے اپنے مال میں سے قربانی کرنے کی کی وصیت کی ہو، اور اس کی وصیت کے مطابق اس کے ترکہ کے مال میں سے قربانی کی جائے (خواہ الگ جانور قربان کر کے، یا بڑے جانور میں کوئی حصہ لے کر) تو پھر اس (جانور یا اس کے حصہ) کا پورا گوشت صدقہ کرنا چاہئے۔ [1]

مسئلہ:...... اگر کوئی شخص اپنے مسلم فوت شدہ والدین یا کسی اور کی طرف سے ان کے حکم کے بغیر ایصالِ ثواب کی غرض سے قربانی کرے، اور پھر اس قربانی کے گوشت کو صدقہ بھی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقد صح أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحى بكبشين أحدهما عن نفسه، والآخر عمن لم يضح من أمته وعلى هذا لو اشترك سبعة فى بدنة فمات أحدهم قبل الذبح، فقال ورثته -وكانوا بالغين -اذبحوا عنه، جاز ذلك .وذهب الشافعية إلى أن الذبح عن الميت لا يجوز بغير وصية أو وقف(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵ص ۱۰۶ ،مادة"اضحية")

[1] من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع فى أضحية نفسه من التصدق والأكل والأجر للميت والملك للذابح .قال الصدر :والمختار أنه إن بأمر الميت لا يأكل منها وإلا يأكل بزازية، وسيذكره فى النظم (ردالمحتار، ج۶ص۳۲۶، كتاب الاضحية)

سبعة نحروا ناقة عن سبعة و أحد الشركاء وارث ميت يذبح عن مورثه قال محمد رحمه الله تعالى الستة يأكلون أنصباء هم من اللحم و يتصدق بنصيب الميت و لا يأكله الوارث *قال رضى الله عنه هذا إذا كان الوارث ضحى من مال الميت بأمر الميت......و ذكر الزعفرانى رحمه الله تعالى إن أمرهم الميت أن يضحى عن الميت ففعل الوارث يقع عن الوارث نفلا و للميت أجر الذبح إن فعل الوارث بمال نفسه و يكون هو بمنزلة ما لو نوى واحد من الشركاء السبعة بنصيبه التطوع...... و لو ضحى عن ميت من مال نفسه بغير أمر الميت جاز و له أن يتناول منه و لا يلزمه أن يتصدق به لأنها لم تصر ملكا للميت بل الذبح حصل على ملكه و لهذا لو كان على الذابح أضحية سقطت عنه.و إن ضحى عن ميت من مال الميت بأمر الميت يلزمه التصدق بلحمه و لا يتناول منه لأن الأضحية تقع عن الميت(فتاوى قاضى خان، ج ۳،ص ۲۱۰، كتاب الأضحية)

کردے، تو اس کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اور اس صورت میں ایصالِ ثواب قربانی کے ساتھ ساتھ صدقہ کی شکل میں بھی معتبر ہوجائے گا۔ [1]

مسئلہ......مسلم میت کے لئے ایصالِ ثواب کے طور پر قربانی کرنا افضل ہے، یا اتنی رقم کا صدقہ کر کے میت کو ایصالِ ثواب کرنا افضل ہے؟ اس بارے میں اہلِ علم کے دونوں اقوال ہیں۔

اور اگر ضرورت منداور غریب زیادہ ہوں، تو ان کو اس رقم کا صدقہ کرنا، اس رقم سے قربانی کرنے سے افضل ہوگا۔ [2]

---

[1] إذا ضحى الرجل عن أبويه بغير أمرهما و تصدق به جاز لأن اللحم ملكه و إنما للميت ثواب الذبح و الصدقة (فتاوى قاضى خان، ج ۳،ص ۲۱۰، كتاب الأضحية)

[2] واختلفوا هل الأضحية عن الميت أفضل، أو التصدق أفضل؟ذهب بعضهم إلى أن التصدق أفضل وذهب بعضهم إلى أن الأضحية أفضل(تكملة البحر الرائق للطورى، ج۸ص ۲۰۲، كتاب الأضحية)

قال الرحمتى :والحق التفصيل، فما كانت الحاجة فيه أكثر والمنفعة فيه أشمل فهو الأفضل كما ورد حجة أفضل من عشر غزوات وورد عكسه فيحمل على ما كان أنفع، فإذا كان أشجع وأنفع فى الحرب فجهاده أفضل من حجه، أو بالعكس فحجه أفضل، وكذا بناء الرباط إن كان محتاجا إليه كان أفضل من الصدقة وحج النفل وإذا كان الفقير مضطرا أو من أهل الصلاح أو من آل بيت النبى -صلى الله عليه وسلم -فقد يكون إكرامه أفضل من حجات وعمر وبناء ربط .كما حكى فى المسامرات عن رجل أراد الحج فحمل ألف دينار يتأهب بها فجاءته امرأة فى الطريق وقالت له إنى من آل بيت النبى -صلى الله عليه وسلم -وبى ضرورة فأفرغ لها ما معه، فلما رجع حجاج بلده صار كلما لقى رجلا منهم يقول له تقبل الله منك، فتعجب من قولهم، فرأى النبى -صلى الله عليه وسلم -فى نومه وقال له :تعجبت من قولهم تقبل الله منك؟ قال نعم يا رسول الله؛ قال :إن الله خلق ملكا على صورتك حج عنك؛ وهو يحج عنك إلى يوم القيامة بإكرامك لامرأة مضطرة من آل بيتى؛ فانظر إلى هذا الإكرام الذى ناله لم ينله بحجات ولا ببناء ربط(ردالمحتار ، ج۲ص ۶۲۱، كتاب الحج، فروع فى الحج، مطلب فى تفضيل الحج على الصدقة)

قلت قد يقال ما ورد محمول على الحج الفرض على أنه لا مانع من كون الصدقة للمحتاج أعظم أجرا من سبعمائة(منحة الخالق على البحر الرائق ،ج۲ص ۳۳۴، كتاب الحج)

نماز میں نیابت اور ایصالِ ثواب

نماز جو کہ بدنی عبادت ہے، اور اس کا اسلام میں اہم مقام ہے، اور یہ ایمان کے بعد سب سے پہلا اور بڑا رُکن ہے۔ اس کے ذریعہ بھی ایصالِ ثواب کرنا درست ہے۔

جس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(۱)...... امام بخاری رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

اَمَـرَ اِبْـنُ عُـمَرَ اِمْرَاَةً جَعَلَتْ اُمُّهَا عَلٰی نَفْسِهَا صَلَاةً بِقُبَاءَ فَقَالَ صَلِّیْ عَنْهَا وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَحْوَهٗ (بخاری) [1]

ترجمہ: ایک عورت جس کی ماں نے مسجد قباء میں نماز پڑھنے کی منّت مانی تھی (اور اس کی ادائیگی سے پہلے وہ مرگئی تو) عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) نے اس کی بیٹی کے دریافت کرنے پر اس کو حکم دیا کہ ماں کی طرف سے وہ خود نماز پڑھے اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے بھی یہی حکم دیا (بخاری)

بعض فقہائے کرام کے نزدیک تو اس طرح دوسرے کی منت پوری کرنا درست ہے، جبکہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک درست نہیں، ان کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میت کو ایصالِ ثواب کرنے کے لیے نماز پڑھنا جائز ہے، یہ مطلب نہیں کہ میت کے ذمے جو نماز فرض یا (منت وغیرہ کی وجہ سے) واجب تھی، وہ دوسرے کے پڑھنے سے ادا ہوجائے گی، کیونکہ حضرت ابنِ عمر وابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے دوسرے کی طرف سے فرض وواجب نماز پڑھنے، اور روزہ رکھنے کی نفی ثابت ہے؛ جیسا کہ آگے آتا ہے۔ [2]

---

[1] ج ۸ ص ۱۴۲، کتاب الأیمان والنذور، باب من مات وعلیه نذر .

[2] فماروی عن ابن عباس و ابن عمر فی اداء الصلاة عن المیت کما ذکر آنفا یحمل علی انه اراد به الصلاة عن نفسه وایصال الثواب للمیت (اعلاء السنن ج۹ ص ۱۶۰، باب جواز الفدیة عن صوم المیت وانه لایصوم احد عن احد)

(۴)......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک سلسلۂ گفتگو میں ابلہ مقام کے قریب سے آنے والے لوگوں سے فرمایا کہ:

مَنْ یَّضْمَنَ لِیْ مِنْکُمْ اَنْ یُّصَلِّیَ لِیْ فِیْ مَسْجِدِ الْعَشَّارِ رَکْعَتَیْنِ اَوْاَرْبَعاً وَیَقُوْلُ ھٰذِہٖ لِاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ(ابوداؤد) [۱]

ترجمہ: کون ہے جو میرے لئے اس کا ذمہ لے لے کہ وہ (ابلہ قریہ کی) مسجدِ عشّار میں میرے (ثواب پہنچانے کے) لیے دو یا چار رکعت نماز پڑھے اور کہے کہ یہ ابوہریرہ کے لئے ہے (ابوداؤد)

یہ مشہور مسجد تھی جو کہ نہرِ فرات کے متصل واقع تھی، اوراس میں نماز پڑھ کر برکت حاصل کی جایا کرتی تھی۔ [۲]

---

[۱] رقم الحدیث ۴۳۰۸، کتاب الملاحم ، باب ذکر فی البصرۃ،شعب الایمان للبیھقی ،رقم الحدیث ۲۸۲۰.

اس روایت کے دوراویوں (ابراہیم بن صالح اوران کے والد صالح بن درہم) پر محدثین نے کلام کیا ہے لیکن ابراہیم بن صالح کو ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے، اوران کے والد صالح بن درہم باہلی کو ابنِ معین اور علامہ ذہبی نے ثقہ قرار دیا ہے، اور بعض نے اگرچہ اس حدیث کو غیر محفوظ قرار دیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ حدیث زیادہ سے زیادہ ضعیف ہے، اور یہ فضیلت وتائید کی حد تک ہمارے مقصود میں مضر نہیں۔

سمعت العباس بن محمد قال: قال یحییٰ :ابوالازھر صالح بن درھم ثقۃ(الکنی والاسماء للدولابی جزء ۲ص ۵۶۹)

سمعت ابی یقول الازھر اسمہ صالح بن درھم لااعلم الا خیرا حدث عنہ یحییٰ بن سعید (العلل لاحمد بن حنبل جزء ۲ص ۱۱۱،رقم الترجمۃ،۱۷۳۳)

صالح بن درھم الباھلی ابوالازھر وثقہ ابن معین من الرابعۃ(تقریب التھذیب جزء ۱ ص ۲۷۱)

صالح بن درھم الباھلی عن ابی ھریرۃ وسمرۃ وعنہ شعبۃ ویحیی القطان ثقۃ (من لہ روایۃ فی الکتب الستۃ للذھبی جزء ۱ ص۴۹۴)

قال البخاری لایتابع علیہ وقال العقیلی ابراھیم وابوہ لیسا بمشھورین بنقل الحدیث والحدیث غیر محفوظ،قلت: وقال الدارقطنی ضعیف وذکرہ ابن حبان فی الثقات (تھذیب التھذیب جزء ۱ ص۱۲۸)

[۲] مسجد مشھور یتبرک بالصلاۃ فیہ (مرقاۃ المفاتیح، ج۸ص ۳۴۲۴،کتاب الفتن، باب الملاحم) وقال ای ابوداؤد ھذا المسجد ممایلی النھر ای نھر الفرات(مرقاۃ المفاتیح، ج۸ص ۳۴۲۵،کتاب الفتن، باب الملاحم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اس نماز کا ثواب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو ملے، جس سے معلوم ہوا کہ نماز کا ایصالِ ثواب جائز ہے اور یہ بھی کہ جس طرح مُردہ کو ثواب پہنچتا ہے اسی طرح زندہ کو بھی پہنچتا ہے، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس وقت یہ ارشاد فرمایا اس وقت وہ زندہ تھے (کذا فی التکشف عن مہمات التصوف ص ۶۷۳)

(۳)...... حضرت حجاج بن دینار رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اِنَّ مِنَ الْبِرِّ بَعْدَ الْبِرِّ اَنْ تُصَلِّیَ عَلَیْھِمَا مَعَ صَلَاتِکَ وَاَنْ تَصُوْمَ عَنْھُمَا مَعَ صِیَامِکَ وَاَنْ تَصَدَّقَ عَنْھُمَا مَعَ صَدَقَتِکَ (مصنف ابنِ ابی شیبة، رقم الحدیث ۱۲۲۱۰، کتاب الجنائز، باب مایتبع المیت بعد موته)

ترجمہ: (والدین کے ساتھ ایک) نیکی کے بعد (دوسری) نیکی یہ ہے کہ اپنے لئے نماز پڑھنے کے ساتھ ان کے (ثواب کے) لئے بھی نماز پڑھے، اور اپنے روزے رکھنے کے ساتھ ان کے (ثواب کے) لئے بھی روزے رکھے، اور اپنے لئے صدقہ کرنے کے ساتھ ان کے (ثواب کے) لئے بھی صدقہ کرے (ابنِ ابی شیبہ)

(۴)...... اور امام مسلم نے حضرت حجاج بن دینار رحمہ اللہ سے مرسلاً ان الفاظ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ:

اِنَّ مِنَ الْبِرِّ بَعْدَ الْبِرِّ اَنْ تُصَلِّیَ لِأَبَوَیْکَ مَعَ صَلَاتِکَ وَتَصُوْمَ لَھُمَا مَعَ صَوْمِکَ (مسلم، ج ۱ ص ۱۶، مقدمة، باب فی أن الإسناد من الدین) [1]

[1] اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے حجاج بن دینار کی روایت سے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے حوالے سے مرسل ہونا نقل کیا ہے، جس سے لوگوں نے اس حدیث کا مطلقاً غیر معتبر ہونا سمجھ لیا ہے۔
لیکن حجاج بن دینار قرونِ ثلاثہ کے ثقات میں سے ہیں، جن کا ارسال بہت سے محدثین کے نزدیک مقبول ہے۔
قلت فان کان المدلس من ثقات القرون الثلاثة یقبل تدلیسه کارساله مطلقا وان کان ممن دون هؤلاء ففیه تفصیل قد مر عن قریب (مقدمه اعلاء السنن ص ۱۵۹)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ترجمہ: والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے بعد نیک سلوک یہ ہے کہ آپ اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین (کوثواب پہنچانے) کے لیے نماز پڑھیں، اور آپ اپنے روزے کے ساتھ اپنے والدین (کوثواب پہنچانے) کے لیے روزہ رکھیں (مقدمہ صحیح مسلم)

گزشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھ کر میت کو ایصالِ ثواب کرنا درست ہے۔ [1]

(۵)......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَایُصَلِّیَنَّ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَایَصُوْمَنَّ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلٰکِنْ اِنْ کُنْتَ فَاعِلًا تَصَدَّقْتَ عَنْهُ اَوْ اَهْدَيْتَ (مصنف عبدالرزاق) [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اور علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی ایصالِ ثواب کے مسئلہ کے ثبوت میں اس حدیث کو پیش کیا ہے، اور مسلم کے حوالے سے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے کلام کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ:

والأمر كما ذكره عبد الله بن المبارك، فإن هذا الحديث مرسل (الفتاویٰ الكبریٰ لابنِ تيمية، ج۳ص ۲۹، كتاب الجنائز ،قوله تعالیٰ وان ليس للانسان الا ماسعى)

اور "مرسل" کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"والمرسل" فى أحد قولى العلماء حجة؛ كمذهب أبى حنيفة ومالك وأحمد فى إحدى الروايتين عنه. وفى الآخر هو حجة إذا عضده قول جمهور أهل العلم وظاهر القرآن أو أرسل من وجه آخر (مجموع فتاویٰ ابنِ تيمية، ج۳۲ص ۱۸۹، باب العيوب فى النكاح)

اور صاحبِ مرقاۃ المفاتیح فرماتے ہیں کہ:

المرسل حجة عندنا وعند الجمهور (مرقاة المفاتيح، ج ۱ ص ۳۶۸، كتاب الطهارة، باب مايوجب الوضوء)

قلت لامنافاة بين أن يكون الحديث مرسلا وسنده صحيحا أو حسنا وإنما الخلاف فى الإحتجاج به إذا كان صحيحا أو حسنا فالجمهور يجعلون المرسل حجة والشافعى لايجعله حجة إلا إذا اعتضد ثم قال النووى والأصح فيها إنما يعتد بها إذا اعتضدت بإسناد أو إرسال من جهة أخرى أو بقول بعض الصحابة أو أكثر العلماء وقد وجد ذلك هنا (مرقاة المفاتيح، ج۴ص ۱۲۹۲، كتاب الزكاة، باب ما يجب فيه الزكاة)

[1] رواه الدارقطنى عن على رضى الله عنه ،وهذاالحديث حجة لابى حنيفة فى تجويزه جعل العبادة البدنية ايضا لغيره(تفسير حقى جزء ۱۴ ص ۳۴۶، تحت آيت ۳۹ من سورة النجم)

[2] رقم الحديث ۱۶۳۴۶ ، كتاب الوصايا، باب الصدقة عن الميت.

ترجمہ: کوئی کسی کے (فرض نماز کے) بدلے میں ہرگز نماز نہیں پڑھ سکتا، اور کوئی کسی کے (فرض روزے کے) بدلے میں ہرگز روزہ نہیں رکھ سکتا، البتہ اگر آپ کچھ کرنا چاہیں تو دوسرے کی طرف سے صدقہ (یعنی نماز، روزے کا فدیہ) دے دیں (عبدالرزاق)

اس روایت کی سند معتبر ہے۔ [1]

(۲)...... حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

لَایُصَلِّیْ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ، وَلَا یَصُوْمُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ، وَلٰکِنْ یُطْعِمُ عَنْهُ مَکَانَ کُلِّ یَوْمٍ مُدَّ حِنْطَةٍ (السنن الکبریٰ للنسائی) [2]

ترجمہ: کوئی شخص کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ روزہ رکھ سکتا ہے، البتہ دوسرے کی طرف سے ہر دن کے بدلے میں ایک مُد گندم (غریب کو) کھانے کے لئے دے سکتا ہے (نسائی)

اس باب کا خلاصہ اور متعلّقہ مسائل

خلاصہ یہ کہ دوسرے کو ثواب پہنچانے کی غرض سے نماز پڑھنا جائز ہے۔

جہاں تک نماز میں نیابت کرنے کا تعلق ہے، تو اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

مسئلہ...... نماز جو کہ خالص بدنی عبادت ہے، اس میں دوسرے کے زندہ ہوتے ہوئے ایصالِ ثواب تو جائز ہے، لیکن نیابت جائز نہیں، اور فوت ہونے کے بعد بھی نیابت جائز

---

[1] ورجالہٗ رجال الصیح الا عبداللہ ھذا فانہ من رجال مسلم والاربعة وھو مختلف فیہ (اعلاء السنن ج۹ ص ۱۵۹، باب جواز الفدیة عن صوم المیت وانہ لایصوم احد عن احد)

[2] رقم الحدیث ۲۹۳۰، کتاب الصیام، باب صوم الحی عن المیت، واللفظ لہٗ؛ مشکل الآثار للطحاوی، ج۶ ص ۱۷۶، السنن الکبریٰ للبیھقی ج۴ ص ۲۵۷.

قال ابن حجر: وروی النسائی بإسناد صحیح عن ابن عباس مثلہ وزاد ولکن یطعم عنہ مکان کل یوم مد من حنطة (الدرایة فی تخریج احادیث الھدایة، ج ۱ ص ۲۹۰)

نہیں، یعنی اگر کوئی مسلمان یہ چاہے کہ وہ دوسرے زندہ یا فوت شدہ شخص کے ذمہ جو نماز فرض ہے، وہ خود پڑھ کر دوسرے کو ذمہ داری سے سبکدوش کردے، تو یہ جائز نہیں۔ [1]

مسئلہ...... اگر کسی نے نماز پڑھنے کی نذر ومنت مانی، اور پھر وہ اس نذر ومنت کو ادا کرنے سے پہلے فوت ہوگیا، تو بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس کی طرف سے اس کے وارث یا ولی کو نائب بن کر نماز پڑھنا معتبر نہیں (إلى هذا ذهب الحنفية، وهو مشهور مذهب المالكية والشافعية، وهو رواية عن احمد) [2]

اور بعض حضرات کے نزدیک فوت ہونے والے کے وارث کو فوت شدہ شخص کی طرف سے

---

[1] أما العبادات البدنية المحضة كالصلاة والصوم فلا تجوز فيها النيابة حال الحياة باتفاق؛ لقول الله تعالى :(وأن ليس للإنسان إلا ما سعى) ، وقول النبى صلى الله عليه وسلم :لا يصوم أحد عن أحد، ولا يصلى أحد عن أحد ، أى فى حق الخروج عن العهدة، لا فى حق الثواب .أما بعد الممات فكذلك الحكم عند الحنفية والمالكية، إلا ما قاله ابن عبد الحكم من المالكية من أنه يجوز أن يستأجر عن الميت من يصلى عنه ما فاته من الصلوات.وعند الشافعية لا تجوز النيابة عن الميت فى الصلاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ص ۳۳۵،ماده:اداء،النيابة فى أداء العبادات)

[2] اختلف الفقهاء فى حكم من مات وعليه صلاة منذورة، لم يؤدها حتى مات، وذلك على اتجاهين :الاتجاه الأول :يرى أصحابه أنه من مات وعليه صلاة منذورة فلا يجوز لوليه أو غيره فعلها عنه، ولا تسقط عنه بالفدية، باستثناء ركعتى الطواف، فإنهما تصليان عن الميت الذى يحج أو يعتمر عنه إن قيل بجواز النيابة عنه فيهما، إلى هذا ذهب الحنفية، وهو مشهور مذهب المالكية، ولا تنفذ عندهم وصيته بالاستئجار عليها، وهو مشهور مذهب الشافعية، ورواية عن أحمد، وقد حكى العينى إجماع الفقهاء على أنه لا يصلى أحد عن أحد، ونقل القاضى عياض الإجماع على أنه لا يصلى عن الميت، وقال القرافى :حكى فى الصلاة الإجماع على أنه لا يصلى عن الميت، ونقل ابن بطال إجماع الفقهاء على أنه لا يصلى أحد عن أحد فرضا ولا سنة، لا عن حى ولا عن ميت واستدلوا بما روى عن ابن عباس -رضى الله عنهما " -لا يصلى أحد عن أحد ولا يصوم أحد عن أحد وبما روى عن الإمام مالك أنه قال :لم أسمع عن أحد من الصحابة ولا من التابعين بالمدينة أن أحدا منهم أمر أحدا أن يصوم عن أحد أو يصلى عن أحد وبأن الصلاة عبادة لا تدخلها النيابة فى حال الحياة، فلا تدخلها النيابة بعد الموت وبأن الصلاة لا بدل لها بحال، فلا يقوم فيها فعل النائب مقام فعل المنوب عنه وبأن المقصود من التكاليف الشرعية الابتلاء والمشقة، وهذا يتحقق فى العبادات البدنية بإتعاب النفس والجوارح بالأفعال المخصوصة، وبفعل النائب لا تتحقق المشقة على نفس من وجبت عليه، فلم تجز النيابة فيها مطلقا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰،ص ۲۲۰الى ص ۲۲۲،ماده نذر)

نذر ومنت مانی ہوئی نماز کا ادا کرنا جائز ہے۔ [1]

مسئلہ..... جب تک زندگی ہو، اپنے ذمہ فرض نمازیں خود ادا کرنا ضروری ہے، اور جو نمازیں قضا ہوگئی ہیں، ان کو بھی ادا کرنا ضروری ہے، لیکن اگر کوئی نماز نہیں پڑھ سکا، اور فوت ہوگیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس پر فوت ہونے سے پہلے اپنے ذمہ قضا شدہ نماز کے فدیہ کی وصیت کرنا ضروری ہے، جس کے بعد اس کے ترکہ کے تہائی حصہ میں سے اس کی وصیت کو پورا کیا جائے گا۔ [2]

---

[1] الاتجاه الثاني :يرى من ذهب إليه أنه من مات وعليه صلاة منذورة أداها وليه عنه، روى هذا عن ابن عمر -رضى الله عنهما -، وقال به الأوزاعي وعطاء وإسحاق، وقال محمد بن عبد الحكم من المالكية :يجوز أن يستأجر عن الميت من يصلى عنه ما فاته من الصلوات، وذهب بعض متأخرى الشافعية أن الوارث يصلى عن الميت ما وجب عليه، ومشهور مذهب الحنابلة أنه يستحب لولى الميت أن يؤدى عنه ما فاته من صلاة نذر أداء ها ولم يؤدها حتى مات، وذلك صلة له وإبراء لذمته منها .واستدلوا بما روى عن ابن عباس -رضى الله عنهما :أن سعد بن عبادة استفتى رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فى نذر كان على أمه، فتوفيت قبل أن تقضيه، فأفتاه النبى -صلى الله عليه وسلم -أنه يقضيه عنها، فكانت سنة بعده.واستدلوا كذلك بالأحاديث الدالة على جواز الحج عن الميت، والصيام عنه ونحوها، إذ جاء فيها قول رسول الله -صلى الله عليه وسلم :فاقضوا الله فهو أحق بالقضاء وهذه الصلاة التى أوجبها الناذر على نفسه هى دين الله تعالى عليه، وقد مات قبل أدائه، فيجزئه قضاء وليه عنه ذلك .وبما روى عن ابن عمر -رضى الله عنهما " -أنه أمر امرأة جعلت أمها على نفسها صلاة بقباء ، فقال :صلى عنها .وأنه قد ثبت قضاء الصوم والحج عن الميت بالنص، فيجوز قضاء الصلاة عنه بطريق القياس عليهما، لأن كلا منها عبادة بدنية، ولأن كلا منها دين وجب على الميت، فيقضى عنه كبقية ديونه ويجزئه ذلك(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۰،ص ۲۲۰ الى ص ۲۲۲ ،ماده نذر)

[2] یہ حکم حنفیہ کے نزدیک ہے، جبکہ جمہور فقہاء (یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کے نزدیک میت کے ذمہ فرض شدہ نماز فدیہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

إسقاط الصلاة بالإطعام:ذهب جمهور الفقهاء (المالكية والشافعية والحنابلة) إلى أن الصلاة لا تسقط عن الميت بالإطعام.وذهب الحنفية إلى أنه إذا مات المريض ولم يقدر على أداء الصلاة بالإيماء برأسه لا يلزمه الإيصاء بها.أما إذا كان قادرا على الصلاة ولو بالإيماء وفاتته الصلاة بغير عذر لزمه الإيصاء بالكفارة عنها، فيخرج عنه وليه من ثلث التركة لكل صلاة مفروضة، وكذا الوتر لأنه فرض عملى عند أبى حنيفة.وقد ورد النص فى الصيام، وهو قوله صلى الله عليه وسلم :ولكن يطعم عنه والصلاة كالصيام باستحسان المشايخ لكونها أهم.والصحيح :اعتبار كل صلاة بصوم يوم، فيكون على كل صلاة فدية، وهى نصف صاع من بر أو دقيقه أو سويقه، أو صاع تمر أو زبيب أو شعير أو قيمته، وهى أفضل لتنوع حاجات الفقير وإن لم يوص وتبرع عنه وليه أو أجنبى جاز إن شاء الله تعالى عند محمد بن الحسن وحده لأنه قال فى تبرع الوارث بالإطعام فى الصوم يجزيه إن شاء الله تعالى من غير جزم .وفى إيصائه به جزم الحنفية بالإجزاء .وللتفصيل يرجع إلى مصطلح (صلاة وصوم) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص۸۳، إسقاط الصلاة بالإطعام)

روزہ میں نیابت اور ایصالِ ثواب

روزہ بدنی عبادت ہے، اور اس کے ذریعہ سے بھی ایصالِ ثواب کرنا درست ہے۔

اور بعض فقہاء کے نزدیک روزہ کی نیابت اور بعض کے نزدیک روزہ کے بدلہ میں بعض شرائط کے ساتھ فدیہ جائز ہے۔

پہلے اس سلسلہ میں چند احادیث وروایات ملاحظہ فرمائیں، جس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ چند متعلقہ مسائل ذکر کئے جائیں گے۔

(۱)...... یہ حدیث ہم نے صدقہ کی بحث میں نقل کردی ہے کہ جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ:

اَمَّا اَبُوْکَ فَلَوْ اَقَرَّ بِالتَّوْحِيْدِ فَصُمْتَ وَتَصَدَّقْتَ عَنْهُ نَفَعَهُ ذَالِکَ (مسند احمد) [1]

ترجمہ: تمہارے (فوت شدہ) باپ اگر لا الٰہ الا اللہ کے ماننے والے ہوتے (یعنی مومن ہوتے اور) پھر تم ان کی طرف سے روزے رکھتے اور صدقہ کرتے تو اس سے ان کو نفع ہوتا (مسند احمد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اسلام کی حالت میں فوت ہوجائے تو اس کو روزے رکھ کر نفع پہنچانا جائز ہے۔

بلکہ بعض روایات میں میت کی طرف سے اس کے ذمہ میں قضا شدہ روزے میت کے ولی کو رکھنے کا ذکر ہے۔

جن کی وجہ سے بعض فقہاء نے ولی کو میت کی طرف سے روزے رکھ لینے کی اجازت دی ہے،

---

[1] رقم الحدیث ۶۷۰۴ واللفظ لہٗ؛ مصنف ابنِ ابی شیبہ، رقم الحدیث ۱۲۲۰۴۔
فی حاشیۃ مسند احمد: اسنادہ حسن.

لیکن کیونکہ بعض روایات میں میت کی طرف سے ولی کے ذمہ قضا شدہ روزے رکھنے کی نفی کی گئی ہے۔

البتہ روزے کے بدلہ میں فدیہ دینے کی اجازت دی گئی ہے، اس لئے بہت سے فقہاء نے میت کی طرف سے بطور نیابت روزے رکھنے کی نفی فرمائی ہے، البتہ روزوں کا فدیہ دینے کی اجازت دی ہے۔ [1]

اور جن روایات میں میت کی طرف سے اس کے ولی کے لئے روزے رکھنے کا ذکر ہے، ان کا مطلب ان حضرات نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ولی وہ عمل کرے جو روزے کا بدل ہے، اور روزے کا بدل فدیہ ہے، یعنی ولی فدیہ ادا کرے۔

(۲)......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَنْ مَاتَ وَعَلَیْہِ صِیَامٌ صَامَ عَنْہُ وَلِیُّہُ (بخاری) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس حالت میں فوت ہوجائے کہ اس کے ذمے کچھ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھ لے (بخاری)

(۳)......اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

إِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ مَاتَ وَعَلَیْہِ صِیَامٌ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یَصُوْمُ عَنْہُ وَلِیُّہٗ (مسند احمد، رقم

---

[1] وذهب الجمهور الى انه لايصام عن ميت لانذر ولاغيره، حكاه ابن المنذر عن ابن عمر وابن عباس وعائشة، ورواية عن الحسن والزهرى، وبه قال مالك وابوحنيفة، قال القاضى عياض وغيره: هو قول جمهور العلماء، وتأولواالحديث على انه يطعم عنه وليه (شرح النووى على مسلم، ج۸ص۲۶، كتاب الزكاة، باب قضاء الصيام عن الميت)

[2] رقم الحديث ۱۹۵۲، كتاب الصوم، باب من ماته وعليه صوم، مسلم، رقم الحديث ۱۱۴۷ "۱۵۳" باب قضاء الصوم عن الميت ؛ ابوداوٗد، رقم الحديث ۳۳۱۱، باب ماجاء فيمن مات وعليه صيام صام عنه وليه.

الحدیث ۲۴۴۰۱) [۱]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص فوت ہوجائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں، تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھ لے (مسنداحمد)

(۴)......حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَ تْ اِمْرَأَةٌ اِلیٰ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اُمِّیْ مَاتَتْ وَعَلَیْھَا صَوْمُ نَذْرٍ اَفَاَصُوْمُ عَنْھَا؟ قَالَ رَأَیْتِ لَوْکَانَ عَلٰی اُمِّکِ دَیْنٌ فَقَضَیْتِیْہِ اَکَانَ یُؤَدِّیْ ذٰلِکِ عَنْھَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَصُوْمِیْ عَنْ اُمِّکِ (مسلم) [۲]

ترجمہ: ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے اور ان کے ذمہ نذر (ومنت) کے کچھ روزے تھے، تو کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ بتلاؤ، اگر تمہاری ماں پر کچھ قرضہ ہوتا اور تم اس کو ادا کردیتیں تو کیا ان کی طرف سے وہ ادا ہوجاتا؟ سائلہ نے عرض کیا کہ جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اپنی ماں کی طرف سے روزے بھی رکھ سکتی ہو (مسلم)

(۵)......حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

بَیْنَا اَنَا جَالِسٌ عِنْدَرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذْاَتَتْہُ اِمْرَأَةٌ فَقَالَتْ اِنِّیْ تَصَدَّقْتُ عَلٰی اُمِّیْ بِجَارِیَةٍ وَاِنَّھَامَاتَتْ قَالَ فَقَالَ وَجَبَ اَجْرُکِ وَرَدُّھَا عَلَیْکِ الْمِیْرَاثُ قَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّہٗ کَانَ عَلَیْھَا صَوْمُ شَھْرٍ اَفَاَصُوْمُ عَنْھَا قَالَ صُوْمِیْ عَنْھَا قَالَتْ اِنَّھَالَمْ تَحُجَّ قَطُّ اَفَاَحُجُّ عَنْھَا قَالَ حُجِّیْ عَنْھَا (مسلم) [۳]

---

[۱] فی حاشیة مسند احمد: حدیث صحیح.

[۲] رقم الحدیث ۱۱۴۸ "۱۵۶" کتاب الصیام، باب قضاء الصیام عن المیت.

[۳] رقم الحدیث ۱۱۴۹ "۱۵۷" کتاب الصیام، باب قضاء الصوم عن المیت.

ترجمہ: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک عورت حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا کہ میں نے اپنی ایک باندی اپنی والدہ پر صدقہ کر دی تھی اور اب میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں ثواب مل گیا اور وراثت کے ذریعہ اب وہ باندی پھر تمہاری ملکیت میں آ گئی، پھر اس عورت نے ذکر کیا کہ میری ماں کے ذمہ ایک مہینہ کے روزے بھی تھے تو کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں، ان کی طرف سے روزے رکھ لو، پھر اس عورت نے عرض کیا کہ میری والدہ نے کبھی حج بھی نہیں کیا تو کیا میں ان کی طرف سے حج بھی کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ جی ہاں! حج بھی ان کی طرف سے کر سکتی ہو (مسلم) [۱]

مذکورہ احادیث میں میت کی طرف سے جو روزے رکھنے کا ثبوت ہے، بعض فقہاء نے ان روزوں کو ایصالِ ثواب کے روزے قرار دیا ہے۔ [۲]

---

[۱] اس حدیث کے بارے میں بعض ایصالِ ثواب کے منکرین نے جو مضطرب اور متعارض ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اس کا امام نووی رحمہ اللہ نے جواب دیا ہے۔

چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وأما قول بن عباس إن السائل رجل وفي رواية امرأة وفي رواية صوم شهر وفي رواية صوم شهرين فلا تعارض بينهما فسأل تارة رجل وتارة امرأة وتارة عن شهر وتارة عن شهرين(شرح النووى على مسلم، ج۸ص ۲۶، كتاب الصيام،قضاء الصيام عن الميت)

[۲] بدائع الصنائع میں ہے کہ:

وقول النبى -صلى الله عليه وسلم -لا يصوم أحد عن أحد ولا يصلى أحد عن أحد أى : فى حق الخروج عن العهدة لا فى حق الثواب، فإن من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات أو الأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة (بدائع الصنائع ج۲ ص ۲۱۲، كتاب الحج، فصل نبات الحرم)

اعلاء السنن میں ہے کہ:

واما انا فاقول ان الصوم فى الاحاديث المرفوعة يحمل على المراد به ان الولى يصوم صوم النذر عن الميت لكن لابطريق النيابة عنه بل يصوم لنفسه ثم يوصل ثوابه اليه والقرينة على ذالك الحملى ان الناذرة لم توص فكان هذا تطوعا من الولى لاواجبا،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۶)......حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ مَاتَ وَعَلَیْہِ صِیَامُ شَھْرٍ فَلْیُطْعَمْ عَنْہُ مَکَانَ کُلِّ یَوْمٍ مِّسْکِیْنًا (ترمذی) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص فوت ہوجائے اوراس کے ذمے مہینہ بھر کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر دن کے (روزے) کے بدلے میں ایک مسکین کو (دووقت) کھانا کھلایا جائے (ترمذی)

(۷)......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

لَایُصَلِّیَنَّ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَایَصُوْمَنَّ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلٰکِنْ اِنْ کُنْتَ فَاعِلًا تَصَدَّقْتَ عَنْہُ اَوْ اَھْدَیْتَ (مصنف عبدالرزاق) [2]

ترجمہ: کوئی کسی کے (فرض نماز کے) بدلے میں ہرگز نماز نہیں پڑھ سکتا، اور کوئی کسی کے (فرض روزے کے) بدلے میں ہرگز روزہ نہیں رکھ سکتا، البتہ اگر آپ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ویؤید الحمل علی التطوع قوله علیه السلام فی لفظ البزار ان شآء ،وقدمر قریبا ، والاختلاف فی المقام فی ماکان واجبا فافهم (اعلاء السنن ج۹ص ۱۶۱ ،باب جواز الفدیة عن صوم المیت وانه لایصوم احد عن احد)

اورعلامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وإن صام أو صلی عنه فإن معناه لا یجوز قضاء عما علی المیت، وإلا فلو جعل له ثواب الصوم والصلاۃ یجوز(ردالمحتار،ج۲ص ۴۲۵، کتاب الصوم،فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم)

[1] رقم الحدیث ۷۱۸،ابواب الصوم، باب ما جاء من الکفارۃ؛ ابنِ ماجه، رقم الحدیث ۱۷۵۷؛ صحیح ابنِ خزیمه، رقم الحدیث ۳۰۰۳۔

قال الترمذی:حدیث ابن عمر لا نعرفه مرفوعا إلا من هذا الوجه، والصحیح عن ابن عمر موقوف قوله واختلف أهل العلم فی هذا الباب، فقال بعضهم :یصام عن المیت، وبه یقول أحمد، وإسحاق قالا :إذا کان علی المیت نذر صیام یصوم عنه، وإذا کان علیه قضاء رمضان أطعم عنه ، وقال مالک، وسفیان، والشافعی :لا یصوم أحد عن أحد . وأشعث هو ابن سوار، ومحمد هو عندی ابن عبد الرحمن بن أبی لیلی "

[2] رقم الحدیث ۱۶۳۴۶،کتاب الوصایا،باب الصدقة عن المیت۔

کچھ کرنا چاہیں تو دوسرے کی طرف سے صدقہ (یعنی نماز، روزے کا فدیہ) دے دیں (عبدالرزاق)

اس روایت کی سند صحیح ہے۔ [۱]

(۸)...... حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

لَایُصَلِّیْ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ، وَلَا یَصُوْمُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ، وَلٰکِنْ یُطْعِمُ عَنْهُ مَکَانَ کُلِّ یَوْمٍ مُدَّ حِنْطَةٍ (السنن الکبریٰ للنسائی) [۲]

ترجمہ: کوئی شخص کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ روزہ رکھ سکتا ہے، البتہ دوسرے کی طرف سے ہر دن کے بدلے میں ایک مُد گندم (غریب کو) کھانے کے لئے دے سکتا ہے (نسائی)

(۹)...... امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ کَانَ یُسْأَلُ هَلْ یَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ اَوْ یُصَلِّیْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ فَیَقُوْلُ لَایَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَایُصَلِّیْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ (مؤطا امام مالک) [۲]

ترجمہ: انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا جاتا تھا کہ کیا کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے یا کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے؟ تو وہ جواب میں فرماتے کہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ نہیں رکھ سکتا اور نہ کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے (موطا امام مالک)

---

[۱] ورجالهٗ رجال الصحیح الا عبداللّٰه هذا فانه من رجال مسلم والاربعة وهو مختلف فیه (اعلاء السنن ج۹ ص ۱۵۹، باب جواز الفدیة عن صوم المیت وانه لایصوم احد عن احد)

[۲] رقم الحدیث ۲۹۳۰، کتاب الصیام، باب صوم الحی عن المیت، واللفظ لهٗ؛ مشکل الآثار للطحاوی، ج۶ ص ۱۷۶، السنن الکبریٰ للبیهقی ج۴ ص ۲۵۷.

قال ابن حجر: وروی النسائی بإسناد صحیح عن ابن عباس مثله وزاد ولکن یطعم عنه مکان کل یوم مد من حنطة (الدرایة فی تخریج احادیث الهدایة، ج ۱ ص ۲۹۰)

[۳] رقم الحدیث ۱۰۶۹، کتاب الصوم، باب النذر فی الصیام.

(۱۰)......حضرت عمرہ بنتِ عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ:

سَأَلْتُ عَائِشَةَ فَقُلْتُ لَهَا: إِنَّ أُمِّيْ تُوُفِّيَتْ وَعَلَيْهَا رَمَضَانُ أَيَصْلُحُ أَنْ أَقْضِيَ عَنْهَا؟ فَقَالَتْ: لَا، وَلٰكِنْ تَصَدَّقِيْ عَنْهَا مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ عَلٰى مِسْكِيْنٍ، خَيْرٌ مِّنْ صِيَامِكَ عَنْهَا (مشكل الآثار للطحاوى) [1]

ترجمہ: میں نے حضرت عائشہ سے یہ سوال کیا کہ میری والدہ کی وفات ہوگئی ہے، اوران کے ذمہ رمضان کے روزے تھے،تو کیااس بات کی گنجائش ہے کہ میں ان کی طرف سے قضا روزے رکھ لوں؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نہیں! البتہ آپ ان کی طرف سے ہردن کے (روزے کے) بدلے میں مسکین کو صدقہ دے دیں (جس کی مقدار صدقۂ فطر کے برابر ہو) یہ آپ کے اس کی طرف سے روزہ رکھنے سے بہتر ہے (مشکل الآثار)

جوحضراتِ فقہاء فوت شدہ آدمی کے ذمہ قضا شدہ روزوں کے بارے میں اس کے قائل ہیں کہ اس کی طرف سے بطورِ نیابت دوسرا روزے نہیں رکھ سکتا، ان کا فرمانا ہے کہ صحابہ ایسی بات صرف اپنے اجتہاد اور قیاس سے نہیں فرما سکتے تھے، خصوصاً جبکہ اوپر روزے رکھنے والی دو احادیث بھی حضرت عائشہ اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں، لہٰذا ان احادیث کا ایسا مطلب مراد لینا چاہئے کہ جو ان راویوں کے فتوے کے خلاف نہ ہو، اور وہ مطلب یہ ہے کہ جن احادیث میں روزے رکھنے کا ذکر ہے اس سے مراد روزوں کا بدل یعنی فدیہ دینا ہے۔ [2]

---

[1] ج۶ ص۱۷۸، باب بيان مشكل ماروى فى الواجب فيمن مات وعليه صيام.
وهذا ايضا سند صحيح (الجوهر النقى لابن التركمانى، جزء۴ صفحه ۲۵۷)

[2] چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:
وقد احتج بهذا أصحابنا فى أن المراد بقوله: صام عنه وليه: أى يفعل عنه مايكون بدلا من صيامه، وهو الإطعام الذى ذهبنا إليه، وهما رويا الحديث فى الصوم عنه (معرفة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس باب کا خلاصہ اور متعلّقہ مسائل

خلاصہ یہ کہ روزے رکھ کر تو بلاشبہ دوسرے مسلمان کو ایصالِ ثواب کرنا درست ہے، البتہ فوت شدہ شخص کے ذمہ میں قضا شدہ روزے رکھ کر یا ان کا فدیہ دے کر نیابت کرنے میں فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں، جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

مسئلہ...... کسی دوسرے زندہ شخص کی طرف سے نائب بن کر روزہ رکھنا جائز نہیں، اور فوت ہونے کے بعد بھی یہی حکم ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک اگر کسی شخص کے ذمہ رمضان کے روزے باقی تھے، اور وہ ان کو ادا نہیں

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

السنن والآثار، ج٦ ص ٣١١، کتاب الصیام، باب القضاء عن المیت)

اور ابنِ بطال بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

قال ابن القصار: ومعنى الاحاديث التى احتجوا بها عندنا ان يفعل عنه وليه مايقوم مقام الصيام وهو الاطعام، ويستحب لهم فيصيرون كانهم صاموا عنه (شرح ابن بطال ج٤ ص ١٠٠، كتاب الصيام، باب من مات وعليه صوم)

وقال ابن عمر، وابن عباس، وعائشة :لا يصوم أحد عن أحد، وهو قول مالك، وأبى حنيفة، والشافعى، وحجة هؤلاء أن ابن عباس لم يخالف بفتواه ما رواه إلا لنسخ علمه، وكذلك روى عبد العزيز بن رفيع، عن عمرة، عن عائشة أنها قالت :(يطعم عنه فى قضاء رمضان ولا يصام عنه) (شرح ابن بطال ج٤ ص ١٠٠، كتاب الصيام، باب من مات وعليه صوم)

اور فتح القدیر میں ہے کہ:

وفتوى الراوى على خلاف مرويه بمنزلة روايته للناسخ، ونسخ الحكم يدل على إخراج المناط عن الاعتبار، ولذا صرحوا بأن من شرط القياس أن لا يكون حكم الأصل منسوخا لأن التعدية بالجامع، ونسخ الحكم يستلزم إبطال اعتباره، إذ لو كان معتبرا لاستمر ترتيب الحكم على وفقه.

وقد روى عن عمر -رضى الله عنه -نحوه، أخرجه عبد الرزاق وذكره مالك فى الموطإ بلاغا فقال مالك :ولم أسمع عن أحد من الصحابة ولا من التابعين -رضى الله تعالى عنهم -بالمدينة أن أحدا منهم أمر أحدا أن يصوم عن أحد ولا يصلى عن أحد اهـ.

وهذا مما يؤيد النسخ، وأنه الأمر الذى استقر الشرع عليه آخرا(فتح القدير ج٢ ص ٣٥٩، كتاب الصوم، فصل كان مريضافى رمضان فخاف ان صام)

کرسکا، تو فوت ہونے سے پہلے اس کو روزوں کے فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے۔

لیکن اگر کسی نے وصیت نہیں کی، اور وہ فوت ہوگیا، تو اس کے وارثوں کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ بخوشی اس کے روزوں کا فدیہ ادا کردیں۔ [1]

---

[1] ولو فات صوم رمضان بعذر المرض أو السفر واستدام المرض والسفر حتى مات لا قضاء عليه لكنه إن أوصى بأن يطعم عنه صحت وصيته، وإن لم تجب عليه ويطعم عنه من ثلث ماله فإن برء المريض أو قدم المسافر، وأدرك من الوقت بقدر ما فاته فيلزمه قضاء جميع ما أدرك فإن لم يصم حتى أدركه الموت فعليه أن يوصى بالفدية كذا فى البدائع ويطعم عنه وليه لكل يوم مسكينا نصف صاع من بر أو صاعا من تمر أو صاعا من شعير كذا فى الهداية .فإن لم يوص وتبرع عنه الورثة جاز، ولا يلزمهم من غير إيصاء كذا فى فتاوى قاضى خان .ولا يصوم عنه الولى كذا فى التبيين(الفتاوى الهندية، ج ا ص۲۰۷، كتاب الصوم ،الباب الخامس فى الأعذار التى تبيح الإفطار)

أما العبادات البدنية المحضة كالصلاة والصوم فلا تجوز فيها النيابة حال الحياة باتفاق؛ لقول الله تعالى :(وأن ليس للإنسان إلا ما سعى) ، وقول النبى صلى الله عليه وسلم :لا يصوم أحد عن أحد، ولا يصلى أحد عن أحد ، أى فى حق الخروج عن العهدة، لا فى حق الثواب .أما بعد الممات فكذلك الحكم عند الحنفية والمالكية، إلا ما قاله ابن عبد الحكم من المالكية من أنه يجوز أن يستأجر عن الميت من يصلى عنه ما فاته من الصلوات.

وعند الشافعية لا تجوز النيابة عن الميت فى الصلاة .أما بالنسبة للصوم فعندهم أن من فاته شىء من رمضان، ومات قبل إمكان القضاء ، فلا شىء عليه، أى لا يفدى عنه ولا إثم عليه، أما إذا تمكن من القضاء ، ولم يصم حتى مات، ففيه قولان:

أحدهما أنه لا يصح الصوم عنه، لأنه عبادة بدنية، فلا تدخلها النيابة فى حال الحياة فكذلك بعد الموت.والقول الثانى :أنه يجوز أن يصوم وليه عنه، بل يندب، لخبر الصحيحين أن النبى صلى الله عليه وسلم قال :من مات وعليه صوم صام عنه وليه وهذا الرأى هو الأظهر .قال السبكى :ويتعين أن يكون هو المختار والمفتى به، والقولان يجريان فى الصيام المنذور إذا لم يؤد .

وعند الحنابلة لا تجوز النيابة عن الميت فى الصلاة أو الصيام الواجب بأصل الشرع -أى الصلاة المفروضة وصوم رمضان -لأن هذه العبادات لا تدخلها النيابة حال الحياة، فبعد الموت كذلك.

أما ما أوجبه الإنسان على نفسه بالنذر، من صلاة أو صوم، فإن كان لم يتمكن من فعل المنذور، كمن نذر صوم شهر معين ومات قبل حلوله، فلا شىء عليه، فإن تمكن من الأداء ولم يفعل حتى مات سن لوليه فعل النذر عنه؛ لحديث ابن عباس :جاءت امرأة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله إن أمى ماتت وعليها صوم نذر أفأصوم عنها؟ قال :أرأيت لو كان على أمك دين فقضيتيه أكان يؤدى ذلك عنها؟ قالت :نعم، قال :فصومى عن أمك . ولأن النيابة تدخل فى العبادة بحسب خفتها، والنذر أخف حكما؛ لأنه لم يجب بأصل الشرع .ويجوز لغير الولى فعل ما على الميت من نذر بإذنه وبدون إذنه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲ ص۳۳۵، ماده: اداء، النيابة فى أداء العبادات)

مسئلہ...... جس شخص نے روزے رکھنے کی نذر ومنت مانی، اور وہ اس نذر ومنت کو پورا کرنے سے پہلے فوت ہوگیا، تو بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک بشمول حنفیہ کے اس کی طرف سے نیابۃً روزہ رکھنا تو جائز نہیں، البتہ روزہ کے بدلہ میں فدیہ دینا جائز ہے۔ [1]

[1] اختلف الفقهاء فی حکم من مات وعليه صيام أوجبه على نفسه بالنذر ولم يؤده حتى مات، وعما إذا كان يصام عنه أو يطعم على مذهبين :المذهب الأول :يرى أصحابه أن من مات وعليه صيام منذور فلا يصام عنه وإنما يطعم عنه وليه مكان كل يوم مسكينا، روى هذا عن ابن عمر، وعائشة رضى الله تعالى عنهم، وهو قول الحسن البصرى، والزهرى، وإليه ذهب الحنفية إذا أوصى الناذر به، وتخرج فدية الصيام المنذور من ثلث التركة إن كان له مال، فإن لم يوص به فلا يلزم الوارث إخراج الفدية عنه، وإنما يجوز فقط، فإن تبرع وليه بها عنه جاز وأجزأه، وهذا إذا كان الناذر للصيام صحيحا مقيما عند النذر، فإن نذر الصيام فى أثناء مرضه أو سفره واستمر مرضه أو سفره إلى أن مات، فلا يلزمه شيء ، لأن المريض ليست له ذمة صحيحة فى التزام أداء الصوم حتى يبرأ، وكذلک المسافر لا يلتزم بالصيام حتى يقيم، فإن برأ المريض يوما واحدا، أو أقام المسافر ولو ليوم واحد ولم يصم أى منهما فقد لزمه جميع ما أوجبه على نفسه فى قول أبى حنيفة وأبى يوسف، لأنه بعد البرء أو الإقامة يصير كالمجدد للنذر، إذ الصحيح لو نذر صوم شهر فمات بعد يوم لزمه صوم جميع الشهر.

وقال محمد بن الحسن :يلزمه من الصيام المنذور بقدر ما صح وأقام من أيام، لأنه أدرک من الأيام ما يمكنه الوفاء فيه بما نذر، ولا يلزمه من ذلک إلا بمقدار ما أدرک، فيخرج الولى الفدية على كلا القولين إن أوصى الناذر بذلک، ويجبر على إخراجها من ثلث التركة.

ومذهب المالكية أن من مات قبل أن يصوم ما وجب عليه بالنذر، أطعم عنه وليه من ثلث تركته، إن كان له تركة، إذا أوصى أن يوفى عنه، والقول بالإطعام عمن مات وعليه صيام منذور هو قول الشافعى فى مذهبه الجديد، وهو أشهر قوليه وأصحهما عند جمهور أصحابه، سواء أوصى به أو لم يوص به، هذا إذا كان قد مات بعد التمكن من الصيام ولم يصم حتى مات، فأما إذا مات قبل التمكن من الصيام فلا يصام ولا يطعم عنه.

واستدلوا بما روى عن ابن عباس -رضى الله عنهما -أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال: لا يصلى أحد عن أحد، ولا يصوم أحد عن أحد، ولكن يطعم عنه مكان كل يوم مدا من حنطة وحكى الإمام مالک والماوردى إجماع الصحابة على أنه لا يصام عن الميت ما وجب عليه من الصيام، وممن روى عنهم ذلک ابن عباس -رضى الله عنهما -أنه قال " :لا يصلى أحد عن أحد، ولا يصوم أحد عن أحد "، بعد أن روى عن النبى -صلى الله عليه وسلم -حديث الصوم عن الميت وهو :أن امرأة سألت رسول الله -صلى الله عليه وسلم -عن صيام منذور ماتت أمها قبل أدائه، فأمرها أن تصوم عنها ومنهم أيضا عائشة -رضى الله عنها -أنها قالت " :لا تصوموا عن موتاكم وأطعموا عنهم ، بعد أن روت عن النبى -صلى الله عليه وسلم -حديث الصوم عن الميت وهو أنه

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ بعض فقہائے کرام نزدیک بشمول حنابلہ کے فوت ہونے والے کے وارث کو نذر و منت والے روزہ کو فوت ہونے والے کا نائب بن کر رکھنا جائز ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال :من مات وعليه صيام صام عنه وليه . وفتوى الراوى على خلاف مرويه بمنزلة روايته للناسخ ونسخ الحكم يدل على إخراج المناط عن الاعتبار، ولهذا فقد اشترط فى القياس :أن لا يكون حكم الأصل منسوخا، لأن التعدية بالجامع، ونسخ الحكم يستلزم إبطال اعتباره، إذ لو كان معتبرا لاستمر ترتيب الحكم على وفقه، وممن روى عنهم من الصحابة مثل ذلك عمر -رضى الله عنه - قال الإمام مالك :لم أسمع عن أحد من الصحابة أو التابعين -رضى الله عنهم -بالمدينة، أن أحدا منهم أمر أحدا أن يصوم عن أحد، أو يصلى عن أحد، وهذا مما يؤيد النسخ وأنه الأمر الذى استقر عليه الشرع آخرا وأضافوا :إن الصوم عبادة بدنية لا تدخلها النيابة فى حال الحياة، فكذلك لا تدخلها بعد الموت كالصلاة، وهذا لأن المعنى فى العبادة كونها شاقة على بدنه، ولا يحصل ذلك بأداء نائبه عنه، ولكن يطعم عنه لكل يوم مسكينا، لأنه وقع اليأس عن أداء الصوم فى حقه، فتقوم الفدية مقامه، كما فى حق الشيخ الفانى وقالوا كذلك :إن الصوم عبادة، وكل ما كان كذلك فلا بد فيه من الاختيار، وذلك فى الإيصاء دون الوراثة، لأنها جبرية، ثم هو تبرع ابتداء ، لأن الصوم فعل مكلف به، وقد سقطت الأفعال بالموت، فصار الصوم كأنه سقط فى حق الدنيا، فكانت الوصية بأداء الفدية تبرعا(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰،ص۲۱۵ الى ص۲۱۸،ماده نذر)

[1] المذهب الثانى :يرى من ذهب إليه أن من مات وعليه صيام منذور، فإن وليه يصومه عنه، سواء أوصى به أو لم يوص به، روى هذا عن ابن عباس -رضى الله عنهما، وهو قول الليث بن سعد، وأبى عبيد، والزهرى، وإسحاق، وحماد بن أبى سليمان، وطاوس، وقتادة، وهو قول للشافعى فى مذهبه القديم جزم النووى بصحته، وتابعه فى القول بصحته جماعة من محققى أصحاب الشافعى، إلا أن النووى قال :إنما يصام عن الناذر إذا مات بعد أن تمكن من الصيام ولم يصم، فأما إذا مات قبل إمكان الصيام فلا يصام ولا يطعم عنه، وقال :مذهبنا ومذهب الجمهور أن الوارث لا يلزمه قضاء النذر الواجب على الميت إذا كان غير مالى، أو كان ماليا ولم يترك الميت مالا يقضى منه النذر، إلا أنه يستحب للوارث قضاؤه عنه.

وإلى هذا ذهب الحنابلة، ويرون أنه لا يجب على الولى أن يصوم عن الميت إن لم يخلف تركة، إلا أنه يستحب له ذلك على سبيل الصلة له والمعروف لتفرغ ذمته منه، والأولى -كما قال ابن قدامة -أن يقضى النذر عنه وارثه، فإن قضاه عنه غيره أجزأ عنه، كما لو قضى عنه دينه، فإن خلف تركة وجب صيام النذر عنه، كقضاء الدين، ويستحب للولى أن يصوم عن الميت بنفسه، لأنه أحوط لبراء ة ذمة الميت، فإن لم يفعل وجب أن يدفع من تركته إلى من يصوم عنه عن كل يوم طعام مسكين، لأن ذلك فدية، ويجزء صوم غير الولى سواء أذن فيه الولى أم لم يأذن .

واستدلوا بما ورد عن عائشة -رضى الله عنها -أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال :من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ:..... ایک روزہ کا فدیہ ایک صدقۂ فطر کے برابر ہے۔ ۱؎

پس جتنی مقدار ایک صدقۂ فطر کی ہے، اتنی ہی مقدار ایک روزہ کے فدیہ کی بھی ہے، اور جتنی مقدار تیس فطرانوں کی ہے، اتنی ہی مقدار تیس روزوں کے فدیہ کی ہے۔

البتہ روزہ کے فدیہ میں یہ بھی جائز ہے کہ کوئی صدقۂ فطر کے برابر نقدی یا غلہ دینے کے بجائے غریب کو دووقت کا پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے، ایسی صورت میں غریب دووقت میں جتنا بھی کھانا کھالے، خواہ وہ زیادہ ہو یا تھوڑا، تو وہ ایک روزہ کا فدیہ بن جائے گا۔ ۲؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ مات وعليه صيام صام عنه وليه وبما روى عن ابن عباس -رضى الله عنهما - أنه قال :جاء ت امرأة إلى رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فقالت :يا رسول الله إن أمى ماتت وعليها صوم نذر، أفأصوم عنها؟ قال :أرأيت لو كان على أمك دين فقضيتيه أكان يؤدى ذلك عنها؟ قالت :نعم، قال :فصومى عن أمك وبما روى عن ابن عباس -رضى الله عنهما -أنه قال :إن امرأة نذرت وهى فى البحر، إن نجاها الله أن تصوم شهرا، فأنجاها الله، وماتت قبل أن تصوم، فجاء ت ذات قرابة لها إما أختها أو ابنتها إلى رسول الله -صلى الله عليه وسلم -فأخبرته، فقال :صومى عنها وبما روى عن ابن عباس -رضى الله عنهما -قال :جاء رجل إلى النبى -صلى الله عليه وسلم -فقال :يا رسول الله إن أمى ماتت وعليها صوم شهر، أفأقضيه عنها؟ فقال -صلى الله عليه وسلم : لو كان على أمك دين أكنت قاضيه عنها؟ قال :نعم، قال :فدين الله أحق أن يقضى وبما روى عن ابن عباس -رضى الله عنهما " -أنه سئل عن رجل مات وعليه نذر صوم شهر، وعليه صوم من رمضان؟ فقال :أما رمضان فيطعم عنه، وأما النذر فيصام عنه وبأن الصوم من العبادات البدنية التى لا تقبل النيابة، إلا أن الفرق بين النذر وغيره، أن النيابة تدخل العبادة بحسب خفتها، والنذر أخف حكما من الواجب بأصل الشرع، لكون النذر لم يجب بأصل الشرع، وإنما أوجبه الناذر على نفسه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰،ص۲۱۵ الى ص۲۱۸،ماده نذر)

۱؎ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْأَصْبَهَانِيِّ قَالَ :سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَعْقِلٍ، قَالَ قَعَدْتُ إِلَى كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ هَذِهِ الْآيَةِ، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ وَقَالَ " :أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ كُلَّ مِسْكِينٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ طَعَامٍ(مسند أحمد، رقم الحديث ۱۸۱۱۱)

فى حاشية مسند احمد: إسناده صحيح على شرط الشيخين.

۲؎ يعطى لكل يوم نصف صاع من الحنطة ويجوز فيها ما يجوز فى صدقة الفطر إلا أن فى الفدية يجوز طعام الإباحة أكلتان مشبعتان ولا يجوز ذلك فى صدقة الفطر ومن وجب عليه كفارة اليمين أو القتل إذا لم يجد ما يكفر به وهو شيخ كبير ولم يصم حتى صار شيخاً فانياً لأن الصوم هنا بدل عن غيره ولهذا لا يجوز المصير إلى الصوم إلا عند العجز عن التكفير بالمال(فتاوى قاضى خان، ج۱،ص۱۵۲، كتاب الصوم)

اعتکاف میں نیابت اور ایصالِ ثواب

نیک اعمال اور بدنی عبادات میں سے ایک عمل اعتکاف کا ہے، اس کے ذریعہ سے بھی ایصالِ ثواب کرنا درست ہے۔

(۱)...... حضرت عامر بن مصعب رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

اَنَّ عَائِشَةَ اِعْتَكَفَتْ عَنْ اَخِيْهَا بَعْدَمَا مَاتَ (مصنف ابن ابی شیبة) [۱]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی کی طرف سے ان کے فوت ہونے کے بعد اعتکاف فرمایا (ابنِ ابی شیبہ)

(۲)...... حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ:

اِنَّ اُمَّهٗ نَذَرَتْ تَعْتَكِفُ عَشْرَةَ اَيَّامٍ فَمَاتَتْ، وَلَمْ تَعْتَكِفْ، فَقَالَ: ابْنُ عَبَّاسٍ اِعْتَكِفْ عَنْ اُمِّكَ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [۲]

ترجمہ: ان کی والدہ نے دس دنوں کے اعتکاف کی منت مانی تھی، پھر وہ (منت پوری کرنے سے پہلے) فوت ہوگئیں، اور اعتکاف نہیں کرسکیں، تو اس کے جواب میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ اپنی والدہ کی طرف سے اعتکاف کر لیجئے (ابنِ ابی شیبہ)

اس قسم کی بعض روایات کی سند میں ضعف ہونا نقصان دہ نہیں، کیونکہ مختلف عبادات اور نیک اعمال کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کے صحیح سندوں کے ساتھ ثبوت کے بعد میں مزید دوسری عبادات کے ذریعہ ایصالِ ثواب کے ثبوت کی فرداً فرداً ضرورت نہیں رہ جاتی، لیکن کیونکہ

---

[۱] رقم الحدیث ۹۷۸۸، کتاب الصیام، باب ما قالوا فی المیت یموت وعلیه اعتکاف، سنن سعید بن منصور رقم الحدیث ۴۱۲۔

[۲] رقم الحدیث ۹۷۸۷، کتاب الصیام، باب ما قالوا فی المیت یموت وعلیه اعتکاف۔

ایصالِ ثواب کے منکرین مختلف طریقوں سے یہ دعویٰ کرتے رہتے ہیں کہ ایک شخص کے عمل سے دوسرے کو نفع اور فائدہ نہیں ہوسکتا، اس لئے تائیداً یہ روایات پیش کی جارہی ہیں۔

اس باب کا خلاصہ اور متعلّقہ مسائل

خلاصہ یہ کہ اعتکاف بدنی عبادت ہے، اور بہت سے فقہاء کے نزدیک نماز روزہ کی طرح اعتکاف کے ذریعہ سے بھی دوسرے کو ایصالِ ثواب کرنا درست ہے۔

مسئلہ...... جس شخص نے اعتکاف کی نذر ومنت مانی، اور پھر وہ اس نذر ومنت کو پورا کرنے سے پہلے فوت ہوگیا، تو بعض فقہائے کرام کے نزدیک اس کے وارث کو اس کی طرف سے اعتکاف کرنا جائز ہے، حنابلہ، امام اوزاعی اور حضرت اسحاق کا یہی قول ہے، اور امام شافعی کا بھی ایک قول اسی کے مطابق ہے۔ [1]

اور دیگر فقہائے کرام کے نزدیک بشمول احناف کے مذکورہ صورت میں اعتکاف کرنا تو معتبر نہیں، البتہ اس کے اعتکاف کی طرف سے ہر دن کے بدلہ میں ایک صدقۂ فطر کے برابر فدیہ

---

[1] ثالثا :موت من نذر الاعتكاف قبل فعله :اختلف الفقهاء فى حكم من مات وعليه اعتكاف منذور لم يفعله حتى مات، وذلك على اتجاهات ثلاثة :الاتجاه الأول :يرى أصحابه أن من مات وعليه اعتكاف منذور فإن وليه يعتكف عنه، روى هذا عن ابن عباس وابن عمر وعائشة -رضى الله عنهم -وقال به الأوزاعى، وإسحاق، وهو قول للشافعى، وإليه ذهب الحنابلة، إلا أن اعتكاف الولى عن الميت ليس واجبا عليه، وإنما يستحب له فعله عنه على سبيل الصلة له، والأولى أن يقضيه عنه وارثه، فإن قضاه عنه غير الوارث أجزأ الناذر، كما لو قضى عنه دينه، إذ النذر شبيه بالدين، ولأن ما يقضيه الوارث تبرع منه، وغيره مثله فى التبرع .واستدلوا بما ورد عن ابن عباس -رضى الله عنهما -أن سعد بن عبادة استفتى رسول الله فى نذر كان على أمه فتوفيت قبل أن تقضيه، فأفتاه رسول الله -صلى الله عليه وسلم :أن يقضيه عنها فكانت سنة بعده وبما روى عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة أن أمه نذرت اعتكافا فماتت ولم تعتكف، فسأل إخوته ابن عباس عن ذلك فقال " :اعتكف عنها وصم .

وأنه لما جاز الصيام عن الميت ما وجب عليه بالنذر، فإنه يجوز الاعتكاف عنه كذلك، وذلك لأن كلا من الصيام والاعتكاف كف ومنع(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص۲۱۹و۲۲۰، ماده نذر)

دیا جائے گا۔ ؎1

مسئلہ..... اگر کسی کا مسنون اعتکاف فاسد ہوگیا، تو حنفیہ کے نزدیک اس کی قضا واجب ہے، اور اگر اس نے قضا نہیں کی، یہاں تک کہ اب اتنا ضعف، بڑھاپا یا بیماری پیدا ہوگئی کہ روزہ رکھ کر ادا کرنے کی قدرت نہیں رہی، تو اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک ٹوٹے ہوئے اعتکاف کا فدیہ ادا کرنا یا فوت ہونے سے پہلے فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہوگا، جو کہ ایک صدقۂ فطر کے برابر ہے "لاجل الصوم لا لاجل الاعتکاف" ؎2

؎1 الاتجاه الثاني :يرى من ذهب إليه أن من مات وعليه اعتكاف منذور يطعم عنه، ولا يعتكف عنه، وهو قول الثورى، ومذهب الحنفية أنه يطعم عنه لكل يوم نصف صاع من حنطة إن أوصى الناذر بذلك، ويجبر الوارث على إخراج الفدية في هذه الحالة من ثلث التركة، وإن لم يوص فلا يجبر عليه الوارث، وهذا إذا كان إيجاب الاعتكاف عليه بالنذر في حال الصحة.وأما إذا كان مريضا حين نذر الاعتكاف، ولم يبرأ حتى مات فلا شيء عليه، لأن المريض ليس له ذمة صحيحة في وجوب أداء الاعتكاف، وإن صح يوما ثم مات أطعم عنه عن جميع الأيام التي نذر الاعتكاف فيها في قول أبي حنيفة وأبي يوسف، وقال محمد بن الحسن :يطعم عنه بعدد ما صح من أيام، وهو قياس مذهب المالكية في العبادات البدنية، وهو رواية عن الإمام الشافعي، ويطعم الولي وفقا لهذه الرواية عن اعتكاف يوم بليلته مدا واستدلوا بأن الاعتكاف فرع عن الصوم، ولما كان الصوم الذى وجب على الميت بالنذر تجزء فيه الفدية، فكذلك الاعتكاف يجزء فيه ذلك إذا أوصى به .وبأن الاعتكاف عبادة، وكل ما كان كذلك فلا بد فيه من الاختيار، وهذا يظهر في الإيصاء دون الوراثة، لأنها جبرية، ولأن الاعتكاف عن الميت تبرع ابتداء ، لأنه فعل مكلف به، وقد سقطت الأفعال كلها بموت من وجب عليه ذلك، فصار الاعتكاف كأنه سقط في حق الدنيا، فكانت الوصية بأداء الفدية عنه تبرعا، فيعتبر من ثلث التركة . الاتجاه الثالث :يرى أصحابه أن من مات وعليه اعتكاف منذور، فلا يعتكف عنه، ولا يجزئه ذلك، ولا يطعم عنه ولا يسقط عنه الاعتكاف بالفدية، وهو مشهور مذهب الشافعية، والمعروف من نصوص الشافعي في الأم وغيره واستدلوا بأنه لم يرد عن الشارع ما يفيد جواز الاعتكاف عمن مات وعليه اعتكاف منذور، ولا تجزئه الفدية عن هذا الاعتكاف، لعدم ورود ما يدل على إجزاء الفدية عنه (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۴۰، ص ۲۱۹ و ۲۲۰، ماده نذر)

ولو نذر اعتكاف شهر فمات أطعم لكل يوم نصف صاع من بر أو صاعا من تمر أو شعير إن أوصى كذا في السراجية ويجب عليه أن يوصى هكذا في البدائع وإن لم يوص، وأجازت الورثة جاز ذلك (الفتاویٰ الهندية، ج ۱، ص ۲۱۴، كتاب الصوم، الباب السابع، مسائل في الاعتكاف)

؎2 فإن قدر على قضائه فلم يقضه حتى أيس من حياته؛ يجب عليه أن يوصى بالفدية لكل يوم طعام مسكين لأجل الصوم لا لأجل الاعتكاف كما في قضاء رمضان والصوم المنذور في وقت بعينه (بدائع الصنائع، ج ۲ ص ۱۱۸، كتاب الاعتكاف، فصل بيان حكم الاعتكاف إذا فسد)

قرآن مجید کی تلاوت واذکار کے ذریعہ ایصالِ ثواب

اگرچہ قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر واذکار کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، لیکن بہت سے فقہائے کرام کے نزدیک ان اعمال کے ذریعہ سے بھی ایصالِ ثواب درست ہے۔

جس کی آگے تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(۱)...... حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِقْرَءُوْا یٰسٓ عَلٰی مَوْتَاكُمْ (ابوداؤد) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے مُردوں پر سورہ یٰسین پڑھا کرو

(ابوداؤد)

اگرچہ اس حدیث کی سند پر محدثین نے کلام کیا ہے، اوراس کو ضعیف قرار دیا ہے، لیکن نیک اعمال کے ذریعہ سے دوسروں کو ثواب وفائدہ پہنچنا شریعت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے، اس لئے بطورِ تائید اس روایت کو قبول کیا جاسکتا ہے۔ [2]

---

[1] رقم الحدیث ۳۱۲۱، کتاب الجنائز، باب القرائة عند المیت؛ مسند احمد، رقم الحدیث ۲۰۳۰۱.

[2] روی أنه -صلی الله علیه وسلم -قال :اقرء وا (یس)علی موتاکم .
هذا الحدیث رواه الأئمة أحمد فی مسنده و (لفظه :یس قلب القرآن، لا یقرؤها رجل یرید الله والدار الآخرة إلا غفر له، واقرء وها علی موتاکم) ، وأبو داود وابن ماجه فی سننهما والنسائی فی عمل الیوم واللیلة ، وأبو حاتم بن حبان فی صحیحه ، والحاکم فی مستدرکه من روایة سلیمان التیمی، عن أبی عثمان -ولیس بالنهدی -عن أبیه، عن معقل بن یسار مرفوعا، إلا النسائی وابن حبان فإنهما قالا :عن أبی عثمان، عن معقل، فأسقطا أباه، وأعل هذا الحدیث بالوقف وبالجهالة وبالاضطراب، قال الحاکم :هذا الحدیث أوقفه یحیی بن سعید وغیره عن سلیمان التیمی، والقول فیه قول ابن المبارک؛ إذ الزیادة من الثقة مقبولة .ذکر ذلک فی باب فضائل القرآن من مستدرکه فی ذکر فضائل سور متفرقة، وقال ابن القطان فی علله :إنه حدیث لا یصح؛ لأن أبا عثمان هذا لا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ملحوظ رہے کہ جس طرح یٰسٓ شریف روح نکلنے کے وقت پڑھنا روح نکلنے والے کے لئے فائدہ مند ہے، اسی طرح مرنے کے بعد اس کے لئے پڑھنا بھی فائدہ مند ہے اور یہی ایصالِ ثواب کی بنیاد ہے۔ [۱]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(نعرفه) ولا من روى عنه غير سليمان التيمى، وإذا لم يكن هو معروفا فأبوه أبعد من أن يعرف. وكذا قال المنذرى :أبو عثمان وأبوه ليسا بمشهورين .وخالف فى كلامه على تخريج أحاديث المهذب فقال :إنه حديث حسن رواه (د س ق) ومنهم من قال :عن أبى عثمان عن أبيه .ومنهم من قال :عن (أبى) عثمان عن معقل، من غير ذكر أبيه .قلت :ومنهم من قال :عن رجل عن معقل، وعن رجل عن أبيه (عن معقل) ذكرهما النسائى فى اليوم والليلة ، والثانى :الطبرانى فى أكبر معاجمه وقال النووى فى الخلاصة و شرح المهذب :رواه أبو داود وابن ماجه وفيه مجهولان، ولم يضعفه أبو داود .قلت :أبو عثمان ذكره ابن حبان فى ثقاته ، وعن ابن العربى عن الدارقطنى :إنه حديث ضعيف الإسناد مجهول المتن، ولا يصح فى الباب حديث.

(فوائد) : الأولى :لهذا الحديث طريق آخر، ذكر الحافظ أبو موسى الأصبهانى فى كتابه معرفة الصحابة فى ترجمة سمحج الجنى، ويقال :سمهج بالهاء ، من حديث عبد الله بن الحسين المصيصى قال :دخلت طرسوس فقيل :ها هنا امرأة قد رأت الجن الذى وفدوا إلى رسول الله - صلى الله عليه وسلم -فأتيتها، فأخبرتنى بذلك، وأن سمحج سماه رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-عبد الله، وأنه سمعه يقول :ما من مريض تقرأ عنده ((يس))) إلا مات ريان وحشر يوم القيامة ريان .قال الحافظ :رواه الطبرانى فى آخر النوادر .

الثانية :قال ابن حبان فى صحيحه :قوله : (اقرء وا على موتاكم يس) أراد به من حضرته المنية؛ (لأن الميت يقرأ عليه) ، (قال :وكذلك :لقنوا) موتاكم لا إله إلا الله وهذا الذى قاله فى الأول قاله جماعات (وهو) (متعين) ، ويكون ذلك من باب تسمية الشىء بما يصير إليه .وأما ما قاله فى الثانى :فلا نسلم له، وقد اعترضه فى ذلك المحب الطبرى فقال فى أحكامه :ما قاله فى التلقين فمسلم .وأما فى قراء ة ((يس))) فذلك نافع للمحتضر وللميت.

(الثالثة) : معقل راوى الحديث -هو بفتح أوله وإسكان ثانيه وكسر ثالثه -ابن يسار -بفتح أوله - ومعقل فى الصحابة جماعة :هذا، وابن سنان الأشجعى، وابن خالد -ويقال :خويلد -وغيرهم (البدر المنير، ج۵ص ۱۹۳ تا ۱۹۶، كتاب الجنائز،الحديث الخامس)

[۱] اس مطلق حدیث کو کچھ حضرات نے دوسری مقید روایات کے پیشِ نظر روح نکلنے والے لوگوں پر محمول کیا ہے، کہ جب جانکنی کی حالت ہو اس وقت سورہ یٰسٓ پڑھی جائے، اس سے روح نکلنے میں آسانی ہوتی ہے، لیکن موت کا لفظ حقیقت میں مُردہ کو شامل ہے، لہٰذا اس حدیث سے مُردوں کو تلاوتِ قرآن اور خاص کر سورہ یٰسٓ شریف کے ذریعہ نفع وثواب پہنچانے پر استدلال درست ہے، اور اگر زندوں پر محمول کیا جائے تب بھی مُردوں کو اس کے ذریعہ فائدہ پہنچنے کی نفی نہیں ہوتی، کیونکہ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۲)......حضرت عبدالرحمٰن بن علاء بن لجلاج اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ:

قَالَ لِیْ اَبِیْ :یَابُنَیَّ ،اِذَااَنَا مِتُّ فَالْحِدْنِیْ، فَاِذَا وَضَعْتَنِیْ فِیْ لَحْدِیْ، فَقُلْ: بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ، ثُمَّ سِنَّ عَلَیَّ الثَّرٰی سِنًّا، ثُمَّ اقْرَأْ عِنْدَ رَأْسِیْ بِفَاتِحَۃِ الْبَقَرَۃِ، وَخَاتِمَتِہَا، فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ ذٰلِکَ (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۴۹۱، ج۱۹ص۲۲۰) [1]

ترجمہ: میرے والد نے مجھ سے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے بغلی قبر میں دفن کرنا، پھر جب تم مجھے میری قبر میں رکھو تو:

بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ.

کہنا، پھر مجھ پر مٹی برابر کرنا، پھر میرے سر کے پاس سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات، اور اس کی آخری آیات پڑھنا، بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اس عمل کے ذریعہ زندہ اور مُردہ دونوں کو نفع پہنچانا درست ہے۔

وھو شامل للمیت بل ھو الحقیقۃ فیہ (سبل السلام شرح بلوغ المرام، ج۱ص۵۱۰،کتاب الجنائز، باب ماینتفع بہ المیت من الحی)

واللفظ نص فی الاموات وتناولہ للحی المحتضر مجاز فلا یصار الیہ الا لقرینۃ (نیل الاوطار للشوکانی،ج۶ص۱۱۱ ،کتاب الجنائز، باب من کان آخر قولہ لاالہ الا اللہ وتلقین المحتضر وتوجیہہ)

ومن ذالک ماقالہ المجد فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم (اقرء وا یس علی موتاکم) یشمل المحتضر والمیت قبل الدفن وبعدہ، فبعدالموت حقیقۃ ،وقبلہ مجاز (شرح الکوکب المنیرلابن النجار،ج۳ص۱۹۶، باب العام فی اصطلاح العلماء ،فصل یصح اطلاق جمع المشترک علی معانیہ)

فھذا ھو الصارف عن ظاھر المصنف قلت:یخالف ماتقرر من حمل المطلق علی المقید (حاشیۃ العدوی علی شرح کفایۃ الطالب الربانی،ج۱ص۴۰۹،باب مایفعل بالمحتضر والمیت)

[1] قال الھیثمی: رواہ الطبرانی فی الکبیر،ورجالہ موثقون(مجمع الزوائد،تحت رقم الحدیث ۴۲۴۳ ،باب رش الماء علی القبر)

فرماتے ہوئے سنا ہے (طبرانی)

حضرت علاء بن لجلاج دراصل حضرت لجلاج عامری رضی اللہ عنہ جو کہ صحابی تھے، ان کے بیٹے اور تابعی ہیں، جنہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایات کی ہیں، اوران کو محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ۱

اس روایت کی بعض اسناد میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے بھی اس طرح کی وصیت فرمانے کا ذکر ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ اس روایت کے پہنچنے سے پہلے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ قبر پر قرآن مجید کی تلاوت کو بدعت قرار دیتے تھے، لیکن بعد میں جب یہ روایت اُن کو پہنچی تو اُنہوں نے اس سے رجوع فرمالیا تھا۔ ۲

ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت سے مُردے کو کوئی فائدہ ہوتا ہے، اسی لئے تو مذکورہ صحابی اپنی قبر پر سورہ بقرہ کی آیات پڑھنے کی وصیت فرمائی، اور ایصالِ ثواب کی بنیاد یہی ہے۔

---

۱ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

العلاء بن اللجلاج ،سمع عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ،سمع منہ ابنہ عبدالرحمن(التاریخ الکبیر ج۶ ص۵۰۷)

امام ابنِ حبان ان کو ثقات میں شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

العلاء بن اللجلاج یروی عن عبداللہ بن عمرووعبداللہ بن عمر (ثقات ابنِ حبان ج۵ ص۲۴۵)

اور علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

العلاء بن اللجلاج بسکون الجیم الاولیٰ الشامی یقال انہ اخو خالد ثقة من الرابعة (تقریب التھذیب لابن حجر ج ۱ ص ۴۳۶)

۲ وقال علی بن موسی الحداد: کنت مع أحمد بن حنبل فی جنازة ومحمد بن قدامة الجوھری یقرأ. فلما دفنا المیت جاء ضریر یقرأ عند القبر فقال له أحمد: یا ھذا إن القراء ة علی القبر بدعة. فلما خرجنا من المقابر قال محمد بن قدامة لأحمد: یا أبا عبداللہ، ماتقول فی مبشر بن إسماعیل؟ قال: ثقة. قال: ھل کتبت عنه شیئا؟ قال نعم. قال: أخبرنی مبشر بن إسماعیل عن عبدالرحمن بن العلاء بن الحجاج عن أبیه أنه أوصی إذا دفن أن یقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة وخاتمتھا، وقال: سمعت ابن عمر یوصی بذالک، قال أحمد: فارجع إلی الرجل فقل له یقرأ (التذکرة فی احوال الموتی وامور الآخرة للقرطبی، صفحه ۷۳)

اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی اس سلسلہ میں حدیث آگے آرہی ہے، اور حضرت علاء بن لجلاج نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی صحبت اٹھائی ہے اور ان سے روایات لی ہیں، جس سے گمان یہی ہوتا ہے کہ انہوں نے اس جیسی حدیث کی بنیاد پر ہی یہ وصیت فرمائی تھی۔

(۳)......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ:

اِذَامَاتَ اَحَدُكُمْ فَلَا تَحْبِسُوْهُ وَاسْرِعُوْابِهٖ اِلٰى قَبْرِهٖ وَلْيُقْرَأْ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَعِنْدَ رِجْلَيْهِ بِخَاتِمَةِ الْبَقَرَةِ فِيْ قَبْرِهٖ (شعب الايمان للبيهقى ،رقم الحديث ۸۸۵۴) [۱]

---

[۱] واللفظ لهٗ،المعجم الكبير للطبرانيرقم الحديث ۱۳۶۱۳ ،الامر بالمعروف والنهى عن المنكر لابى بكر بن الخلال رقم الحديث ۲۴۵ ،القراء ة عندالقبور لابى بكر بن الخلال رقم الحديث ۲ .

قال البيهقى:لم يكتب بهذا الاسناد فيما اعلم وقد روينا القراء ة المذكورة فيه عن ابن عمر موقوفا عليه(حواله بالا)

وقال الهيثمى:رواه الطبرانى فى الكبير وفيه يحيىٰ بن عبدالله البابلتى وهوضعيف (مجمع الزوائد تحت رقم الحديث ۴۲۴۲ ،باب رش الماء على القبر)

وقال ايضاً:

ايوب بن نهيک وقدضعفه جماعةووثقه ابن حبان وقال يخطئ(مجمع الزوائد،تحت رقم الحديث ۴۰۲۵، باب فى النوح)

وقال ابن حبان:

يحيىٰ بن عبدالله البابلتى......فهو عندى فيما انفرد به ساقط الاحتجاج وفيما لم يخالف الثقات معتبر به، وفيما وافق الثقات محتج به، ولايتوهم متوهم ان مالم يخالف الاثبات هو ماوافق الثقات لان مايخالف الاثبات هو ماروى من الروايات التى لا اصول لها من حديث رسول اللهﷺ صلى الله عليه وسلم (المجروحين لابن حبان ج۳ص۱۲۷)

وقال ابن حجر:

قال ابن عدى: وليحيىٰ البابلتى عن الاوزاعى احاديث صالحة وفيها افرادات واثر الضعف على حديثه بين (تهذيب التهذيب ج ۱۱ ص ۲۱۱)

وقال الذهبى:

البابلتى الشيخ العالم المحدث(سيراعلام النبلاء ج۱۰ ص۳۱۸)

وقال الحافظ ابن حجر :

اخرجه الطبرانى باسناد حسن (فتح البارى لابنِ حجر، ج۳ص۱۸۴ ، باب السرعة بالجنازة)

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی فوت ہوجائے تو اس کو نہ روکو، اور اس کو قبر کی طرف جلدی پہنچاؤ، اور اس کی قبر کے سر کی طرف سورہ فاتحہ اور اس کے پاؤں کی طرف سورہ بقرہ کی آخری آیات پڑھو (شعب الایمان)

(۴)......جلیل القدر تابعی حضرت شعبی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

كَانَتِ الْاَنْصَارُ اِذَا مَاتَ لَهُمُ الْمَيِّتُ اِخْتَلَفُوْا اِلٰى قَبْرِهٖ يَقْرَءُوْنَ عِنْدَهُ الْقُرْآنَ (القراءة عند القبور) [1]

ترجمہ: انصار میں جب کوئی فوت ہوجاتا تو وہ اُس کی قبر پر جا کر قرآن پڑھا کرتے تھے (القرأۃ)

(۵)......اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ:

كَانَتِ الْاَنْصَارُ تَسْتَحِبُّ اَنْ يُّقْرَاَ عِنْدَ الْمَيِّتِ بِسُوْرَةٍ مِّنَ الْقُرْآنِ (شرح اعتقاد اهل السنة والجماعة للالكائی) [2]

ترجمہ: انصار اس بات کو مستحب سمجھتے تھے کہ میت کے نزدیک قرآن مجید کی کوئی سورت پڑھی جائے (شرح اعتقاد اہل السنۃ)

(۶)......اور حضرت شعبی رحمہ اللہ ہی سے روایت ہے کہ:

كَانَتِ الْاَنْصَارُ يَقْرَاُوْنَ عِنْدَ الْمَيِّتِ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ (مصنف ابنِ ابی شیبة) [3]

ترجمہ: انصار فوت شُدہ شخص (کی قبر) کے پاس سورہ بقرہ پڑھا کرتے تھے (ابنِ ابی شیبہ) [4]

---

[1] صفحة ۸۹، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، الامر بالمعروف والنهى عن المنكر، باب القرائة عند القبور، لابى بكر بن الخلال.

[2] رقم الحديث ۲۱۷۶، ج۶ ص ۱۲۲۷، الناشر: دار طيبة - السعودية.

[3] رقم الحديث ۱۰۹۵۳، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند المريض إذا حضر.

[4] ابنِ ابی شیبہ نے اس سند کے ساتھ اس روایت کو بیان کیا ہے کہ:

حدثنا حفص بن غياث عن المجالد عن الشعبى الخ (مصنف ابنِ ابى شيبة، حواله بالا)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۷)......حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ان میں سے حفص بن غیاث تو ثقہ ہیں، اور حضرت شعبی معتبر تابعین میں سے ہیں، اور مجالد بن سعید صغارِ تابعین میں سے ہیں، جن کو لین قرار دیا گیا ہے، البتہ بعض نے ثقہ قرار دیا ہے، مگر اس روایت میں یہ لین ان شاء اللہ مضر نہ ہوگا۔

حفص بن غياث بن طلق بن معاوية النخعي أبوعمر الكوفي. قاضيها وقاضي بغداد أيضاً .... وقال العجلي: ثقة مأمون فقيه (طبقات الحفاظ، جزء ١ صفحه ١٣٠، تحت رقم الترجمة ٢٦٧)

مجالد بن سعيد بن عمير بن بسطام، ويقال: ابن ذى مران بن شرحبيل، العلامة المحدث، ابوعمرو، ويقال: ابوعمير، ويقال: ابوسعيد الكوفى الهمدانى، والد اسماعيل بن مجالد، حدث عن الشعبى الخ ......ولد فى ايام جماعة من الصحابة، ولكن لاشيئ له عنهم، ويدرج فى عداد صغار التابعين، وفى حديثه لين...... وقال النسائى ثقة، وقال مرة: ليس بالقوى (سير اعلام النبلاء ج٦ ص ٢٨٤ تا ٢٨٦ ملخصاً)

الشعبى: عامر بن شراحيل، ابوعمرو الشعبى، من شعب همدان، علامة اهل الكوفة، ولد فى وسط خلافة عمر بن الخطاب، وروى عن علي يسيرا وعن المغيرة بن شعبة وعمران بن حصين وعائشة وابى هريرة وجرير البجلى وعدى بن حاتم وابن عباس ومسروق وخلق كثير (الوافى بالوفيات ج٥ ص ٣٢٢)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من مر على المقابر وقرأ قل هو الله أحد إحدى عشرة مرة، ثم وهب أجره للأموات أعطى من الأجر بعدد الأموات (فضائل سورة الاخلاص للحسن الخلال، رقم الحديث ٥٣)

مگر بعض نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

قال الالبانى: قلت وهذا موضوع آفته الغازى (السلسلة الضعيفة، تحت رقم الحديث ٣٢٧٧)

بشرطِ ثبوت اس پر یہ اعتراض فضول ہے کہ مُردے تو غیر مسلم بھی ہوتے ہیں تو کیا ان کی تعداد بھی اس میں شامل ہوگی؟ کیونکہ ایصالِ ثواب مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے، اور کیونکہ اس روایت کے شروع میں "مقابر" کا لفظ ہے، جس سے ظاہر ہے کہ قبرستان میں مدفون جتنے مسلمانوں کو ایصالِ ثواب کرے گا، ان کے برابر ثواب ملے گا۔

اور اس مفہوم کی تائید اُس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں مؤمنین اور مؤمنات کے لیے استغفار کرنے کی صورت میں اُن کی تعداد کے برابر ثواب اور نیکی حاصل ہونے کا ذکر ہے، کیونکہ دونوں جگہ اپنے عمل سے مُردوں کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے۔

من استغفر للمؤمنين والمؤمنات كتب الله له بكل مؤمن ومؤمنة حسنة (مسند الشاميين للطبرانى، رقم الحديث ٢١٥٥)

قال الهيثمى: رواه الطبرانى واسنادهُ جيد (مجمع الزوائد، تحت رقم الحديث ١٧٥٩٨، باب فيمن علم أن الله يغفر الذنب)

اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَکَّلَ بِعَبْدِہِ الْمُؤْمِنِ مَلَکَیْنِ یَکْتُبَانِ عَمَلَہٗ، فَاِذَا مَاتَ قَالَ الْمَلَکَانِ اللَّذَانِ وُکِّلَا بِہٖ یَکْتُبَانِ عَمَلَہٗ: قَدْ مَاتَ، فَأْذَنْ لَّنَا اَنْ نَّصْعُدَاِلَی السَّمَاءِ ، فَیَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ: سَمَائِیْ مَمْلُوْءَ ۃٌ مِنْ مَلَائِکَتِیْ یُسَبِّحُوْنِیْ، فَیَقُوْلَانِ: أَفَنُقِیْمُ فِی الْاَرْضِ؟ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ: اَرْضِیْ مَمْلُوْءَ ۃٌ مِنْ خَلْقِیْ یُسَبِّحُوْنِیْ فَیَقُوْلَانِ: فَأَیْنَ؟ فَیَقُوْلُ: قُوْمَا عَلٰی قَبْرِ عَبْدِیْ اَوْ عِنْدَ قَبْرِ عَبْدِیْ ،فَسَبِّحَانِیْ، وَاَحْمِدَانِیْ، وَکَبِّرَانِیْ، وَاکْتُبَاھٰذِہٖ لِعَبْدِیْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ (العظمۃ لابی الشیخ الاصبہانی) ؎

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندے کے ساتھ دوفرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے، جواس کے (خیروشر والے) اعمال لکھتے رہتے ہیں، پس جب یہ انسان

؎ رقم الحدیث ۵۰۳، ج۳ص ۹۷۹، الناشر: دار العاصمۃ -الریاض، واللفظ لہٗ، شعب الایمان للبیہقی باضافۃ " وھللانی"،فصل فیما یقول العاطس فی جواب التشمیت ،رقم الحدیث ۹۴۶۲.

وقال البیہقی:

قال الشیخ :تفردبہ عثمان بن مطر، ولیس بالقوی وروی عن اسحاق بن ابراھیم الحنظلی، عن المؤمل بن اسماعیل عن حماد، عن ثابت، عن انس قال:قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکرہ،وھوفیما انبأنی ابوعبداللہ الحافظ، نا احمد بن عثمان الزاھد، نا ابوالعباس محمد بن شاذان النیسابوری، نا اسحاق بن ابراھیم الحنظلی فذکرہ، وھذا بھذاالاسناد غریب واللہ اعلم وروی عن انس بن مالک نحو روایۃ من مضی (شعب الایمان للبیہقی حوالہ بالا،فصل فیما یقول العاطس فی جواب التشمیت)

قال السیوطی:

مدار حدیث ابی بکر وابی سلیمان علی عثمان وھو متروک وعثمان بن مطر قال ابن حبان یروی الموضوعات عن الاثبات لایحل الاحتجاج بہ قلت اخرجہ ابوالشیخ فی العظمۃ والبیہقی فی شعب الایمان من وجہ آخر عن عثمان ولم ینفرد بہ عثمان بل تابعہ الھیثم بن حماد عن ثابت البنانی عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ (اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ للسیوطی ج۲ص ۳۵۹)

قال الحافظ احمد بن ابی بکر بن اسماعیل البوصیری:

رواہ احمد بن منیع ولہ شاھد من حدیث عبداللہ مسعود وتقدم فی قیام اللیل (اتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ ،ج۲ص ۴۵۱، تحت رقم الحدیث ۱۸۲۸)

فوت ہو جاتا ہے تو یہ دونوں فرشتے جو اُس مؤمن بندے کے ساتھ اعمال لکھنے کے لیے مقرر کر رکھے ہیں، کہتے ہیں کہ (یااللہ) یہ شخص تو اب وفات پاچکا ہے، آپ ہمیں اجازت مرحمت فرمائیں کہ ہم آسمان کی طرف عروج کریں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا آسمان میری تسبیح بیان کرنے والے میرے فرشتوں سے پُر ہے، تو وہ عرض کرتے ہیں کہ کیا ہم زمین پر ٹھہرے رہیں؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زمین بھی میری تسبیح کرنے والی میری مخلوق سے بھری ہوئی ہے (جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر چیز تسبیح بیان کرتی ہے) تو وہ عرض کرتے ہیں کہ (ہم تسبیح) کہاں پر کریں؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم میرے بندے کی قبر پر یا اس کے پاس (راوی کو شک ہے) رکے رہو اور میری تسبیح (مثلاً سبحان اللہ) اور میری تحمید (مثلاً الحمد للہ) اور میری تکبیر (مثلاً اللہ اکبر اور ایک روایت میں ہے کہ میری تہلیل یعنی لا الہ الا اللہ) کہتے رہو، اور یہ سب میرے (اس) بندے کے لئے قیامت تک کے لئے لکھتے رہو (العظمہ)

(۸)...... حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اِذَا قَبَضَ اللّٰهُ رُوْحَ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ صَعِدَ مَلَكَاهُ اِلَى السَّمَاءِ فَقَالَا يَا رَبَّنَا وَكَّلْتَنَا بِعَبْدِكَ الْمُؤْمِنِ نَكْتُبُ عَمَلَهُ: وَقَدْ قَبَضْتَهُ اِلَيْكَ، فَأْذَنْ لَّنَا نَسْكُنَ السَّمَاءَ، فَقَالَ: سَمَائِيْ مَمْلُوْءَةٌ مِّنْ مَلَائِكَتِيْ يُسَبِّحُوْنَنِيْ، فَيَقُوْلَانِ: فَأْذَنْ لَّنَا نَسْكُنَ الْاَرْضَ؟ فَيَقُوْلُ: اَرْضِيْ مَمْلُوْءَةٌ مِنْ خَلْقِيْ يُسَبِّحُوْنَنِيْ وَلٰكِنْ قُوْمَا عَلٰى قَبْرِ عَبْدِيْ، فَسَبِّحَانِيْ، وَهَلِّلَانِيْ، وَكَبِّرَانِيْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَاكْتُبَاهُ لِعَبْدِيْ (حلية الاولياء لابی نعيم) [1]

[1] الجزء السابع، صفحه ۲۵۳، تحت ترجمة مسعر بن كدام.
قال ابو نعيم: غريب تفرد به سعدان عن اسماعيل (حواله بالا)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ آپ فرمارہے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندے کی روح کو قبض فرمالیتے ہیں، تو اُس بندے کے (ساتھ زندگی میں مقرر) دوفرشتے آسمان کی طرف چڑھتے ہیں، اورعرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! آپ نے ہمیں اپنے فلاں مؤمن بندے کے لیے مقرر کررکھا تھا، ہم اس کے (خیر وشر والے) اعمال لکھتے تھے، اوراب آپ نے اس کی روح کو قبض فرمالیا ہے، پس اب ہمیں آسمان میں سکونت کی اجازت دیجئے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا آسمان میرے فرشتوں سے پُر ہے، جو میری تسبیح بیان کرتے ہیں، تو وہ دونوں فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ہمیں زمین پر ٹھہرنے کی اجازت دیدیجیے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زمین بھی میری تسبیح کرنے والی مخلوق سے بھری ہوئی ہے (جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر چیز تسبیح بیان کرتی ہے) البتہ تم میرے بندے کی قبر پر ٹھہرے رہو، اور قیامت تک میری تسبیح اور میری تہلیل اور میری تکبیر کرتے رہو، اوراس کو میرے (اس) بندے کے لئے لکھتے رہو (حلیۃ الاولیاء)

قرآن مجید کی تلاوت بھی ذکر میں داخل ہے، اورآخر کی دوحدیثوں سے فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے ذریعے سے فوت شدہ مومن صالح بندے کو نفع پہنچنے کا ثبوت ہے۔

لہٰذا قرآن مجید اور دوسرے اذکار کے ذریعے فوت شدہ مؤمن بندے کو فائدہ پہنچانا درست ہے، اوراسی کو ایصالِ ثواب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۹)...... ابن الفراء روایت کرتے ہیں کہ:

حَدَّثَنِی الْحَسَنُ بْنُ مِهْرَانَ بْنِ الْوَلِیْدِ الْاَصْبَهَانِیُّ قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اَحْمَدَ الْمَرْوَرُوْذِی یَقُوْلُ سَمِعْتُ اَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ یَقُوْلُ اِذَا دَخَلْتُمُ الْمَقَابِرَ فَاقْرَؤُوْا آیَةَ الْکُرْسِیِّ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَقُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ

ثُمَّ قُوْلُوْ اَللّٰھُمَّ فَضِّلْهُ لِاَهْلِ الْمَقَابِرِ (طبقات الحنابلة لابن ابی یعلیٰ المعروف بابن الفراء، ج ا ص ۲۶۱)

ترجمہ: مجھ سے حسن بن مہران بن ولید اصبہانی نے بیان کیا، کہ میں نے محمد بن احمد مرورودی سے سنا، جنہوں نے فرمایا کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا، جنہوں نے فرمایا کہ جب تم قبرستان میں داخل ہوتو تین مرتبہ آیۃ الکرسی اور قل ہو اللہ احد پڑھو اور پھر کہو کہ یا اللہ قبرستان والوں کو اس کی فضیلت عطا فرمادیجئے (طبقات الحنابلہ) [1]

(۱۰)...... نیز ابن الفراء ہی روایت کرتے ہیں کہ:

وَرَوٰی اَبُوْبَکْرٍ فِی الشَّافِیِّ قَالَ: مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ الْمَرُوَرُوْذِیُّ سَمِعْتُ اَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ یَقُوْلُ اِذَا دَخَلْتُمُ الْمَقَابِرَ فَاقْرَؤُوْا بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ وَالْمُعَوَّذَتَیْنِ وَقُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ وَاجْعَلُوْا ثَوَابَ ذَالِکَ لِاَهْلِ الْمَقَابِرِ فَاِنَّهٗ یَصِلُ اِلَیْهِمْ (طبقات الحنابلة لابن ابی یعلیٰ المعروف بابن الفراء، ج ا ص ۲۶۱)

ترجمہ: اور شافی نے روایت کیا کہ محمد بن احمد مرورودی نے فرمایا کہ میں نے امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ جب تم قبرستان میں داخل ہوتو سورہ فاتحہ اور معوذتین اور قل ہو اللہ احد پڑھو اور اس کا ثواب قبر والوں کے لئے کر دو تو ان کو اس کا ثواب پہنچ جاتا ہے (طبقات الحنابلہ)

(۱۱)...... اور ابو بکر بن خلال روایت کرتے ہیں کہ:

اَخْبَرَنِیْ الْحَسَنُ بْنُ الْهَیْثَمِ قَالَ: کَانَ خَطَّابُ یَجِیْئُنِیْ وَیَدُهٗ مَعْقُوْدَةٌ،

---

[1] وروی ابوبکرفی الشافی قال: محمد بن احمد المرورودی سمعت احمد بن محمد بن حنبل یقول اذا دخلتم المقابر فاقرؤا آیة الکرسی ثلاث مرات و قل هو اللّٰه احد ثم قولوا اللهم ان فضله لاهل المقابر (طبقات الحنابلة لابن ابی یعلیٰ ج ا ص ۲۶۴)

وَيَقُوْلُ: اِذَاوَرَدْتَّ الْمَقَابِرَ فَاقْرَأْ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، وَاجْعَلْ ثَوَابَهَا لِاَهْلِ الْمَقَابِرِ (القراءة عندالقبور) ؎۱

ترجمہ: مجھے حسن بن ہیثم نے خبر دی کہ خطاب (بن بشر) میرے پاس آتے تھے اور وہ اپنے ہاتھ سے (مخصوص طریقہ پر) گنتی کر رہے ہوتے تھے، اور وہ فرماتے تھے کہ جب آپ قبرستان سے گزریں تو قل ھواللہ احد پڑھیں اور اس کا ثواب قبر والوں کے لئے کر دیں (القراءۃ عندالقبور) ؎۲

(۱۲)...... حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

دَخَلْتُ الْمَقْبَرَةَ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، فَاِذَا اَنَا بِنُوْرٍ مُشْرِقٍ فِيْهَا، فَقُلْتُ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نَرٰى اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ غَفَرَ لِاَهْلِ الْمَقَابِرِ، فَاِذَا اَنَا بِهَاتِفٍ يَهْتِفُ مِنَ الْبُعْدِ وَهُوَ يَقُوْلُ: يَامَالِكَ بْنَ دِيْنَارٍ! هٰذِهٖ هَدِيَّةُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِلٰى اِخْوَانِهِمْ مِنْ اَهْلِ الْمَقَابِرِ، قُلْتُ: بِالَّذِيْ اَنْطَقَكَ اَلَا اَخْبَرْتَنِيْ مَاهُوَ؟ قَالَ: رَجُلٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَامَ فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ، فَاَسْبَغَ الْوُضُوْءَ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، وَقَرَأَفِيْهِمَا فَاتِحَةَ الْكِتَابِ، وَقُلْ يَااَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ، وَقُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ، وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ قَدْ وَهَبْتُ ثَوَابَهَا لِاَهْلِ الْمَقَابِرِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ، فَاَدْخَلَ اللّٰهُ عَلَيْنَا الضِّيَاءَ وَالنُّوْرَ وَالْفُسْحَةَ وَالسُّرُوْرَ فِي الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، قَالَ مَالِكٌ: فَلَمْ اَزَلْ اَقْرَؤُهُمَا فِيْ كُلِّ لَيْلَةِ

؎۱ صفحة ۹۰، الناشر: دارالكتب العلمية، بيروت، الامر بالمعروف والنهى عن المنكر، باب القراءة عند القبور، لابى بكر بن الخلال .

؎۲ خطاب بن بشر بن مطر ابوعمر البغدادى المذكر، وهو اخو محمد بن بشير وكان الاكبر حدث عن عبدالصمد بن النعمان ومن بعده، روى عنه احمد بن محمد بن اسماعيل الادمى ومحمدبن مخلد الدورى وذكر انه مات فى المحرم اربع وستين ومائتين، وذكره ابوبكر الخلال فقال: كان رجلا صالحا يقص على الناس وقد سمعت منه حديثا وكنت اذا سمعت كلامه كانه نذير قوم واحسب انه كان آخر القصاص الذين يفرح بهم ويعتد بقولهم وكان عنده عن ابى عبدالله مسائل حسان صالحة الخ (طبقات الحنابلة ج ا ص ۱۵۰، باب الخاء)

جُمُعَةٍ،فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَنَامِيْ يَقُوْلُ لِيْ:يَامَالِكَ بْنَ دِيْنَارٍ ! قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ بِعَدَدِ النُّوْرِ الَّذِيْ اَهْدَيْتَهٗ اِلٰى اُمَّتِيْ، وَلَكَ ثَوَابُ ذٰلِكَ، ثُمَّ قَالَ لِيْ:وَبَنَى اللّٰهُ لَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ فِيْ قَصْرٍ، يُقَالُ لَهٗ:اَلْمَنِيْفُ قُلْتُ:وَمَا الْمَنِيْفُ؟قَالَ:اَلْمَطَلُ عَلٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ (کتاب شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ والقبور للسیوطی ص ۲۹۱)

ترجمہ: میں جمعہ کی رات کو قبرستان گیا، دیکھا کہ وہاں نور چمک رہا ہے، میں نے یہ خیال کرتے ہوئے لا الٰہ الا اللہ پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے قبرستان والوں کو بخش دیا ہے،تو اچانک مجھے دُور سے ایک غیب سے آواز دینے والے کی آواز آئی کہ اے مالک بن دینار! یہ مسلمانوں کا اپنے قبر والے بھائیوں کے پاس بھیجا ہوا تحفہ ہے، میں نے کہا کہ تم کو اللہ کی قسم ہے مجھ کو بتاؤ یہ کیسا تحفہ ہے؟ کہا ایک مومن نے اس رات میں قیام کیا ، پس اچھی طرح وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی، پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد قل یاایہا الکافرون اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد قل ہو اللہ احد پڑھا اور کہا کہ اے اللہ! اس کا ثواب اس قبرستان کے مسلمانوں کو میں نے بخش دیا، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم پر روشنی اور نور کو بھیجا، اور ہماری قبروں کو کشادہ کیا، اور مشرق و مغرب میں مسرّت بھیجی، مالک بن دینار کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں ہمیشہ جمعہ کی رات کو اسی طرح سے دو رکعت نماز پڑھ کر مُردوں کو بخشتا رہا، پس (اسی دوران) میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خواب میں دیکھا، آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے مالک بن دینار جس قدر تم نے میری امت کے لئے نور کا تحفہ بھیجا ہے، اس کی گنتی کے موافق اللہ تعالیٰ نے تمہاری مغفرت کی، اور اسی قدر تم کو بھی ثواب دیا، پھر مجھ سے فرمایا کہ اور تمہارے لئے جنت کے محل میں

ایک مکان تیار کیا ہے، جس کا نام "منیف" ہے، تو میں نے عرض کیا کہ "منیف" کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنتیوں کا بالا خانہ (شرح الصدور)

اگر چہ خواب بذاتِ خود حجت نہ ہو، لیکن اُصولِ شریعت کے تحت بطور تائید اس سے استشہاد کیا جاسکتا ہے۔

ممکن ہے کہ مذکورہ احادیث وروایات کی بعض اسناد میں ضعف ہو، لیکن اس قسم کی احادیث وروایات کو جمع کرنے سے اتنی بات ضرور مفہوم ہوتی ہے کہ قرآن مجید اور ذکر واذکار کے ذریعے سے ایصالِ ثواب کرنے کی اصل موجود ہے، اور جب دوسری عبادات کے ذریعے ایصالِ ثواب والی روایات کو اِن مذکورہ روایات کے ساتھ جمع کیا جائے تو اس مسئلے کو اور زیادہ قوت حاصل ہوجاتی ہے۔

اس کے علاوہ بہت سے فقہائے کرام نے بھی اس قسم کی احادیث وروایات کو مستدل بنایا ہے، اور قرآن مجید کی تلاوت کے ذریعے سے ایصالِ ثواب پر اتفاق کیا ہے (جس کی تفصیل ہم نے اپنے مقام پر ذکر کردی ہے)

اور مسلمانوں کا اس پر بغیر نکیر کے عمل رہا ہے، جس سے ان احادیث وروایات کو ایک درجے میں تلقی بالقبول حاصل ہوجاتی ہے، جو کہ اسناد میں ضعف کے تحمل بلکہ ضعف کے مرتفع ہونے کی مستقل دلیل ہے۔ [1]

---

[1] چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لافرق فی نقل الثواب بین أن یکون عن حج او صدقة او وقف او دعاء او قراء ة وبالاحادیث التی ذکرھا وھی وان کانت ضعیفة فمجموعھا یدل علی أن لذالک اصلا، وبأن المسلمین مازالوا فی کل عصر یجتمعون ویقرؤون لموتاھم من غیر نکیر فکان ذالک اجماعا ذکر ذالک کله الحافظ شمس الدین بن عبدالواحد المقدسی الحنبلی فی جزء الفه فی المسئلة (شرح الصدور صفحه ۲۹۵، الباب الواحد والخمسون، باب فی قراء ة القرآن للمیت او علی القبر)

اور علامہ ابنِ قدامہ حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ولنا ماذکرناہ وانه اجماع المسلمین فانھم فی کل عصر ومصر یجتمعون ویقرؤون

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور عقل وقیاس کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جس طرح روزے وغیرہ کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

القرآن ویھدون ثوابہ الیٰ موتاھم من غیرنکیر (المغنی لابنِ قدامۃ، ج۲ص۴۲۴، کتاب الجنائز، فصل ای قربۃ فعلھا وجعل ثوابھا للمیت نفعہ ذالک)

اور امام کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وعليه عمل المسلمين من لدن رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى يومنا هذا من زيارة القبور وقراءة القرآن عليها والتكفين والصدقات والصوم والصلاة وجعل ثوابها للأموات، ولا امتناع في العقل أيضاً لأن إعطاء الثواب من الله تعالىٰ إفضال منه لا استحقاق عليه، فله أن يتفضل على من عمل لأجله بجعل الثواب له كما له أن يتفضل بأعطاء الثواب من غير عمل رأسا (بدائع الصنائع، ج۲ص ۲۱۲، کتاب الحج، فصل فی نبات الحرم)

اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

سئل عمن(ھلل سبعین الف مرۃ واھداہ للمیت یکون براءۃ للمیت من النار)حدیث صحیح ؟ام لا؟واذاھلل الانسان واھداہ الی المیت یصل الیہ ثوابہ ام لا؟

الجواب اذا ھلل الانسان ھکذاسبعین الفاًاو اقل او اکثر،واھدیت الیہ نفعہ اللہ بذلک،ولیس ھذاحدیثاصحیحاًولاضعیفاًواللہ اعلم(الفتاوی الکبری لابن تیمیۃ ج ۳ ص ۳۸،کتاب الجنائز)

سئل عن قراءۃ اھل المیت تصل الیہ؟والتسبیح والتحمیدوالتھلیل والتکبیراذااھداہ الی المیت یصل الیہ ثوابھاام لا؟

الجواب :یصل الی المیت قراءۃ اھلہ وتسبیحھم وتکبیرھم وسائرذکرھم للّٰہ تعالیٰ اذا اھدوہ الی المیت وصل الیہ واللہ اعلم(الفتاوی الکبری لابن تیمیۃ، ج ۳ ص۳۸،کتاب الجنائز)

اور علامہ ابنِ حاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لوقرأ فی بیتہ واھدی لہ لوصلت ، وکیفیۃ وصولھا انہ اذا فرغ من تلاوتہ وھب ثوابھا لہ، او قال:اللھم اجعل ثوابھا لہ فان ذالک دعاء بالثواب ، لان یصل الی اخیہ، والدعاء یصل بلاخلاف، واذاکان کذالک فلایحتاج ان یقرأ علی القبور(المدخل لابن الحاج ج ۱ ص ۲۶۶،فصل زیارۃ سید الاولین والآخرین)

علامہ سیوطی شافعی، علامہ ابنِ قدامہ حنبلی اور امام کاسانی حنفی رحمہم اللہ کے ان الفاظ سے کہ "فی کل عصر ومصر" "وعليه عمل المسلمين من لدن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إلى يومنا هذا "منکرینِ ایصالِ ثواب کے اس شبہ کا جواب ہوگیا جوانہوں نے اس موقع پر کیا ہے کہ ایصالِ ثواب کا نظریہ صرف ہندو پاکستان اور اس علاقے کے لوگوں میں پایا جاتا ہے، جہاں جہاں ایرانیوں کا اثر رہا ہے، اور جہاں جہاں اسلام عجمیوں کے ذریعہ پھیلا (ملاحظہ ہو: عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں ص۲۱، اشاعتِ ہفتم، ربیع الاول ۱۴۱۷، اگست 1996ء، ناشر: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی)

درست ہے، اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ کے ذریعہ سے بھی ایصالِ ثواب درست ہونا چاہئے، کیونکہ دونوں بدنی عبادات ہیں، اور روزہ تو کھانے پینے کے چھوڑنے کا نام ہے، جب اس کے ذریعہ سے بھی ایصالِ ثواب درست ہے تو تلاوت کے ذریعہ سے کیونکر درست نہ ہوگا، کیونکہ اس میں کسی چیز کو چھوڑا بھی نہیں جاتا بلکہ عمل کیا جاتا ہے۔ [1]

مگر تلاوت واذکار، بلکہ شریعت کے ہر عمل کے عبادت بننے اور ثواب حاصل ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس عمل کو اخلاص کے ساتھ، رسم ورواج اور نمود ونمائش سے بالاتر ہو کر انجام دیا جائے، اور اپنی طرف سے کوئی بدعت شامل نہ کی جائے، جیسا کہ آج کل کی قرآن خوانی اور ختم وغیرہ میں عام طور پر ایسی چیزیں شامل ہوتی ہیں، جن کا ذکر آگے آتا ہے۔

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

---

[1] وفی شرح العقیدةالطحاویة:
وقد نبه الشارع بوصول ثواب الصوم علی وصول ثواب القراء ة ونحوها من العبادات البدنیة ،یوضحه: ان الصوم کف النفس عن المفطرات بالنیة ، وقد نص الشارع علی وصول ثوابه الی المیت، فکیف بالقراء ة التی هی عمل ونیة (شرح العقیدةالطحاویة ص ۴۶۱)

ایصالِ ثواب کا ثبوت قدرِ مشترک تواتر سے ہے

مالی و بدنی اور دونوں کے مجموعہ والی عبادات کے ذریعہ ایصالِ ثواب کرنے کے متعلق جتنی احادیث وروایات پیش کی گئی ہیں وہ اگرچہ الگ الگ ''خبرِ واحد'' کا درجہ رکھتی ہیں جن سے ظنی درجہ کا علم حاصل ہوتا ہے۔

لیکن ان سب سے بطور ''قدرِ مشترک'' یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک مسلمان فی الجملہ اپنے نیک اعمال کے ذریعہ دوسرے مسلمان کو نفع اور ثواب پہنچا سکتا ہے، اور یہ نفع اور ثواب پہنچانا برحق ہے۔ [1]

اور اخبار وآثارِ بزرگانِ دین سے بھی یہ امر حدِ تواتر کو پہنچا ہے (کذافی امداد الفتاویٰ ج۵ ص ۳۸۹)

اور ''قدرِ مشترک والا تواتر'' بھی یقینی علم کا فائدہ دیتا ہے، جس کا انکار بعض صورتوں میں کفر اور بعض صورتوں میں فسق و بدعت اور اہلُ السنۃ والجماعۃ سے خارج ہونے کی دلیل ہے۔

---

[1] تواتر قدرِ مشترک ''تواتر'' کی قسموں میں سے ایک ہے اور اس کی حقیقت علمائے اصول نے یہ بیان کی ہے کہ مختلف واقعات کو مختلف اشخاص مثلاً نقل کریں، لیکن ان واقعات اور ان مختلف خبروں میں کوئی امر کلی مشترک ہو یعنی وہ بات ان تمام مختلف واقعوں اور خبروں سے یکساں طور پر مفہوم ہوتی ہو تو اگرچہ ان واقعات اور ان خبروں کی تفصیلات پر ہمیں یقین نہ ہو، لیکن ''اس امر کلی مشترک'' کا ہم کو بالکل یقین ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال ہماری روایتی معلومات میں یہ ہے کہ مثلاً خفین پر مسح کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فقر پسندی اور سادہ زندگی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی درویشانہ زندگی اور حضرت خالد کی جنگی مہارت یہ سب چیزیں جن مختلف منقولہ واقعات سے سمجھی جاتی ہیں۔ وہ سب بجائے خود ''اخبار آحاد'' ہی ہیں اور اس لئے ان میں سے ہر واقعہ بجائے خود صرف ظنی ہی ہے، لیکن ان واقعات سے بطور قدر مشترک جو یہ نتیجے نکلتے ہیں یہ اہلِ علم کے نزدیک بلاشبہ یقینی ہیں۔ یہ یقین جس چیز نے پیدا کیا بس اسی کا نام ''تواتر قدر مشترک'' ہے۔ کما فی المسح علی الخفین عند بعض اهل العلم۔

وَالْمُرَادُ بِكَوْنِ السُّنَّةِ فِيْ بَابِ الْمَسْحِ مَشْهُوْرَةً اَوْمُتَوَاتِرَةً شُهْرَةَ الْقَدْرِ الْمُشْتَرَكِ وَتَوَاتُرَهٗ لَاالرِّوَايَةُ الْخَاصَّةُ فَاِنَّ كُلَّ رِوَايَةٍ مِّنْ رِوَايَاتِهَابِانْفِرَادِهَامِنْ اَخْبَارِ الْاٰحَادِ وَالْقَدْرُالْمُشْتَرَكُ بَيْنَهُمَاالدَّالُّ عَلٰى ثُبُوْتِ الْمَسْحِ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مَشْهُوْرٌبَلْ مُتَوَاتِرٌ (السعاية، ج ا، باب الطهارة صفحه ۷۲۸ و ۷۲۹)

اور یہی وجہ ہے کہ ایصالِ ثواب کے منکرین اہلُ السنۃ والجماعۃ سے خارج اور بدعتی شمار کئے گئے ہیں، جس کا ذکر ہم نے الگ مقام پر کردیا ہے۔

نیز ایصالِ ثواب عملی تواتر سے بھی ثابت ہے، اور وہ اس طرح کہ ہر زمانہ میں مسلمانوں کا اس پر عمل رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تفصیلات اور جزئیات میں معمولی اختلاف کے باوجود اصولی مسئلہ میں گویا جمہور اہلِ اسلام اور تمام ائمہ سلف کا اجماع اور اتفاق ہے، جیسا کہ مختلف فقہائے متقدمین ومتاخرین کی کتابوں میں اس کا ثبوت ہے۔ [1]

---

[1] علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فهذا كله ونحوه مما تركناه خوف الاطالة يبلغ القدر المشترك بينه وهو النفع بعمل الغير مبلغ التواتر ، وكذا مافى الكتاب العزيز من الامربالدعاء للوالدين، ومن الاخبار باستغفار الملائكة للمؤمنين قطعي فى حصول النفع، فيخالف ظاهر الآية التى استدلوا بها اذ ظاهرها ان لاينفع استغفار احد لأحد بوجه من الوجوه لانه ليس من سعيه، فقطعنا بانتفاء ارادة ظاهرها فقيدنا بما لم يهبه العامل، وهذا اولى من النسخ لانه اسهل اذ لم يبطل بعد الارادة، ولانها من قبيل الاخبار ولانسخ فى الخبر (ردالمحتار ،ج۲ ص ۵۹۶، ۵۹۷،كتاب الحج،باب الحج عن الغير،مطلب فيمن اخذ فى عبادته شيئا من الدنيا)

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فهذه الآثار وما قبلها ومافى السنة ايضا من نحوها عن كثير قد تركناه لحال الطول يبلغ القدر المشترك بين الكل ، وهو ان من جعل شيئامن الصالحات لغيره نفعه الله به مبلغ التواتر(فتح القدير، ج۳ص ۱۴۳، ۱۴۴ ،كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

علامہ زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قال الكمال رحمه الله فهذه الآثار وما قبلها وما فى السنة ايضا من نحوها من كثير تركناه لحال الطول يبلغ القدرالمشترك بين الكل وهو ان من جعل شيئا من الصالحات لغيره نفعه الله به مبلغ التواتر(تبيين الحقائق ،ج۲ص ۸۴،كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

عذاب القبر ثبت متواترا، متواترالقدر المشترك، وقال به اهل السنة والجماعة قاطبة، ومنكر التواتر هذا لاريب فى تبديعه، ومنكرالتواتر بالقدرالمشترك كافران كان

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس قرآن وسنت کے مذکورہ دلائل، صحابہ وتابعین کے آثار، اکثر ائمۂ سلف کے اتفاق اور

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

التواتر بديهيا، وفاسق مبتدع ان كان نظريا (العرف الشذى ج٢ ص ٣٤٩، كتاب الجنائز، باب ما جاء فى عذاب القبر)

ایصالِ ثواب کے مشہور منکر جناب تمنا عمادی مجیبی صاحب نے ایصالِ ثواب کا انکار کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ:

عقائد وعبادات سے متعلق دینِ اسلام میں کوئی ایسی چیز پیش نہیں کی جاسکتی، جس سے قرآن خموش ہو اور وہ صرف روایات سے ثابت ہو (ملاحظہ ہو: ''ایصالِ ثواب'' مصنفہ: تمنا عمادی مجیبی، ضمیمہ ''عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں'' ص ۲۳۷، اشاعتِ ہفتم ربیع الاول ۱۴۱۷، ناشر الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی)

مگر ان کا یہ دعویٰ اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک درست نہیں، کیونکہ اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اولاً تو اخبارِ آحاد صحیحہ بھی عقائد کے معاملہ میں حجت ہیں، اور بے شمار عقائد خبرِ آحاد سے ثابت ہیں، دوسرے ایصالِ ثواب کا ثبوت قدرِ مشترک تواتر سے ثابت ہے، اور اس تواتر کا انکار تو اگرچہ اصولی طور پر کفر ہے، لیکن اگر مسئلہ نظری ہو تو اس کا انکار کفر سے فسق وبدعت کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

اور اگر مسئلہ ہٰذا نظری نہ ہوتا تو اس کا انکار کفر ہوتا، نہ کہ بدعت وفسق۔

اور اصل بات تو یہ ہے کہ تمنا عمادی صاحب اہلُ السنۃ والجماعۃ کے اصولوں کے مطابق احادیث ہی کے حجیت ہونے کے منکر ہیں، اور اسی وجہ سے وہ کئی احادیثِ متواترہ کا بھی انکار کرتے ہیں، جیسا کہ ان کی تصنیف ''انتظار مہدی ومسیح'' سے واضح ہے۔ جس میں انہوں نے نزولِ مسیح وظہورِ مہدی کا انکار کیا ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:

نزولِ مسیح وآمدِ مہدی اگر کوئی دینی عقیدہ ہوتا تو قرآن مبین میں ان باتوں کی خبر ضرور دی جاتی، جب قرآن مبین میں ان کا ذکر نہیں تو ان باتوں کو دینی عقیدہ سمجھنا ہی بدعت وضلالت ہے (انتظارِ مہدی ومسیح ص ۱۶۵ در ذیل باب سوم نزولِ عیسیٰ اشاعتِ سوم جمادی الاول ۱۴۱۷ھ ناشر الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ کراچی)

حالانکہ نزولِ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا عقیدہ قرآن مجید، احادیثِ متواترہ اور اجماعِ امت سے ثابت ہے، اس کی تصدیق کرنا اور اس پر ایمان لانا فرض ہے، اور مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے۔

اسی طرح حضرت مہدی علیہ الرحمۃ کی آمد سے متعلق احادیث کثرت سے موجود ہیں اور بعض محدثین کے مطابق تواترِ معنوی کو پہنچی ہوئی ہیں، جن کا انکار کم از کم بدعت وضلالت ہے۔

واما تواتر احاديث المهدى والدجال والمسيح فليس بموضع ريبة عند اهل العلم بالحديث (مقدمه عقيدة الاسلام، مشموله مجموعه رسائل الكشميرى ج٢ ص ٢٥)

قال بعض الائمة: قد تواترت الاخبار واستفاضت بكثرة روايتها عن المصطفىٰ بمجىء المهدى (القول المختصر فى علامات المهدى المنتظر ص ٢٣، مطبوعه مكتبه سيد احمد شهيد لاهور)

وقد علمت ان احاديث المهدى و خروجه آخر الزمان وانه من عترة رسول الله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اسلامی تاریخ کے عملی تواتر کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کرنا کہ ''زندوں کے کسی سعی وعمل سے مُردوں کوکوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا یا ایصالِ ثواب نہیں ہوتا'' یا ایصالِ ثواب کا اسلام میں کوئی وجود نہیں، اور یہ سب اختراعی چیزیں ہیں، وغیرہ وغیرہ، ایک حیرت انگیز جسارت ہے۔

◆

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صلى الله عليه وسلم من ولد فاطمه رضى الله عنها بلغت حد التواتر المعنوى فلا معنى لانكارها(الاشاعة لاشتراط الساعة ص ۱۱۲)

واحاديث المهدى بعضها صحيح وبعضها حسن وبعضها ضعيف وأمره مشهور بين الكافة من أهل الاسلام على ممن مر على الأعصاروانه لا بد فى آخر الزمان من ظهور رجل من اهل البيت النبوى يؤيد الدين ويظهر العدل ويتبعه المسلمون ويستولى على الممالک الاسلامية ويسمى المهدى ويكون خروج الدجال وما بعده من اشراط الساعة الثابتة فى الصحيح على أثره وأن عيسى ينزل من بعده فيقتل الدجال أو ينزل معه فيساعده على قتله ويأتم بالمهدى فى بعض صلواته الى غير ذالک.

وللقاضى العلامة محمد بن على الشوكانى اليمنى رحمه الله رسالة سماها التوضيح فى تواتر ماجاء فى المنتظر والدجال والمسيح قال فيهاوالاحاديث الواردة فى المهدى التى امكن الوقوف عليها منها خمسون حديثاً فى الصحيح والحسن والضعيف المنجبر وهى متواترة بلا شک ولا شبهة بل يصدق وصف التواتر على ما دونها على جميع الاصطلاحات المحررة فى الاصول واما الآثار عن الصحابة المصرحة بالمهدى فهى كثيرة ايضاً لها حكم الرفع اذلا مجال للاجتهاد فى مثل ذالک اه(نظم المتناثر من الحديث المتواترللامام محمد بن جعفر الكتانى جز ۱ ص ۲۱۰)

ایصالِ ثواب کا ثبوت اور اس کے منکِر کا حکم

گزشتہ دلائل کے پیشِ نظر جمہور اہلِ اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ میت کے لئے ایصالِ ثواب درست اور جائز ہے، خواہ بدنی عبادت ہو خواہ مالی ہو؛ البتہ بعض بدنی عبادات (مثلاً تلاوتِ قرآن کریم وغیرہ) میں بعض حضرات کا اختلاف ہے۔

چاروں فقہ کی کتب سے ایصالِ ثواب کا ثبوت

احادیث وروایات کے بعد اب چاروں فقہائے کرام کی آراء اس سلسلہ میں ذکر کی جاتی ہیں، تاکہ مسئلہ اچھی طرح واضح ہوجائے، اور منکرینِ ایصالِ ثواب کے موقف کی حقیقت کھُل ہوجائے۔

مالی عبادات مثلاً صدقہ وخیرات کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کرنے پر تو چاروں فقہائے کرام کا اتفاق ہے، لیکن مالی عبادات کے علاوہ بعض بدنی عبادات (مثلاً تلاوت وغیرہ) کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کے بارے میں اگرچہ مشہور یہ ہے کہ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ اس کے قائل نہیں، لیکن اولاً تو امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے فقہ کی کئی متعلقہ کتب سے اس کا ثبوت ملتا ہے، دوسرے مالی عبادات کی طرح بدنی عبادات کے ذریعہ سے بھی ایصالِ ثواب ہوسکنے کے دلائل اتنے قوی اور مضبوط ہیں کہ جن کے پیشِ نظر ان دونوں فقہائے کرام کے فقہی مذاہب کے شارح وترجمان متعدد متاخرین فقہاء ومشائخ نے بدنی عبادات کی صورت میں بھی ایصالِ ثواب کو جائز قرار دیا ہے، اور انہوں نے اپنے ان دونوں ائمۂ مذہب کے بدنی عبادات کے ذریعہ ایصالِ ثواب صحیح نہ ہونے کے اقوال کی ایسی تشریح وتوجیہ کی ہے کہ جس سے ان فقہاء کی طرف بدنی عبادات کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب ہونے کی مطلقاً نفی نہیں ہوتی۔

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَالْعِبَادَاتُ قِسْمَانِ مَالِيَّةٌ وَبَدَنِيَّةٌ ، وَقَدْ نَبَّهَ الشَّارِعُ بِوُصُوْلِ ثَوَابِ الصَّدَقَةِ عَلٰى وُصُوْلِ ثَوَابِ سَائِرِ الْعِبَادَاتِ الْمَالِيَّةِ ،وَنَبَّهَ بِوُصُوْلِ ثَوَابِ الصَّوْمِ عَلٰى وُصُوْلِ سَائِرِ الْعِبَادَاتِ الْبَدَنِيَّةِ ، وَاَخْبَرَ بِوُصُوْلِ ثَوَابِ الْحَجِّ الْمُرَكَّبِ مِنَ الْمَالِيَّةِ وَالْبَدَنِيَّةِ ،فَالْاَنْوَاعُ الثَّلَاثَةُ ثَابِتَةٌ بِالنَّصِّ وَالْاِعْتِبَارِ (کتاب الروح) [1]

ترجمہ: اور عبادتیں دو قسم کی ہیں ایک مالی اور دوسرے بدنی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کا ثواب پہنچنے کے ذریعہ سے تمام مالی عبادات کا ثواب پہنچنے پر اور روزہ کا ثواب پہنچنے کے ذریعہ سے تمام بدنی عبادات کا ثواب پہنچنے پر آ گاہ فرمادیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ''جو کہ مالی اور بدنی عبادت سے مرکب ہے'' کا ثواب پہنچنے کی خبر دے دی، تو تینوں قسم کی عبادات کے ذریعہ سے ثواب پہنچنا نص اور قیاس کے ذریعہ سے ثابت ہو گیا (کتاب الروح)

آ گے ہم چاروں فقہائے کرام کے فقہ کی کتابوں سے مالی اور بدنی عبادات کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کے ثبوت پر عبارات پیش کرتے ہیں۔

(۱)......فقہ حنفی سے ثبوت

فقہ حنفی کی مشہور کتاب بدائع الصنائع میں ہے کہ:

وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (لَا يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَا يُصَلِّيْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ)اَیْ فِیْ حَقِّ الْخُرُوْجِ عَنِ الْعُهْدَةِلَا فِیْ حَقِّ الثَّوَابِ ،فَاِنَّ مَنْ صَامَ اَوْ صَلّٰی اَوْ تَصَدَّقَ وَجَعَلَ ثَوَابَهُ لِغَيْرِهٖ مِنَ الْاَمْوَاتِ اَوِ الْاَحْيَاءِ جَازَ وَيَصِلُ ثَوَابُهَا اِلَيْهِمْ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ

---

[1] ص ۱۲۲، المسألة السادسة عشر،الناشر: دارالکتب العلمية، بيروت.

وَالْجَمَاعِةِ وَقَدْ صَحَّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ ضَحّٰى بِكَبْشَيْنِ اَمْلَحَيْنِ اَحَدُهُمَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَالْآخَرُ عَنْ اُمَّتِهٖ مِمَّنْ آمَنَ بِوَحْدَانِيَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَبِرِسَالَتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُوِيَ اَنَّ سَعْدَابْنَ اَبِيْ وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمِّيْ كَانَتْ تُحِبُّ الصَّدَقَةَ اَفَاَتَصَدَّقُ عَنْهَا؟فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقْ، وَعَلَيْهِ عَمَلُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ لَّدُنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى يَوْمِنَا هٰذَا مِنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ وَقِرَاءَ ةِ الْقُرْآنِ عَلَيْهَا وَالتَّكْفِيْنِ وَالصَّدَقَاتِ وَالصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ وَجَعْلِ ثَوَابِهَا لِلْاَمْوَاتِ،وَلَا اِمْتِنَاعَ فِي الْعَقْلِ اَيْضًالِاَنَّ اِعْطَاءَ الثَّوَابِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى اِفْضَالٌ مِّنْهُ لَااِسْتِحْقَاقٌ عَلَيْهِ فَلَهٗ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلٰى مَنْ عَمِلَ لِاَجْلِهٖ بِجَعْلِ الثَّوَابِ لَهٗ كَمَا لَهٗ اَنْ يَّتَفَضَّلَ بِاِعْطَاءِ الثَّوَابِ مِنْ غَيْرِ عَمَلٍ رَأْسًا (بدائع الصنائع ،ج۲ص ۲۱۲، كتاب الحج، فصل نبات الحرم)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کہ ’’کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نہ تو روزہ رکھے اور نہ ہی نماز پڑھے‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے روزہ رکھنے یا نماز پڑھنے سے وہ دوسرا شخص بری الذمہ نہیں ہوگا، ورنہ اس کو اس کا ثواب ملے گا اس لئے کہ جو شخص روزہ رکھ کر یا نماز پڑھ کر یا صدقہ خیرات کر کے اس کا ثواب مُردوں یا زندوں میں سے کسی کو پہنچائے تو اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک یہ ثواب ان کو پہنچتا ہے، اور یہ بات بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو موٹے تازے مینڈھے قربانی میں ذبح کیے تھے، ایک اپنی طرف سے اور دوسرا اپنی امت کے ان افراد کی طرف سے جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے تھے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! میری والدہ محترمہ (اپنی زندگی میں) صدقہ کرنے کو پسند کرتی تھیں کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جی ہاں (ضرور) صدقہ کیجئے، اور اسی بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر آج تک پوری امت کا عمل رہا ہے، کہ وہ قبروں کی زیارت کرتے ہیں، اور قرآن کی قرائت کرتے ہیں، اور تکفین کرتے ہیں، اور صدقات دیتے ہیں، اور روزہ رکھتے، اور نماز پڑھتے ہیں، اور ان اعمال کا ثواب ان کو پہنچاتے ہیں، اور عقلی اعتبار سے بھی یہ ناممکن نہیں ہے، کیونکہ ثواب کا عطا فرمانا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہے، کوئی اللہ پر استحقاق نہیں ہے، تو اللہ کو یہ بھی حق ہے کہ اپنے فضل سے کسی کے لئے کئے جانے والے عمل کا بھی ثواب عطا فرمائیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو بغیر عمل کے بھی ثواب بطور فضل کے عطا فرمانے کا حق ہے (بدائع)

اور ملا علی قاری رحمہ اللہ، مشکاۃ کی شرح مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ:

وَقَالَ عُلَمَاؤُنَا اَلْاَصْلُ فِي الْحَجِّ عَنِ الْغَيْرِ اَنَّ الْاِنْسَانَ لَهُ اَنْ يَّجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَيْرِهٖ مِنَ الْاَمْوَاتِ وَالْاَحْيَاءِ حَجًّا اَوْ صَلَاةً اَوْ صَوْماً اَوْصَدَقَةً اَوْ غَيْرَهَا كَتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَالْاَذْكَارِ فَاِذَافَعَلَ شَيْئًا مِّنْ هٰذَا وَجَعَلَ ثَوَابَهٗ لِغَيْرِهٖ جَازَ وَيَصِلُ اِلَيْهِ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ (مرقاة المفاتيح، ج۸ص ۳۴۲۴، كتاب الفتن، باب الملاحم)

ترجمہ: اور ہمارے علماء نے فرمایا کہ دوسرے کی طرف سے حج کے جائز ہونے کی بنیاد یہ ہے کہ انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب مُردوں یا زندوں

میں سے کسی کو پہنچائے چاہے وہ عمل حج ہو، یا نماز ہو یا روزہ ہو یا صدقہ ہو، یا اس کے علاوہ کوئی اور عمل ہو جیسے قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر واذکار وغیرہ جب ان اعمال میں سے کوئی عمل کیا جائے، تو اس کا ثواب مُردوں یا زندوں میں سے کسی کو پہنچائے تو یہ جائز ہے اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک یہ ثواب ان کو پہنچتا ہے (مرقاۃ)

اور تبیینُ الحقائق شرح کنزُ الدقائق میں ہے کہ:

(بَابُ الْحَجِّ عَنِ الْغَيْرِ) اَلْاَصْلُ فِيْ هٰذَا الْبَابِ اَنَّ الْاِنْسَانَ لَهٗ اَنْ يَّجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَيْرِهٖ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ صَلَاةً كَانَ اَوْ صَوْمًا اَوْ حَجًّا اَوْ صَدَقَةً اَوْ قِرَاءَةَ قُرْآنٍ اَوِ الْاَذْكَارَ اِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ جَمِيْعِ اَنْوَاعِ الْبِرِّ، وَيَصِلُ ذٰلِكَ اِلَى الْمَيِّتِ وَيَنْفَعُهٗ (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج ۲ ص ۸۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

ترجمہ: یہ باب دوسرے کی طرف سے حج کرنے کے بارے میں ہے، اس باب میں اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اصل قاعدہ یہ ہے کہ انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچائے چاہے وہ عمل نماز ہو یا روزہ ہو یا حج ہو، یا صدقہ ہو، یا قرآن کی تلاوت ہو یا ذکر واذکار ہو یا ان کے علاوہ نیکی کی دوسری تمام اقسام میں سے ہو؛ اور ان کا ثواب اور نفع میت کو پہنچتا ہے (تبیین)

اور البحرالرائق شرح کنزالدقائق میں ہے کہ:

(بَابُ الْحَجِّ عَنِ الْغَيْرِ) لَمَّا كَانَ الْحَجُّ عَنِ الْغَيْرِ كَالتَّبْعِ اَخَّرَهٗ، وَالْاَصْلُ فِيْهِ اَنَّ الْاِنْسَانَ لَهٗ اَنْ يَّجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَيْرِهٖ صَلَاةً اَوْ صَوْمًا اَوْ صَدَقَةً اَوْ قِرَاءَةَ قُرْآنٍ اَوْ ذِكْرًا اَوْ طَوَافًا اَوْ حَجًّا اَوْ عُمْرَةً اَوْ غَيْرَ ذَالِكَ عِنْدَ اَصْحَابِنَا لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ (البحر الرائق شرح

کنز الدقائق ج۳ص ۶۳، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر)

ترجمہ: یہ باب دوسرے کی طرف سے حج کرنے کے بارے میں ہے، جب دوسرے کی طرف سے حج کرنا تابع کی طرح ہے، اس لئے اس کو بعد میں ذکر کیا، اس باب میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچائے چاہے وہ عمل نماز ہو یا روزہ ہو، یا صدقہ ہو، یا قرآن مجید کی تلاوت ہو یا ذکرواذکار ہو یا طواف ہو یا حج ہو یا عمرہ ہو یا ان کے علاوہ ہو؛ یہ ہمارے حضرات کے ہاں کتاب وسنت سے ثابت ہے (بحر)

اور مجمع الانہر میں ہے کہ:

وَلِلْاِنْسَانِ اَنْ یَّجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَیْرِهٖ فِیْ جَمِیْعِ الْعِبَادَاتِ (مجمع الانهر ج ا ص ۳۰۱، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر)

ترجمہ: انسان کے لئے اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچانا جائز ہے تمام عبادات میں (مجمع الانہر)

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ:

اَلْاَصْلُ فِیْ هٰذَا الْبَابِ اَنَّ الْاِنْسَانَ لَهٗ اَنْ یَّجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَیْرِهٖ صَلَاةً کَانَ اَوْ صَوْمًا اَوْ صَدَقَةً اَوْ غَیْرَهَا کَالْحَجِّ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَالْاَذْکَارِ وَزِیَارَةِ قُبُوْرِ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَالشُّهَدَآءِ وَالْاَوْلِیَآءِ وَالصَّالِحِیْنَ وَتَکْفِیْنِ الْمَوْتٰی وَجَمِیْعِ اَنْوَاعِ الْبِرِّ، کَذَا فِیْ غَایَةِ السَّرُوْجِیِّ شَرْحِ الْهِدَایَةِ (الفتاویٰ الهندیة، ج ا ص ۲۵۷، کتاب المناسک، الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)

ترجمہ: اس باب میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچائے چاہے وہ عمل نماز ہو یا روزہ ہو، یا صدقہ ہو، یا اس کے

علاوہ جیسے حج، اور قرآن کی تلاوت اور ذکر واذکار اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اور شہیدوں اور ولیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کی زیارت، اور مُردوں کو کفن دینا، اوران کے علاوہ نیکی کی دوسری تمام قسمیں؛ اسی طرح ہدایہ کی شرح غایۃ السروجی میں ہے (فتاویٰ ہندیہ)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ جو بھی عبادت اور نیک عمل کیا جائے خواہ وہ مالی عبادت ہو یا بدنی، حنفیہ کے نزدیک اس کا زندہ یا مردہ مسلمان کو ایصالِ ثواب کرنا درست ہے۔

(۲)......فقہ حنبلی سے ثبوت

علامہ ابنِ قدامہ حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَاَیُّ قُربَۃٍ فَعَلَھَاوَجَعَلَ ثَوَابَھَا لِلْمَیِّتِ الْمُسْلِمِ نَفَعَہٗ ذٰلِکَ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ (المغنی لابن قدامۃ، ج۲ ص ۴۲۳، کتاب الجنائز، فصل أی قربۃ فعلھا وجعل ثوابھا للمیت نفعہ ذلک)

ترجمہ: اور جو نیک کام بھی مسلمان کرے اور اس کا ثواب مسلمان میت کو پہنچائے تو اس سے میت کو ان شاء اللہ تعالیٰ نفع وفائدہ پہنچتا ہے (مغنی)

اور علامہ ابنِ قدامہ چند احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَھٰذِہٖ اَحَادِیْثُ صِحَاحٌ وَفِیْھَا دَلَالَۃٌ عَلٰی اِنْتِفَاعِ الْمَیِّتِ بِسَائِرِ الْقُرَبِ، لِاَنَّ الصَّوْمَ وَالْحَجَّ وَالدُّعَاءَ وَالْاِسْتِغْفَارَ عِبَادَاتٌ بَدَنِیَّۃٌ، وَقَدْ اَوْصَلَ اللّٰہُ نَفْعَھَا اِلَی الْمَیِّتِ، فَکَذٰلِکَ مَاسِوَاھَا (المغنی لابن قدامۃ، ج۲ ص ۴۲۳، کتاب الجنائز، فصل أی قربۃ فعلھا وجعل ثوابھا للمیت نفعہ ذلک)

ترجمہ: اور یہ (تمام) احادیث صحیح ہیں، اور یہ ہر قسم کی (مالی وبدنی) عبادات (کے ایصالِ ثواب) کا میت کو نفع پہنچنے کی دلیل ہیں، اس لئے کہ روزہ اور حج

اوردعا اوراستغفار بدنی عبادات ہیں، اور یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے نفع کو میت تک پہنچاتے ہیں، پس اسی طریقہ سے ان کے علاوہ دوسری عبادات کا بھی ثواب پہنچاتے ہیں (مغنی)

اورعلامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اَحَدُهُمَا: اَنَّ ثَوَابَ الْعِبَادَاتِ الْبَدَنِيَّةِ: مِنَ الصَّلَاةِ وَالْقِرَاءَةِ وَغَيْرِهِمَا، يَصِلُ اِلَى الْمَيِّتِ، كَمَا يَصِلُ اِلَيْهِ ثَوَابُ الْعِبَادَاتِ الْمَالِيَّةِ بِالْاِجْمَاعِ، وَهٰذَا مَذْهَبُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَاَحْمَدَ وَ غَيْرِهِمَا، وَقَوْلُ طَائِفَةٍ مِّنْ اَصْحَابِ الشَّافِعِيِّ، وَمَالِكٍ، وَهُوَ الصَّوَابُ لِاَدِلَّةٍ كَثِيْرَةٍ، ذَكَرْنَاهَا فِيْ غَيْرِ هٰذَا الْمَوْضِعِ وَالثَّانِيُ: اَنَّ ثَوَابَ الْبَدَنِيَّةِ لَايَصِلُ اِلَيْهِ بِحَالٍ، وَهُوَ الْمَشْهُوْرُ عِنْدَ اَصْحَابِ الشَّافِعِيِّ وَمَالِكٍ (اقتضاء الصراط المستقيم، ج۲ص ۲۶۲، فصل فی عدم جواز سائر العبادات عندالقبور)

ترجمہ: دونوں قولوں میں سے پہلا قول تو یہ ہے کہ بدنی عبادات کا ثواب پہنچتا ہے، مثلاً نماز کا، قرائت کا، اوران کے علاوہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے، جیسا کہ میت کو مالی عبادات کا بالاجماع پہنچتا ہے، اور یہ ابوحنیفہ اور احمد وغیرہ کا مذہب ہے، اور شافعی اور مالکی اصحاب کی ایک جماعت کا بھی ہے، اور یہی درست ہے، جس کے بہت سے دلائل ہیں، جن کا ذکر ہم نے دوسرے مقام پر کردیا ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ بدنی عبادات کا ثواب بہرحال نہیں پہنچتا، اور یہ اصحابِ شافعی اور مالک کے نزدیک مشہور ہے (اقتضاء)

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ:

سُئِلَ: عَنْ قَوْلِهٖ تَعَالىٰ (وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى) وَقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (اِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ

صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْعِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْوَلَدٍصَالِحٍ يَدْعُوْلَهٗ)فَهَلْ يَقْتَضِىْ ذَالِكَ اِذَامَاتَ لَايَصِلُ اِلَيْهِ شَيْئٌ مِنْ اَفْعَالِ الْبِرِّ؟

ترجمہ: سوال کیا گیا اللہ تعالیٰ کے قول ''وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّامَاسَعٰى ''یعنی انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے سعی کی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کہ جب ابنِ آدم فوت ہوجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے، مگر تین چیزوں سے منقطع نہیں ہوتا، ایک تو صدقۂ جاریہ سے، دوسرے اُس علم سے جس سے فائدہ اٹھایا جائے، تیسرے نیک اولاد سے جو اس کے لئے دعا کرے، تو کیا قرآن مجید کی مذکورہ آیت اور حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب مسلمان فوت ہوجاتا ہے تو اس کو (دوسرے کے) نیک عمل کا ثواب نہیں پہنچتا؟

آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ:

اَلْجَوَابُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، لَيْسَ فِى الْاٰيَةِ وَلَا فِى الْحَدِيْثِ اَنَّ الْمَيِّتَ لَايَنْتَفِعُ بِدُعَاءِ الْخَلْقِ لَهٗ، وَبِمَا يُعْمَلُ عَنْهُ مِنَ الْبِرِّ بَلْ اَئِمَّةُ الْاِسْلَامِ مُتَّفِقُوْنَ عَلٰى اِنْتِفَاعِ الْمَيِّتِ بِذٰلِكَ، وَهٰذَا مِمَّا يُعْلَمُ بِالْاِضْطِرَارِ مِنْ دِيْنِ الْاِسْلَامِ، وَقَدْ دَلَّ عَلَيْهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ وَالْاِجْمَاعُ، فَمَنْ خَالَفَ ذٰلِكَ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْبِدَعِ (الفتاویٰ الکبریٰ لابن تیمیة، ج۳، ص۲۷، کتاب الجنائز، قولهٗ تعالیٰ وأن لیس للانسان الا ماسعی)

ترجمہ: جواب یہ ہے: تمام تعریفیں اللہ ربُّ العالمین کے لئے ہیں! اس آیت اور حدیث میں یہ بات نہیں ہے کہ مردہ کو مخلوق کی دعا اور جو نیک عمل اس کی طرف سے کیا جاتا ہے اس سے فائدہ نہیں ہوتا (یعنی مخلوق کی دعا اور نیک عمل سے میت کو فائدہ پہنچنے کی اس آیت یا حدیث میں نفی نہیں ہے) بلکہ ائمۂ اسلام مخلوق کی دعا اور نیک عمل سے مردہ کو نفع پہنچنے (یعنی مردہ کو ایصالِ ثواب ہونے) پر متفق

ہیں، اور یہ ان چیزوں میں سے ہے جو دینِ اسلام سے لازمی طور پر معلوم ہوئی ہیں، اوراس پر قرآن مجید اور سنت اور اجماع (تینوں) سے دلیل موجود ہے، پس جس نے اس (ایصالِ ثواب ہونے) کا انکار کیا تو وہ اہلِ بدعت میں سے ہے (فتاویٰ کبریٰ)

اور مدلّل جواب کے بعد فرمایا کہ:

فَاللّٰہُ تَعَالٰی یُثِیْبُ ھٰذَا السَّاعِیَ عَلٰی سَعْیِہٖ الَّذِیْ ھُوَ لَہٗ، وَیَرْحَمُ ذَالِکَ الْمَیِّتَ بِسَعْیِ ھٰذَا الْحَیِّ لِدُعَائِہٖ لَہٗ وَصَدَقَتِہٖ عَنْہُ وَصِیَامِہٖ عَنْہُ وَحَجِّہٖ عَنْہُ (الفتاویٰ الکبریٰ لابنِ تیمیة، ج۳، ص ۳۲، کتاب الجنائز، قولہٗ تعالیٰ وأن لیس للانسان الا ماسعی)

ترجمہ: پس اللہ تعالیٰ اس سعی (یعنی نیک عمل) کرنے والے کواس کی سعی پر جو ثواب ہوتا ہے وہ اس کو عطا فرماتے ہیں، اوراس زندہ کی سعی کے ذریعہ سے میت پر رحم فرماتے ہیں خواہ وہ سعی دعا کے عمل کی شکل میں ہو یا اس کی نیت سے صدقہ کرنے کی شکل میں ہو، یا اس کی طرف سے روزہ رکھنے کی شکل میں ہو، یا اس کی طرف سے حج کرنے کی شکل میں ہو (فتاویٰ کبریٰ)

ایک موقع پر علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ سے قرآن مجید اور ذکر کے ذریعہ سے میت کو ثواب پہنچنے پر سوال کیا گیا، جس کا آپ نے برحق ہونے کا جواب دیا؛ وہ سوال وجواب درجِ ذیل ہے کہ:

سُئِلَ عَنْ قِرَاءَۃِ اَھْلِ الْمَیِّتِ تَصِلُ اِلَیْہِ؟ وَالتَّسْبِیْحِ وَالتَّحْمِیْدِ وَالتَّھْلِیْلِ وَالتَّکْبِیْرِ اِذَا اَھْدَاہُ اِلَی الْمَیِّتِ یَصِلُ اِلَیْہِ ثَوَابُھَا اَمْ لَا؟

اَلْجَوَابُ: یَصِلُ اِلَی الْمَیِّتِ قِرَاءَۃُ اَھْلِہٖ وَتَسْبِیْحُھُمْ وَتَکْبِیْرُھُمْ وَسَائِرُ ذِکْرِھِمِ اللّٰہَ تَعَالٰی اِذَا اَھْدَوْہُ اِلَی الْمَیِّتِ وَصَلَ اِلَیْہِ (الفتاویٰ

الکبریٰ لابنِ تیمیة، ج۳، ص۳۸، کتاب الجنائز، قولهٗ تعالیٰ وأن لیس للانسان الا ماسعی)

ترجمہ: سوال کیا گیا: اہلِ میت کے قرآن مجید کی قراءت کا ثواب مُردہ کو پہنچنے کے بارے میں اور تسبیح (یعنی سبحان اللہ) اور تحمید (یعنی الحمدللہ) اور تہلیل (یعنی لاالٰہ الا اللہ) اور تکبیر (یعنی اللہ اکبر) پڑھ کر جب میت کو (ثواب) ہدیہ کیا جائے، تو کیا میت کو اس کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟

آپ نے جواب دیا کہ: اہلِ میت کی قراءت اور ان کی تسبیح وتکبیر، اور اللہ تعالیٰ کا ہر طرح کا ذکر جب میت کی طرف اس کا (ثواب) ہدیہ کیا جائے، تو میت کو ثواب پہنچتا ہے (فتاویٰ کبریٰ)

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگرد علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ نے کتاب الروح کے نام سے ایک مستقل تصنیف فرمائی ہے جس میں انہوں نے مُردوں کو ہر قسم کی عبادات کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کے ثبوت پر تفصیلی دلائل بیان فرمائے ہیں، چنانچہ وہ ایک مقام پر مختلف دلائل کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَسِرُّ الْمَسْأَلَةِ اَنَّ الثَّوَابَ مِلْکُ الْعَامِلِ فَاِذَاتَبَرَّعَ بِهٖ وَاَهْدَاهُ اِلٰی اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ اَوْصَلَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ، فَمَا الَّذِیْ خَصَّ مِنْ هٰذَا ثَوَابَ قِرَاءَ ةِ الْقُرْآنِ وَحَجَرَ عَلَی الْعَبْدِ اَنْ يُّوْصِلَهُ اِلٰی اَخِيْهِ، وَهٰذَا عَمَلُ سَائِرِ النَّاسِ حَتَّی الْمُنْكِرِ فِیْ سَائِرِ الْاَعْصَارِ وَالْاَمْصَارِ مِنْ غَيْرِ نَكِيْرٍ مِّنَ الْعُلَمَآءِ (کتاب الروح ص۱۲۳، المسألة السادسة عشرة)

ترجمہ: اور اس مسئلہ کا راز یہ ہے کہ ثواب عمل کرنے والے کی ملکیت ہے، پس جب وہ اس کو اپنے مسلمان بھائی کے لئے تبرع اور ہدیہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ وہ ثواب اس کو پہنچا دیتے ہیں، پس وہ کونسی چیز ہے کہ جو قرآن مجید کی قراءت کے

ثواب کو اس اصول وقاعدہ سے خاص کرے، اور مومن بندے پر اس چیز کی رکاوٹ ڈالے کہ وہ اس کے ذریعہ سے اپنے مسلمان بھائی کو ایصالِ ثواب نہیں کر سکتا، اوراس پر تو تمام لوگوں کا یہاں تک کہ انکار کرنے والے کا بھی ہر زمانے اور ہر علاقے و شہر میں علماء کی نکیر کے بغیر عمل ہوتا رہا ہے (جو قرآن مجید کی قراءت کے ذریعے ایصالِ ثواب ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے) (کتاب الروح)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ جو بھی عبادت اور نیک عمل کیا جائے خواہ وہ مالی عبادت ہو یا بدنی، حنابلہ کے نزدیک اس کا مسلمان کو ایصالِ ثواب کرنا درست ہے۔

(۳)......فقہ مالکی سے ثبوت

امام قرطبی مالکی رحمہ اللہ اپنی کتاب "التذکرۃ فی احوال الموتیٰ وامور الآخرۃ" میں فرماتے ہیں کہ:

وَاَنَّهٗ يَصِلُ اِلَى الْمَيِّتِ ثَوَابُ مَايُقْرَأُ وَيُدْعٰى وَيُسْتَغْفَرُ لَهٗ وَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ ذَكَرَهٗ اَبُوْحَامِدٍ فِىْ كِتَابِ الْاَحْيَاءِ وَاَبُوْمُحَمَّدٍ عَبْدُالْحَقِّ فِىْ كِتَابِ الْعَاقِبَةِ لَهٗ (التذکرۃ فی احوال الموتیٰ وامور الآخرۃ، ص۷۳، باب ماجاء فی قراء ۃ القرآن عند القبر حالۃ الدفن وبعدہ)

ترجمہ: اور بلاشبہ میت کو جو کچھ تلاوت کی جائے اور دعا کی جائے اور اس کے لئے استغفار کیا جائے، اور اس پر صدقہ کیا جائے (ان سب چیزوں کا) اس کو ثواب پہنچتا ہے، ابو حامد نے کتاب الاحیاء میں اور ابو محمد عبد الحق نے اپنی کتاب العاقبۃ میں اس کا ذکر کیا ہے (تذکرہ)

اور آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:

اَصْلُ هٰذَاالْبَابِ اَلصَّدَقَةُ الَّتِىْ لَااِخْتِلَافَ فِيْهَا فَكَمَا يَصِلُ لِلْمَيِّتِ ثَوَابُهَافَكَذَالِكَ تَصِلُ قِرَاءَ ةُ الْقُرْآنِ وَالدُّعَآءُ وَالْاِسْتِغْفَارُ اِذْ كُلُّ

ذٰلِکَ صَدَقَةٌ فَاِنَّ الصَّدَقَةَ لَاتَخْتَصُّ بِالْمَالِ (ایضاً ص ۷۴)

ترجمہ: ایصالِ ثواب کے سلسلہ میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ صدقہ کے (ایصال ثواب کے) بارے میں کوئی اختلاف نہیں، پس جس طرح میت کو صدقہ کا ثواب پہنچتا ہے، اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت اور دعا اور استغفار کا بھی ثواب پہنچتا ہے، کیونکہ صدقہ مال کے ساتھ خاص نہیں (ہر نیک عمل کو بعض جہات سے صدقہ کہا جاتا ہے) (ایضاً)

اور چند صفحات کے بعد فرماتے ہیں کہ:

وَلَايَبْعُدُ فِيْ كَرَمِ اللهِ تَعَالٰى اَنْ يَّلْحَقَهٗ ثَوَابُ الْقِرَاءَةِ وَالْاِسْتِمَاعِ جَمِيْعًا، وَيَلْحَقَهٗ ثَوَابُ مَايُهْدٰى اِلَيْهِ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ، وَاِنْ لَّمْ يَسْمَعْهُ كَالصَّدَقَةِ وَالدُّعَآءِ وَالْاِسْتِغْفَارِ لِمَا ذَكَرْنَا، وَلِاَنَّ الْقُرْآنَ دُعَآءٌ وَاِسْتِغْفَارٌ وَتَضَرُّعٌ وَاِبْتِهَالٌ، وَمَا يَتَقَرَّبُ الْمُتَقَرِّبُوْنَ اِلَى اللهِ تَعَالٰى بِمِثْلِ الْقُرْآنِ (ایضاً ص ۷۸)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ بات بعید نہیں کہ میت کو قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے سننے دونوں کا ثواب پہنچتا ہے (جبکہ میت کے قریب پڑھا جائے) اور جس عمل کا ثواب بھی میت کو ہدیہ کیا جائے مثلاً قرآن مجید کی تلاوت اگرچہ میت اس کو نہ سنے تب بھی اس کا ثواب میت کو پہنچ جاتا ہے، جیسے کہ صدقہ اور دعا اور استغفار (وغیرہ) جس کے دلائل ہم ذکر کر چکے ہیں، اور ایک دلیل یہ بھی ہے کہ قرآن مجید خود بھی دعا اور استغفار اور تضرع اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع (کے مضامین پر مشتمل) ہے، اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والے لوگوں کے لئے قرآن مجید جیسے عمل سے قرب حاصل کرنے والا اور کون سا عمل ہوگا (ایضاً)

مزید فرماتے ہیں کہ:

وَكَثِيرٌ مِّنَ الْاَحَادِيْثِ تَدُلُّ عَلٰى هٰذَاالْقَوْلِ وَيَشْهَدُ لَهٗ وَاَنَّ الْمُؤْمِنَ يَصِلُ اِلَيْهِ ثَوَابُ الْعَمَلِ الصَّالِحِ مِنْ غَيْرِهٖ (ایضاً ص ۷۹)

ترجمہ: اور بہت سی احادیث (نیک اعمال کا میت کو ایصالِ ثواب ہونے کے) اس قول پر دلالت کرتی اور شہادت دیتی ہیں، اور بلاشبہ مؤمن کو دوسرے کے نیک عمل کا ثواب پہنچتا ہے (ایضاً)

حاشیۃ العدوی علٰی شرح مختصر خلیل میں ہے کہ:

وَاَمَّا ثَوَابُ الْقِرَآءَةِ فَيَصِلُ عِنْدَ مَالِكٍ وَاَبِيْ حَنِيْفَةَ وَابْنِ حَنْبَلٍ لَاعِنْدَ الشَّافِعِيِّ ذَكَرَهُ الشَّيْخُ عَبْدُالْقَادِرِ اَلذَّاكِرُ وَلٰكِنْ ذَكَرَ الْقُرَافِيُّ اَنَّ مَذْهَبَ مَالِكٍ عَدَمُ الْوُصُوْلِ ثُمَّ اَنَّ مَحَلَّ الْخِلَافِ حَيْثُ لَمْ يَخْرُجْ مَخْرَجَ الدُّعَاءِ كَأَنْ يَّقُوْلَ اَجْعَلُ ثَوَابَ قِرَاءَتِيْ لِفُلَانٍ فَاِنَّهٗ يَكُوْنُ لَهٗ اِجْمَاعًا كَمَا ذَكَرَهٗ صَاحِبُ الْمَدْخَلِ (حاشية العدوى على شرح مختصر خليل للخرشى، ج۲ ص ۲۸۹، باب احكام الحج والعمرة وافعالهما)

ترجمہ: اور رہا قرآن مجید کی تلاوت کے ثواب کا معاملہ تو امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک اس کا ثواب میت کو پہنچ جاتا ہے، لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں پہنچتا، شیخ عبدالقادر ذاکر نے یہ (مذکورہ) بات ذکر فرمائی ہے، لیکن امام قرافی نے ذکر فرمایا ہے کہ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ اس کا ثواب نہیں پہنچتا، پھر اختلاف صرف اس صورت میں ہے جبکہ تلاوت کے بعد دعا نہ کی جائے، جیسے کہ یہ کہے کہ میری اس قراءت کا ثواب فلاں کو پہنچا دیجئے، کیونکہ اس صورت میں ثواب پہنچنے پر اجماع ہے، جیسا کہ صاحبِ مدخل

نے ذکر فرمایا ہے (حاشیۃ العدوی)

مواہبُ الجلیل میں ہے کہ:

وَقَالَ اَبُوالْفَرَجِ الْبَغْدَادِيُّ فِي الْحَاوِي لَوْ صَلّٰى اِنْسٌ عَنْ غَيْرِهٖ بِمَعْنٰى اَنَّهٗ يُشْرِكُهٗ فِيْ ثَوَابِ صَلَاتِهٖ جَازَ ذَالِكَ ذَكَرَهٗ فِي الْحَجِّ

(مواهب الجليل في شرح مختصر الخليل ، ج ۲ ص ۵۴۳ ،باب الحج،فرع افضل اركان الحج)

ترجمہ: اورابوالفرج بغدادی نے حاوی میں فرمایا کہ اگر کوئی انسان دوسرے کی طرف سے اس غرض سے نماز پڑھے کہ اس کو نماز کے ثواب میں شریک کرے تو یہ جائز ہے، حج کے بیان میں انہوں نے اس کا تذکرہ فرمایا ہے (مواہب)

احمد بن غنیم مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ الْقَرَّافِيُّ: وَالَّذِيْ يَظْهَرُ حُصُوْلُ بَرَكَةِ الْقُرْآنِ لِلْاَمْوَاتِ كَحُصُوْلِهَا بِمُجَاوَرَةِ الرَّجُلِ الصَّالِحِ، وَبِالْجُمْلَةِ فَلَايَنْبَغِيْ اِهْمَالُ اَمْرِ الْمَوْتٰى مِنَ الْقِرَآءَةِ وَلَا مِنَ التَّهْلِيْلِ الَّذِيْ يُفْعَلُ عِنْدَالدَّفْنِ، وَالْاِعْتِمَادُ فِيْ ذَالِكَ كُلِّهٖ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَسِعَةِ رَحْمَتِهٖ، وَذَكَرَ صَاحِبُ الْمَدْخَلِ اَنَّ مَنْ اَرَادَ حُصُوْلَ بَرَكَةِ قِرَآءَتِهٖ وَثَوَابِهَا لِلْمَيِّتِ بِلَاخِلَافٍ فَلْيَجْعَلْ ذَالِكَ دُعَاءً فَيَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اَوْصِلْ ثَوَابَ مَااَقْرَؤُهٗ لِفُلَانٍ اَوْمَاقَرَأْتُهٗ ،وَحِيْنَئِذٍ يَحْصِلُ لِلْمَيِّتِ ثَوَابُ الْقِرَاءَةِ وَلِلْقَارِئِ ثَوَابُ الدُّعَاءِ (الفواكه الدواني، ج ۱ ص ۲۸۴ ،باب مايفعل بالمحتضر وفى غسل الميت)

ترجمہ: قرافی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ راجح بات یہ ہے کہ قرآن کی برکت مُردوں کو حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ نیک آدمی کی صحبت سے برکت حاصل ہوتی ہے، اور

بہرحال مُردہ کے معاملے کو قراءت اور تہلیل وغیرہ کے ذکر سے جو دفن کے وقت کیا جاتا ہے، مہمل چھوڑنا مناسب نہیں، اور ان تمام چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وُسعت پر اعتماد کرنا چاہیے (یعنی برکت پہنچنے کی اُمید رکھنی چاہیے) اور صاحبِ مدخل نے یہ بات ذکر کی ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اپنی قراءت کی برکت حاصل کرے اور اس کا ثواب بلا اختلاف میت کو پہنچا دے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی یوں دعا کرے کہ اے اللہ! جو کچھ میں قرائت کر رہا ہوں، یا جو میں نے قرائت کی ہے، اس کا ثواب فلاں کو پہنچا دیجیے؛ ایسی صورت میں میت کو قرائت کا ثواب پہنچے گا اور قرائت کرنے والے کو دعا کا ثواب حاصل ہوگا (فواکہ)

شرح کبیر میں ہے کہ:

لٰكِنَّ الْمُتَأَخِّرُوْنَ عَلٰى اَنَّهٗ لَابَأْسَ بِقِرَآءَةِ الْقُرْآنِ وَالذِّكْرِ وَجَعْلِ ثَوَابِهٖ لِلْمَيِّتِ وَيَحْصِلُ لَهُ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَهُوَ مَذْهَبُ الصَّالِحِيْنَ مِنْ اَهْلِ الْكَشْفِ (الشرح الكبير للشيخ أحمد الدردير على مختصر خليل مع حاشية الدسوقى، ج ۱ ص ۴۲۳، فصل فى احكام الموتىٰ)

ترجمہ: لیکن متأخرین کا کہنا یہ ہے کہ قرآن مجید کی قراءت اور ذکر کا ثواب میت کو پہنچانے اور اُس کو ان شاءاللہ تعالیٰ اجر حاصل ہونے میں کوئی حرج نہیں، نیک لوگوں میں سے اہلِ کشف کا یہی مذہب ہے (شرح کبیر)

اور شرح کبیر کے حاشیہ دسوقی میں ہے کہ:

وَفِىْ آخِرِ نَوَازِلِ ابْنِ رُشْدٍ فِى السُّؤَالِ عَنْ قَوْلِهٖ تَعَالىٰ (وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى) قَالَ وَاِنْ قَرَأَ الرَّجُلُ وَاَهْدٰى ثَوَابَ قِرَاءَتِهٖ لِلْمَيِّتِ جَازَ ذَالِكَ وَحَصَلَ لِلْمَيِّتِ اَجْرُهٗ ،اه وَقَالَ ابْنُ هِلَالٍ فِىْ نَوَازِلِهِ الَّذِىْ اَفْتٰى بِهٖ ابْنُ رُشْدٍ وَذَهَبَ اِلَيْهِ غَيْرُوَاحِدٍ مِنْ اَئِمَّتِنَا

اَلْاَنْدُلُسِیِّیْنَ اَنَّ الْمَیِّتَ یَنْتَفِعُ بِقِرَآءَ ۃِ الْقُرْآنِ الْکَرِیْمِ وَیَصِلُ اِلَیْہِ نَفْعُہٗ وَیَحْصُلُ لَہٗ اَجْرُہٗ اِذَا وَھَبَ الْقَارِئُ ثَوَابَہٗ لَہٗ، وَبِہٖ جَرٰی عَمَلُ الْمُسْلِمِیْنَ شَرْقاً وَغَرْبًا وَوَقَفُوْا عَلٰی ذَالِکَ اَوْقَافًا وَاسْتَمَرَّ عَلَیْہِ الْاَمْرُ مُنْذُ اَزْمِنَۃٍ سَالِفَۃٍ ، ثُمَّ قَالَ : وَمِنَ اللَّطَآئِفِ اَنَّ عِزَّ الدِّیْنِ بْنَ عَبْدِالسَّلَامِ الشَّافِعِیَّ رُئِیَ فِی الْمَنَامِ بَعْدَ مَوْتِہٖ فَقِیْلَ لَہٗ مَاتَقُوْلُ فِیْمَا کُنْتَ تُنْکِرُ مِنْ وُصُوْلِ مَایُھْدیٰ مِنْ قِرَآءَ ۃِ الْقُرْآنِ لِلْمَوْتٰی فَقَالَ ھَیْھَاتَ وَجَدْتُ الْاَمْرَ عَلٰی خِلَافِ مَّاکُنْتُ اَظُنُّ (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ا ص ۴۲۳،فصل احکام الموتیٰ، زیارۃ القبور لمحمد بن احمد بن عرفۃ الدسوقی المالکی)

ترجمہ: اور علامہ ابنِ رُشد کے نوازل کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے قول (وان لیس للانسان الا ماسعی) کے سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ اگر آدمی قراءت کرے اور اُس کا ثواب میت کو ہدیہ کرے تو یہ جائز ہے، اور میت کو اُس کا اَجر حاصل ہوتا ہے۔

علامہ ابنِ رُشد نے اس پر فتویٰ دیا ہے، اور ہمارے اُندلس کے ائمہ میں سے کئی حضرات اس طرف گئے ہیں کہ میت کو قرآنِ کریم کی قراءت سے نفع ہوتا ہے، اور اُس کو اس کا نفع پہنچتا ہے، اور اس کو اِس کا اجر وثواب حاصل ہوتا ہے، جبکہ قرائت کرنے والا اُس کا ثواب میت کو ہبہ کرے اور اسی پر مشرق اور مغرب کے مسلمانوں کا عمل جاری ہے اور انہوں نے اس غرض (یعنی میت کو قراءت وغیرہ کا ثواب پہنچانے) کے لیے بہت سی چیزیں (مثلاً قرآن مجید کے نسخے) وقف کی ہیں، اور ہمیشہ سے اس پر عمل جاری ہے، پھر فرمایا کہ ایک لطیفہ کی بات یہ ہے کہ عزالدین بن سلام جو کہ شافعی تھے، اُن کو فوت ہونے کے بعد خواب میں دیکھا گیا

اور اُن سے کہا گیا کہ مُردوں کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب پہنچنے کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس کا آپ (اپنی زندگی وحیات میں) انکار کرتے تھے؟ تو اُنہوں نے جواب میں فرمایا: کہ ہائے افسوس! میں نے تو (یہاں برزَخ میں) معاملہ اُس کے خلاف پایا ہے، جس کا میں گمان کرتا تھا (یعنی یہاں آ کر معلوم ہوا کہ مُردوں کو زندوں کی تلاوت وغیرہ کا ثواب پہنچتا ہے) (حاشیہ دسوقی)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ بہت سے مالکی فقہ سے تعلق رکھنے والے فقہاء ومشائخ کے نزدیک بدنی عبادات مثلاً قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ کا بھی کسی مسلمان کو ایصالِ ثواب کرنا درست ہے، لیکن بدنی عبادت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس کا ثواب دوسرے مسلمان کو پہنچنے کی دعا کر لینی چاہیے۔

(۴)......فقہ شافعی سے ثبوت

بدنی عبادات کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کے ثبوت کے دلائل اتنے قوی اور مضبوط ہیں کہ امام بیہقی رحمہ اللہ جو امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کی طرف مائل ہیں، انہوں نے بھی اس بارے میں ان قوی اور مضبوط دلائل ہی کی بنیاد پر امام شافعی رحمہ اللہ کی تحقیق سے اختلاف کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اموات کے لئے مالی عبادات کی طرح بدنی عبادات کا بھی ایصالِ ثواب کرنا اور ایصالِ ثواب کئے جانے والے لوگوں کو نفع اور ثواب پہنچنا صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اس لئے یہی حق ہے۔

چنانچہ حافظ ابنِ حجر، فتح الباری میں امام بیہقی سے نقل کرتے ہیں کہ:

قَالَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْخِلَافِيَاتِ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةُ ثَابِتَةٌ لَا اَعْلَمُ خِلَافًا بَيْنَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ فِيْ صِحَّتِهَا فَوَجَبَ الْعَمَلُ بِهَا .ثُمَّ سَاقَ بِسَنَدِهٖ اِلَى الشَّافِعِيِّ قَالَ كُلُّ مَاقُلْتُ وَصَحَّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ خِلَافُهٗ فَخُذُوْا بِالْحَدِيْثِ وَلَا تُقَلِّدُوْنِيْ (فتح الباری لابنِ حجر، ج۴ص۱۹۳، کتاب الصوم، قوله

باب من مات وعليه صوم)

ترجمہ: امام بیہقی رحمہ اللہ نے خلافیات میں فرمایا کہ یہ مسئلہ (یعنی فوت شدہ مسلمانوں کو نماز روزہ سے ایصالِ ثواب کرنا) ثابت ہے اوراس کے ثبوت کے صحیح ہونے میں مجھے معلوم نہیں کہ محدثین میں کوئی اختلاف ہو؛ لہٰذا اسی کے مطابق عمل واجب ہے، پھر اپنی سَند سے امام شافعی رحمہ اللہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ میں جو کچھ کہوں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث اس کے خلاف ثابت ہوجائے تو اس حدیث پر عمل کرو، اور میری تقلید نہ کرو (فتح الباری) [1]

---

[1] امام شافعی رحمہ اللہ نے ان میں سے بعض احادیث پر کلام بھی کیا تھا جن سے اموات کی طرف سے روزے رکھنے کا ثبوت ہوتا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب ''معرفۃ السنن والآثار'' میں اس کلام کا مفصل اور مدلل جواب دیا ہے۔

أخبرنا أبو عبد الله، وأبو بكر، وأبو زكريا، قالوا :حدثنا أبو العباس قال :أخبرنا الربيع قال :أخبرنا الشافعي قال :أخبرنا مالك، عن ابن شهاب، عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة، عن ابن عباس :أن سعد بن عبادة، استفتى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال :إن أمي ماتت وعليها نذر، فقال النبي صلى الله عليه وسلم :اقضه عنها .أخرجاه في الصحيح من حديث مالك.

قال الشافعي في رواية أبي عبد الله فيما تكلم به على الخبر :لم يسم ابن عباس ما كان نذر أم سعد؟ فاحتمل أن يكون نذر حج، أو عمرة، أو صدقة، فأمره بقضائه عنها.

فأما من نذر صياما، أو صلاة ثم مات، فإنه يكفر عنه في الصوم ولا يصام عنه، ولا يصلى عنه، ولا يكفر عنه في الصلاة.

ثم بسط الكلام في الفرق إلى أن قال :فإن قيل :أفروى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر أحدا أن يصوم عن أحد؟ قيل :نعم، روى عن ابن عباس، عن النبي صلى الله عليه وسلم.

فإن قيل :فلم لم تأخذ به؟ قيل :حديث الزهري، عن عبيد الله عن ابن عباس، عن النبي صلى الله عليه وسلم نذر نذرا ولم يسمه، مع حفظ الزهري، وطول مجالسة عبيد الله لابن عباس، فلما جاء غيره، عن رجل، عن ابن عباس بغير ما في حديث عبيد الله أشبه أن لا يكون محفوظا.

فإن قيل :أتعرف الذي جاء بهذا الحديث يغلط عن ابن عباس؟ قيل :نعم .روى أصحاب ابن عباس عن ابن عباس :أنه قال لابن الزبير :حل من متعة الحج، فروى هذا عن ابن عباس :أنها متعة النساء، وهذا غلط فاحش.

هذا قوله في كتاب اختلاف الأحاديث ، وقد قال في كتاب المناسك في القديم :وقد روى في الصوم، عن الميت شيء ، فإن كان ثابتا صيم عنه كما يحج عنه.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ جو امام شافعی رحمہ اللہ کے مقلد ہیں ان کا اپنا رُجحان بھی مالی عبادات کے ساتھ بدنی عبادات تلاوت وغیرہ کے ذریعہ ایصالِ ثواب کے ثبوت کی طرف ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال أحمد :قد ثبت جواز القضاء عن الميت برواية سعيد بن جبير ومجاهد، وعطاء ، وعكرمة، عن ابن عباس فى رواية أكثرهم :أن امرأة سألت، فيشبه أن يكون غير قصة أم سعد، وفى رواية بعضهم: صومى عن أمک.

ويشهد له بالصحة رواية عبد الله بن عطاء المدنى قال :حدثنى عبد الله بن بريدة الأسلمى، عن أبيه قال :كنت عند النبى صلى الله عليه وسلم فأتته امرأة، فقالت :يا رسول الله، إنى كنت تصدقت بوليدة على أمى فماتت أمى وبقيت الوليدة قال :وجب أجرک، ورجعت إليک فى الميراث قالت :فإنها ماتت، وعليها صوم شهر قال :صومى، عن أمک قالت :وإنها ماتت، ولم تحج قال: فحجى، عن أمک.

أخبرناه أبو الحسن محمد بن الحسين العلوى قال :أخبرنا أحمد بن محمد بن الحسين الحافظ قال :حدثنا عبد الرحمن بن بشر قال :حدثنا مروان بن معاوية قال :حدثنى عبد الله بن عطاء ، فذكره، أخرجه مسلم فى الصحيح من أوجه، عن عبد الله بن عطاء .

وأخبرنا أبو عبد الله الحافظ، وأبو نصر أحمد بن عبد القارء قالا :حدثنا أبو عبد الله محمد بن يعقوب قال :حدثنا تميم بن محمد قال :حدثنا حرملة بن يحيى قال :أخبرنا ابن وهب قال :أخبرنى عمرو بن الحارث، عن عبيد الله بن أبى جعفر، عن محمد بن جعفر بن الزبير، عن عروة، عن عائشة، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :من مات وعليه صيام صام عنه وليه، رواه مسلم فى الصحيح، عن هارون بن سعيد، وغيره عن ابن وهب، وأخرجه البخارى من وجه آخر، ثم قال : وتابعه ابن وهب، عن عمرو.

قال أحمد :وحديث محمد بن عبد الرحمن بن أبى ليلى، عن نافع، عن ابن عمر، عن النبى صلى الله عليه وسلم فيمن مات وعليه صوم رمضان قال :يطعم عنه، لا يصح، ومحمد بن عبد الرحمن كثير الوهم، وإنما رواه أصحاب نافع، عن نافع، عن ابن عمر من قوله.

أخبرناه أحمد بن الحسن القاضى قال :حدثنا أبو العباس محمد بن يعقوب قال :حدثنا محمد بن إسحاق قال :حدثنا روح قال :حدثنا عبيد الله بن الأخنس، عن نافع أن عبد الله بن عمر قال :من مات وعليه صيام رمضان فليطعم عنه مكان كل يوم مسكينا مدا من حنطة.

هكذا رواية الجماعة، عن نافع، وروى عن ابن عباس، وعائشة :أنه يطعم عنه عن كل يوم مسكينا.

وقد احتج بهذا أصحابنا فى أن المراد بقوله :صام عنه وليه :أى يفعل عنه ما يكون بدلا من صيامه، وهو الإطعام الذى ذهبنا إليه، وهما رويا الحديث فى الصوم عنه، والله أعلم.

وقد روينا عن ابن عباس، أنه قال :فى النذر :يصوم عنه وليه، وفى صوم رمضان :يطعم عنه مكان كل يوم مسكينا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

اُخْتُلِفَ فِیْ وُصُوْلِ ثَوَابِ الْقِرَآءَ ۃِ لِلْمَیّتِ فَجَمْھُوْرُالسَّلَفِ وَالْاَئِمَّۃُ الثَّـلَا ثَۃُ عَلَی الْوُصُوْلِ ،وَخَالَفَ فِیْ ذَالِکَ اِمَامُنَا الشَّافِعِیُّ............ وَاسْتَـدَلُّوْا عَلٰی الْوُصُوْلِ بِالْقِیَاسِ عَلٰی مَاتَقَدَّمَ مِنَ الدُّعَآءِ وَالصَّدَقَۃِ وَالصَّـوْمِ وَالْحَجِّ وَالْعِتْقِ ،فَاِنَّہٗ لَافَرْقَ فِیْ نَقْلِ الثَّوَابِ بَیْنَ اَنْ یَّکُوْنَ عَـنْ حَـجٍّ اَوْ صَـدَقَۃٍ اَوْوَقْفٍ اَوْ دُعَـاءٍ اَوْ قِرَآءَ ۃٍ وَبِالْاَحَادِیْثِ الْآتِیِّ ذِکْـرُھَا، وَھِیَ وَاِنْ کَانَتْ ضَعِیْفَۃً فَمَجْمُوْعُھَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ لِذَالِکَ اَصْلاً ، وَبِـاَنَّ الْـمُسْلِمِیْنَ مَازَالُوْا فِیْ کُلِّ عَصْرٍ یَجْتَمِعُوْنَ وَیَقْرَءُ وْنَ لِـمَـوْتَـاھُـمْ مِـنْ غَیْرِ نَکِیْرٍ، فَکَانَ ذَالِکَ اِجْمَاعًا ، ذَکَرَ ذٰلِکَ کُلَّہٗ اَلْـحَـافِـظُ شَمْسُ الدِّیْنِ بْنُ عَبْدِالْوَاحِدِ الْمُقَدَّسِیُّ اَلْحَنْبَلِیُّ فِیْ جُزْءٍ اَلَّـفَـہٗ فِی الْمَسْئَلَۃِ .قَالَ الْقُرْطُبِیُّ :وَقَدْکَانَ الشَّیْخُ عِزُّالدِّیْنُ بْنُ عَبْدِ السَّلَامِ یُفْتِیْ بِأَنَّہٗ لَایَصِلُ اِلَی الْمَیِّتِ ثَوَابُ مَایُقْرَأُ لَہٗ فَلَمَّا تَوَفّٰی رَآہُ بَـعْـضُ أَصْـحَـابِـہٖ فَقَالَ لَہٗ اِنَّکَ کُنْتَ تَقُوْلُ اِنَّہٗ لَا یَصِلُ اِلَی الْمَیِّتِ ثَـوَابُ مَـایُـقْـرَأُ وَیُھْدیٰ اِلَیْہِ فَکَیْفَ الْأَمْرُ؟قَالَ لَہٗ کُنْتُ أَقُوْلُ ذَالِکَ فِـیْ دَارِالـدُّنْیَـا وَالْـآنَ فَـقَـدْ رَجَـعْـتُ عَنْہُ لَمَّا رَأَیْتُ مِنْ کَرَمِ اللّٰہِ فِیْ ذٰلِکَ وَأَنَّـہٗ یَـصِلُ إِلَیْہِ ثَوَابُ ذٰلِکَ (شـرح الـصـدور بشـرح حـال الموتیٰ والـقـبـور ص۲۹۵، الـبـاب الـواحـد والـخـمسون ،باب فی قراء ۃ القرآن للمیت او علی القبر)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال الشافعی فی المریض :لا یصح حتی یموت :فلا صوم علیہ ولا کفارۃ.

قال أحمد :وھـذا قـول ابـن عباس، والحسن، وابن سیرین، وعطاء ، والشعبی(معرفۃ السنن والآثار للبیھقی، ج۶ص۳۰۷، الیٰ ۳۱۱،رقم الروایۃ ۸۸۱۷ الی ۸۸۳۴،القضاء عن المیت)

ترجمہ: میت کوقرآن مجید کی تلاوت کا ثواب پہنچنے میں اختلاف ہے، جمہور سلف اور تینوں فقہ کے ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے، اور ہمارے امام شافعی رحمہ اللہ اس کے مخالف ہیں (امام شافعی رحمہ اللہ کے استدلال کا جواب دے کر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں کہ) جمہور سلف اور تینوں ائمہ نے میت کو تلاوت کا ثواب پہنچنے کے بارے میں (اولاً تو) اُن چیزوں پر قیاس کے ذریعہ سے استدلال کیا ہے جو پہلے گزر چکیں ،یعنی دعا اور صدقہ، اور روزہ اور حج اور غلام کو آزاد کرنا، کیونکہ ثواب کے منتقل ہونے میں کوئی فرق نہیں اس بارے میں کہ وہ حج کا ثواب ہو یا صدقہ کا ہو یا وقف کا ہو یا دعاء کا ہو یا قرآن مجید کی تلاوت کا ہو اور (دوسرے) ان حضرات نے ان احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جن کا ذکر آگے آرہا ہے، اور وہ احادیث اگرچہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہوں، لیکن اُن کے مجموعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کی بنیاد موجود ہے (اور میت کو قرآن مجید کی تلاوت کے ذریعہ سے ثواب پہنچنے کا یہ مسئلہ بے بنیاد نہیں ہے) اور (تیسرے) ان حضرات نے اس چیز سے بھی استدلال کیا ہے کہ مسلمان ہر زمانے میں مجموعی طور پر اپنے مُردوں کے لئے قرآن مجید پڑھتے ہیں، اور اس پر کوئی نکیر نہیں کی جاتی، پس یہ مسلمانوں کا اجماع ہوگیا، ان تمام دلائل کو حافظ شمس الدین بن عبدالواحد مقدسی حنبلی نے اپنے اس مسئلہ کے بارے میں ایک تالیف شدہ رسالہ میں ذکر کیا ہے۔امام قرطبی نے فرمایا کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام یہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ میت کو قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب نہیں پہنچتا ،پس جب وہ فوت ہوگئے تو اُن کے بعض ساتھیوں نے اُن کو خواب میں دیکھا اور اُن سے کہا کہ آپ یہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب اور اس کا ہدیہ میت کو نہیں پہنچتا؛ تو اس کی کیا حقیقت ہے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ

میں عالَمِ دنیا میں تو یہ بات کہا کرتا تھا اور اب میں نے اس بات سے رجوع کرلیا ہے، جبکہ میں نے تلاوت کے ایصالِ ثواب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے کرَم کو دیکھا اور یہ بات دیکھی کہ مُردے کو اس کا ثواب پہنچتا ہے (شرح الصدور)

شیخ الاسلام زکریا بن محمد بن احمد بن زکریا انصاری سنیکی مصری شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اَمَّا الْقِرَاءَ ةُ فَقَالَ النَّوَوِیُّ فِیْ شَرْحِ مُسْلِمٍ اَلْمَشْهُوْرُ مِنْ مَذْهَبِ الشَّافِعِیِّ، اَنَّهٗ لَایَصِلُ ثَوَابُهَا اِلَی الْمَیِّتِ، وَقَالَ بَعْضُ اَصْحَابِنَا یَصِلُ، وَذَهَبَ جَمَاعَاتٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ اِلٰی اَنَّهٗ یَصِلُ اِلَیْهِ ثَوَابُ جَمِیْعِ الْعِبَادَاتِ مِنْ صَلَاةٍ وَصَوْمٍ وَقِرَاءَ ةٍ وَغَیْرِهَا وَمَاقَالَهٗ مِنْ مَّشْهُوْرِ الْمَذْهَبِ مَحْمُوْلٌ عَلٰی مَا اِذَا قَرَأَ لَابِحَضْرَةِ الْمَیِّتِ وَلَمْ یَنْوِ ثَوَابَ قِرَاءَ تِهٖ لَهٗ اَوْ نَوَاهُ، وَلَمْ یَدْعُ بَلْ قَالَ السُّبْکِیُّ اَلَّذِیْ دَلَّ عَلَیْهِ الْخَبَرُ بِالْاِسْتِنْبَاطِ اَنَّ بَعْضَ الْقُرْآنِ اِذَا قُصِدَ بِهٖ نَفْعُ الْمَیِّتِ نَفَعَهٗ وَبَیَّنَ ذٰلِکَ وَقَدْ ذَکَرَهٗ فِیْ شَرْحِ الرَّوْضِ (فتح الوهاب بشرح منهج الطلاب، ج۲ ص۲۳، کتاب الوصیة)

ترجمہ: جہاں تک قرآن مجید کی قرائت کا معاملہ ہے، تو امام نووی رحمہ اللہ نے مسلم کی شرح میں فرمایا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور مذہب تو یہی ہے کہ میت کو قرآن مجید کی قرائت کا ثواب نہیں پہنچتا، اور ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا کہ میت کو اس کا ثواب پہنچتا ہے، اور علماء میں سے بہت سے لوگ اس طرف گئے ہیں کہ میت کو تمام عبادات کا ثواب پہنچتا ہے، چاہے وہ نماز ہو، روزہ ہو، قرآن مجید کی قرائت ہو، یا اس کے علاوہ کوئی اور عبادت ہو؛ اور جو امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور مذہب ہے وہ اُس صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ میت کی غیر موجودگی میں پڑھا جائے، اور اُس قرائت سے میت کو ثواب پہنچانے کی نیت نہ کی جائے یا

نیت تو کی جائے مگر میت کو ثواب پہنچنے کی دعا نہ کی جائے، بلکہ امام سبکی شافعی نے فرمایا کہ حدیث سے استنباط کرتے ہوئے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن مجید کا بعض حصہ پڑھ کر جب میت کو نفع پہنچانے کا ارادہ کیا جائے تو اُس کو نفع پہنچتا ہے، اور اس بات کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور شرح روض میں اس کو ذکر کیا ہے (فتح الوہاب)

علامہ زین الدین بن عبدالعزیز ملیباری فنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اَمَّا الْقِرَاءَ ةُ فَقَدْ قَالَ النَّوَوِیُّ فِیْ شَرْحِ مُسْلِمٍ اَلْمَشْهُوْرُ مِنْ مَذْهَبِ الشَّافِعِیِّ اَنَّهٗ لَایَصِلُ ثَوَابُهَا اِلَی الْمَیِّتِ وَقَالَ بَعْضُ اَصْحَابِنَا یَصِلُ ثَوَابُهَا لِلْمَیِّتِ بِمُجَرَّدِ قَصْدِهٖ بِهَا، وَلَوْ بَعْدَهَا، وَعَلَیْهِ الْاَئِمَّةُ الثَّلَاثَةُ وَاخْتَارَهٗ کَثِیْرُوْنَ مِنْ اَئِمَّتِنَا وَاعْتَمَدَهُ السُّبْکِیُّ وَغَیْرُهٗ فَقَالَ وَالَّذِیْ دَلَّ عَلَیْهِ الْخَبَرُ بِالْاِسْتِنْبَاطِ اَنَّ بَعْضَ الْقُرْآنِ اِذَا قُصِدَ بِهٖ نَفْعُ الْمَیِّتِ نَفَعَهٗ وَبَیَّنَ ذَالِکَ وَحَمَلَ جَمْعٌ عَدَمَ الْوُصُوْلِ الَّذِیْ قَالَهُ النَّوَوِیُّ عَلٰی مَا اِذَا قَرَأَ لَابِحَضْرَةِ الْمَیِّتِ وَلَمْ یَنْوِ الْقَارِیُٔ ثَوَابَ قِرَائَتِهٖ لَهٗ اَوْ نَوَاهُ وَلَمْ یَدْعُ وَقَدْ نَصَّ الشَّافِعِیُّ وَالْاَصْحَابُ عَلٰی نُدُبِ قِرَاءَ ةِ مَا تَیَسَّرَ عِنْدَا لْمَیِّتِ وَالدُّعَآءِ عَقِبَهَا اَیْ لِاَنَّهٗ حِیْنَئِذٍ اَرْجٰی لِلْاِجَابَةِ، وَلِاَنَّ الْمَیِّتَ تَنَالُهٗ بَرَکَةُ الْقِرَاءَ ةِ کَالْحَیِّ الْحَاضِرِ، قَالَ ابْنُ الصَّلَاحِ وَیَنْبَغِیُ الْجَزْمُ بِنَفْعِ: اَللّٰهُمَّ اَوْصِلْ ثَوَابَ مَاقَرَأْتُهٗ اَیْ مِثْلَهٗ فَهُوَ الْمُرَادُ وَاِنْ لَّمْ یُّصَرِّحْ بِهٖ لِفُلَانٍ لِاَنَّهٗ اِذَا نَفَعَهُ الدُّعَآءُ بِمَا لَیْسَ لِلدَّاعِیِ فَمَالَهٗ اَوْلٰی وَیَجْرِیْ هٰذَا فِیْ سَائِرِ الْاَعْمَالِ مِنْ صَلَاةٍ وَصَوْمٍ وَغَیْرِهَا

(فتح المعین شرح قرة العین بمهمات الدین ج ۱ ص ۴۳۲، ۴۳۳، باب فی الوصیة)

ترجمہ: جہاں تک قرآن مجید کی قرائت کا معاملہ ہے، تو امام نووی رحمہ اللہ نے

مسلم کی شرح میں فرمایا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور مذہب تو یہی ہے کہ میت کو قرآن مجید کی قرائت کا ثواب نہیں پہنچتا، اور ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا کہ میت کو اس کا ثواب پہنچ جاتا ہے، صرف ثواب پہنچانے کی نیت کر لینے سے ہی، اگرچہ بعد میں ہی نیت کیوں نہ کی جائے، اور تینوں ائمہ (امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل اور امام مالک رحمہم اللہ) کا اس پر اتفاق ہے، اور ہمارے ائمہ میں سے بہت سوں نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور امام سبکی وغیرہ نے اسی پر اعتماد کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ حدیث سے استنباط کرتے ہوئے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قرآن مجید کے کسی حصے کو پڑھ کر جب میت کو نفع پہنچانے کا ارادہ کیا جائے تو اس سے اس کو نفع پہنچتا ہے، اور اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، اور ایک بہت بڑی جماعت نے ثواب نہ پہنچنے کو اس صورت کے ساتھ خاص کیا ہے جو امام نووی نے فرمائی کہ جب میت کی غیر موجودگی میں پڑھا جائے، اور اُس قرائت سے میت کو ثواب پہنچانے کی نیت نہ کی جائے یا نیت تو کی جائے مگر میت کو ثواب پہنچنے کی دعا نہ کی جائے، اور امام شافعی اور ان کے اصحاب نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ میت کے نزدیک جتنی قرائت ہوسکے (خواہ تھوڑی سی ہی ہو) اور اس کے بعد دعا کرنا مستحب ہے، یعنی اس وقت میں قبولیت کی زیادہ امید ہے، اور اس لئے کہ میت کو قراءت کی برکت حاصل ہوتی ہے جیسے کہ زندہ موجود شخص کو حاصل ہوتی ہے، امام ابنِ صلاح نے فرمایا کہ میت کو نفع پہنچنے کا یقین کر لینا ہی مناسب ہے، جبکہ یہ دعا کی جائے کہ اے اللہ! جو میں نے پڑھا ہے اس کے مثل میت کو ثواب پہنچا دیجئے، اور مقصود یہی ہے، اگرچہ کسی کا زبان سے نام بھی نہ لے، کیونکہ جب مسلمان کو ایسی چیز کی دعا کا بھی فائدہ ہوتا ہے جو دعا کرنے والے کے پاس نہیں ہوتی (مثلاً مغفرت کی دعا) تو جو اس کے پاس موجود ہے یعنی ثواب، اس کا فائدہ

تو بدرجہ اولیٰ پہنچتا ہے، اور یہ اصول تمام نیک اعمال میں جاری ہوتا ہے، چاہے وہ نماز ہو یا روزہ ہو یا ان کے علاوہ کوئی اور عبادت ہو (فتح المعین)

محمد بن محمد عبدالرحمان مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فَقَالَ اَلْمَشْهُوْرُ مِنْ مَذْهَبِ الشَّافِعِيّ اَنَّ ثَوَابَ الْقِرَاءَ ةِ لَا يَصِلُ اِلَى الْمَيِّتِ، قَالَ وَهُوَ مَحْمُوْلٌ عَلٰى مَا اِذَا نَوَى الْقَارِئُ بِقِرَاءَ تِهٖ اَنْ تَكُوْنَ عَنِ الْمَيِّتِ وَاَمَّا النَّفْعُ فَيَنْتَفِعُ الْمَيِّتُ ،بِاَنْ يَّدْعُوَلَهٗ عَقِبَهَا اَوْ يَسْأَلَ جَعْلَ اَجْرِهٖ لَهٗ اَوْ يُطْلِقَ عَلَى الْمُخْتَارِ عِنْدَ النَّوَوِيّ وَغَيْرِهٖ لِنُزُوْلِ الرَّحْمَةِ عَلَى الْقَارِئِ ثُمَّ تَنْشُرُ (مواهب الجليل فی شرح مختصر خليل، ج ۲ ص ۵۴۵، باب الحج، مسئلة اهداء القرب للنبی صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور مذہب تو یہی ہے کہ میت کو قرآن مجید کی قرائت کا ثواب نہیں پہنچتا، امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ مذہب اُس صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ قراءت کرنے والا اپنی قراءت سے یہ نیت کرے کہ یہ (پوری قرائت ہی بطور نیابت) میت کی طرف سے ہوجائے، اور جہاں تک نفع اور ثواب کا تعلق ہے تو میت کو قرائت سے نفع ہوتا ہے، جبکہ قرائت کے بعد میت کے لیے دعا کرے، یا اُس کا ثواب میت کے لیے ہونے کی دعا کرے یا کچھ بھی دعا نہ کرے (ثواب پہنچنے کی صرف نیت کرے) امام نووی اور اُن کے علاوہ کے نزدیک اس صورت میں بھی ثواب پہنچ جاتا ہے، کیونکہ قرائت کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت نازل ہوتی ہے، پھر وہ پھیل جاتی ہے (اور میت تک اُس کا نفع پہنچ جاتا ہے) (مواہب الجلیل)

تحفۃ الحبیب میں ہے کہ:

وَالْحَاصِلُ اَنَّهٗ اِذَانَوٰى ثَوَابَ قِرَاءَ ةٍ لَهٗ اَوْ دَعَا عَقِبَهَا بِحُصُوْلِ ثَوَابِهَا لَهٗ اَوْ قَرَءَ عِنْدَقَبْرِهٖ حَصَلَ لَهٗ مِثْلُ ثَوَابِ قِرَاءَ تِهٖ وَحَصَلَ لِلْقَارِئِ اَيْضًا ثَوَابٌ (تحفة الحبيب على شرح الخطيب المعروف بحاشية البجيرمی علی الخطيب، ج۲ ص ۳۰۲،فصل فی الجنازة)

ترجمہ: اورخلاصہ یہ ہے کہ جب میت کے لیے قرآن مجید کی قرائت کے ثواب کی نیت کرے، یا قرائت کرنے کے بعد میت کو اس کا ثواب حاصل ہونے کی دعا کرے، یا میت کی قبر کے پاس قرائت کرے، تو (ان سب صورتوں میں) میت کو اس کی قرائت کے ثواب کے برابر اجر حاصل ہو جا تا ہے اور قرائت کرنے والے کو بھی ثواب حاصل ہوتا ہے (تحفۃ الحبیب)

اورعلامہ دمیاطی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَقَالَ الْمُحِبُّ الطِّبْرِيُّ يَصِلُ لِلْمَيِّتِ كُلُّ عِبَادَةٍ تُفْعَلُ وَاجِبَةً اَوْ مَنْدُوْبَةً وَفِيْ شَرْحِ الْمُخْتَارِ لِمُؤَلِّفِهٖ فَذَهَبَ اَهْلُ السُّنَّةِ اَنَّ لِلْاِنْسَانِ اَنْ يَّجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ وَصَلَاتِهٖ لِغَيْرِهٖ وَيَصِلُهٗ اهـ (اعانة الطالبين جلد ۱ صفحه ۳۳،باب الصلاة)

ترجمہ: اور محبّ طبری نے فرمایا کہ میت کے لئے جو بھی عبادت کی جائے خواہ واجب ہو یا نفلی اس کا ثواب پہنچتا ہے، اور انہیں کی تالیف شرح مختار میں ہے کہ اہلِ سنت کا مذہب یہ ہے کہ انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے عمل اور نماز (وغیرہ) کا ثواب دوسرے کو پہنچا دے، اور دوسرے کو اس کا ثواب پہنچ جا تا ہے (اعانۃ الطالبین)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ بہت سے شوافع کے نزدیک بدنی عبادات مثلاً قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ کا بھی کسی مسلمان کو ایصالِ ثواب کرنا درست ہے، لیکن بدنی عبادت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس کا ثواب دوسرے مسلمان کو پہنچنے کی نیت اور دعا کر لینی چاہیے۔

بعض اہلِ ظاہر اور غیر مقلدین حضرات سے ثبوت

سبل السلام میں ہے کہ:

وَذَهَبَ جَمَاعَةٌ مِّنْ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْحَنَفِيَّةِ اِلٰى اَنَّ لِلْاِنْسَانِ اَنْ يَّجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَيْرِهٖ صَلَاةً كَانَ اَوْ صَوْمًا اَوْحَجًّا اَوْصَدَقَةً اَوْ قِرَاءَ ةَ قُرْآنٍ اَوْ ذِكْرًا اَوْ اَىَّ اَنْوَاعِ الْقُرْبِ وَهٰذَا هُوَ الْقَوْلُ الْاَرْجَحُ دَلِيْلًا وَقَدْ اَخْرَجَ الدَّارَقُطْنِيُّ (اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَيْفَ يَبُرُّ اَبَوَيْهِ بَعْدَ مَوْتِهِمَا فَاَجَابَهُ بِاَنَّهُ يُصَلِّيْ لَهُمَا مَعَ صَلَاتِهٖ وَيَصُوْمُ لَهُمَا مَعَ صِيَامِهٖ)وَاَخْرَجَ اَبُوْدَاوٗدَ مِنْ حَدِيْثِ مَعْقَلِ بْنِ يَسَارٍ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (اِقْرَئُوْا عَلٰى مَوْتَاكُمْ سُوْرَةَ يٰسٓ)وَهُوَ شَامِلٌ لِلْمَيِّتِ بَلْ هُوَ الْحَقِيْقَةُ فِيْهِ (سبل السلام شرح بلوغ المرام، ج ۱ ص،۵۰۹،۵۱۰،کتاب الجنائز ، باب ماینتفع به المیت من الحی)

ترجمہ: اہلِ سنت کی جماعت اور حنفیہ کے نزدیک انسان کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچائے چاہے وہ عمل نماز ہو یا روزہ ہو، یا حج ہو، یا صدقہ ہو، یا قرآن کی قرائت ہو یا ذکر واذکار ہو یا نیکی کی کوئی بھی قسم ہو۔ اور یہی قول دلیل کے اعتبار سے زیادہ راجح ہے، اور دارقطنی نے تخریج کی ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اُن کے فوت ہونے کے بعد کس طرح نیکی کرسکتا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو جواب دیا کہ وہ اپنے والدین کو نماز پڑھ کر اپنی نماز کے ساتھ اور روزہ رکھ کر اپنے روزے کے ساتھ (ثواب پہنچاسکتا ہے) اور امام ابوداؤد نے تخریج کیا ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اپنے مُردوں پر سورۃ یٰسٓ پڑھا کرو، اور یہ میت کو شامل ہے بلکہ حقیقی معنیٰ میں

میت ہی کے لیے ہے (سبل السلام)

نیلُ الاوطار میں ہے کہ:

وَفِیْ شَرْحِ الْمِنْهَاجِ لِابْنِ النَّحْوِیّ: لَایَصِلُ اِلَی الْمَیِّتِ عِنْدَنَا ثَوَابُ الْقِرَاءَةِ عَلَی الْمَشْهُوْرِ، وَالْمُخْتَارُ الْوُصُوْلُ اِذَا سَأَلَ اللّٰہَ اِیْصَالَ ثَوَابِ قِرَاءَتِهٖ، وَیَنْبَغِی الْجَزْمُ بِهٖ، لِاَنَّهٗ دُعَاءٌ، فَاِذَا جَازَ الدُّعَاءُ لِلْمَیِّتِ بِمَا لَیْسَ لِلدَّاعِیْ، فَلَاَنْ یَّجُوْزَ بِمَا هُوَ لَهٗ اَوْلٰی، وَیَبْقَی الْاَمْرُ فِیْهِ مَوْقُوْفًا عَلٰی اِسْتِجَابَةِ الدُّعَاءِ هٰذَا الْمَعْنٰی لَایَخْتَصُّ بِالْقِرَاءَةِ بَلْ یَجْرِیْ فِیْ سَائِرِ الْاَعْمَالِ (نیل الاوطار للشوکانی، ج۴ص۱۱۳، ابواب الدفن واحکام القبور، باب وصول ثواب القرب المهداة إلى الموتى)

ترجمہ: اور ابن نحوی کی شرح منہاج میں ہے کہ میت کو ہمارے نزدیک مشہور یہ ہے کہ قراءت کا ثواب نہیں پہنچتا، لیکن مختار وراجح یہ ہے کہ اُس صورت میں پہنچ جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ سے اپنی قراءت کے ایصالِ ثواب کی دعا کرے اور اسی بات پر یقین کرنا چاہیے، اس لیے کہ یہ دعا ہے، اور جب میت کے لیے ایسی چیز کی دعا کرنا جائز ہے جو دعا کرنے والے کے پاس نہیں ہے (مثلاً مغفرت وجنت وغیرہ کی دعا، جو دعا کرنے والے کے پاس نہیں ہے) تو جو چیز اُس کے پاس ہے (یعنی عمل کا ثواب) اُس کے لیے تو بدرجۂ اولیٰ دعا کرنا جائز ہے، البتہ یہ ثواب دعا کی قبولیت پر موقوف ہے، مگر یہ دعا کی قبولیت کا معاملہ قرآن مجید کی قراءت کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام اعمال میں یہی معاملہ ہے (نیل)

علامہ وحید الزمان صاحب فرماتے ہیں کہ:

اَمَّا نَفْسُ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَاِیْصَالُ ثَوَابِهَا وَاِیْصَالُ ثَوَابِ الْعِبَادَاتِ الْبَدَنِیَّةِ اَوِ الْمَالِیَّةِ اِلَی الْاَمْوَاتِ بِلَاتَعْیِیْنِ الْیَوْمِ وَالْوَقْتِ فِیْهِمَا لَابَأْسَ

بِہٖ(نزل الابرار ج ا ص ۱۷۸)

ترجمہ: بہرحال نفسِ قرآن مجید کی قرائت کر کے اس کا ایصالِ ثواب کرنا یا بدنی عبادات یا مالی عبادات کے ذریعہ سے مُردوں کو ایصالِ ثواب کرنا بغیر کسی دن اور وقت کی پابندی کے کوئی حرج نہیں (نزل الابرار)

نیز ایک مقام پر علامہ وحید الزمان صاحب فرماتے ہیں کہ:

وَلَابَأْسَ لَوْ قَرَءَ سُوْرَةَ يٰسٓ اَوْ سُوْرَةَ الْاِخْلَاصِ اَوْ سُوْرَةَ الْمُلْكِ عِنْدَ الْقَبْرِ مِنَ الْقُبُوْرِ ثُمَّ وَهَبَ اَجْرَهَا لِلْمَيِّتِ (نزل الابرار ج ا ص ۱۷۹)

ترجمہ: اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ اگر سورہ یٰس یا سورہ اخلاص یا سورہ ملک، قبروں میں سے کسی قبر کے پاس پڑھ کر اس کا ثواب میت کو پہنچا دے (نزل الابرار)

مزید فرماتے ہیں کہ:

وَيَنْتَفِعُ بِالْخَيْرِ وَاِهْدَاءُ الْقُرَبِ مُسْتَحَبٌّ وَيُسْتَحَبُّ اِهْدَائُهَا حَتّٰى لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (نزل الابرار ج ا ص ۱۸۰)

ترجمہ: اور میت کو نیک کاموں سے نفع ہوتا ہے، اور نیک اعمال کا میت کو ایصال کرنا مستحب ہے، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی (ایصالِ ثواب) مستحب ہے (نزل الابرار)

مطلق ایصالِ ثواب کے منکر معتزلی اور بدعتی ہیں

مالی اور بدنی ہر قسم کی عبادات کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کا انکار کرنے والوں کو اہلِ علم حضرات نے معتزلی اور بدعتی قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَقَدْ دَلَّ عَلَيْهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ وَالْاِجْمَاعُ، فَمَنْ خَالَفَ ذَالِكَ كَانَ

مِنْ اَهْلِ الْبِدَعِ (الفتاویٰ الکبریٰ لابنِ تیمیة، ج۳، ص۲۷، کتاب الجنائز، قولهٗ تعالیٰ وأن لیس للانسان الا ماسعی)

ترجمہ: اور اس (مطلق ایصالِ ثواب) پر قرآن مجید اور سنت اور اجماع (تینوں) سے دلیل موجود ہے، پس جس نے اس (ایصالِ ثواب ہونے) کا انکار کیا تو وہ اہلِ بدعت میں سے ہے (فتاویٰ کبریٰ)

اور علامہ صدرالدین ابن ابی العز فرماتے ہیں کہ:

وَذَهَبَ بَعْضُ اَهْلِ الْبِدَعِ مِنْ اَهْلِ الْكَلَامِ اِلٰى عَدَمِ وُصُوْلِ شَيْئٍ اَلْبَتَّةَ لَا الدُّعَآءِ وَلَا غَيْرِهٖ وَقَوْلُهُمْ مَرْدُوْدٌ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ لٰكِنَّهُمْ اِسْتَدَلُّوْا بِالْمُتَشَابِهِ (شرح العقیدة الطحاویة ص۴۵۸)

ترجمہ: اور بعض بدعتی عقائد رکھنے والے اس طرف گئے ہیں کہ کسی چیز کا بھی ثواب نہیں پہنچتا، نہ تو دعا کا اور نہ اس کے علاوہ (کسی مالی وبدنی عبادت) کا، اور ان اہلِ بدعت کا قول کتاب وسنت کی رُو سے مردود ہے، اور ان لوگوں نے (بعض قرآن وحدیث کی) متشابہ چیزوں سے استدلال کیا ہے (شرح عقیدۂ طحاویہ)

اور علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَذَهَبَ بَعْضُ اَهْلِ الْبِدَعِ مِنْ اَهْلِ الْكَلَامِ اَنَّهٗ لَايَصِلُ اِلَى الْمَيِّتِ بِشَيْئٍ اَلْبَتَّةَ لَادُعَاءٍ وَلَاغَيْرِهٖ (کتاب الروح ص۱۱۷، المسئالة السادسة عشرة)

ترجمہ: اور بعض بدعتی عقائد رکھنے والے اس طرف گئے ہیں کہ میت کو کسی بھی عمل کا ثواب نہیں پہنچتا، نہ تو دعا کا اور نہ ہی اس کے علاوہ (کسی مالی وبدنی عبادت) کا (کتاب الروح)

اور ملا علی قاری رحمہ اللہ ''فقہ اکبر'' کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

اَنَّ دُعَاءَ الْاَحْيَاءِ لِلْاَمْوَاتِ وَصَدَقَتَهُمْ عَنْهُمْ نَفَعَ لَهُمْ فِيْ عُلُوِّ الْحَالَاتِ، خِلَافًا لِلْمُعْتَزِلَةِ (شرح فقه اكبر ص ۱۲۹)

ترجمہ: بلاشبہ زندوں کی مُردوں کے لئے دعا اور زندوں کے مُردوں کی طرف سے صدقہ کرنے سے مُردوں کے حالات بلند ہونے کا فائدہ ہوتا ہے، مگر معتزلہ فرقہ اس کے خلاف ہے (شرح فقہ اکبر)

اور علامہ ابنِ ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَخَالَفَ فِيْ كُلِّ الْعِبَادَاتِ اَلْمُعْتَزِلَةُ (فتح القدير، ج۳ ص ۱۴۲، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

ترجمہ: اور معتزلہ نے (مالی اور بدنی ہر قسم کی) عبادات میں (ایصالِ ثواب میں) مخالفت کی ہے (فتح)

اور امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

اَنَّ الْمَيِّتَ لَايَلْحَقُهُ بَعْدَ مَوْتِهٖ ثَوَابٌ فَهُوَ مَذْهَبٌ بَاطِلٌ قَطْعًا وَخَطَأٌ بَيِّنٌ مُخَالِفٌ لِنُصُوْصِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَاِجْمَاعِ الْاُمَّةِ فَلَا اِلْتِفَاتَ اِلَيْهِ وَلَاتَعْرِيْجَ عَلَيْهِ (شرح النووى علىٰ مسلم، ج ۱ ص ۹۰، مقدمة، باب بيان أن الإسناد من الدين وأن الرواية لا تكون إلا عن الثقات)

ترجمہ: یہ مذہب کہ میت کو اس کے فوت ہونے کے بعد ثواب نہیں پہنچتا، قطعی طور پر باطل ہے، اور واضح طور پر خطا پر مبنی ہے، اور کتاب اللہ کی نصوص، سنتِ رسول اور اجماعِ امت کے مخالف ہے، اس لئے اس کی طرف توجہ نہ کی جائے، اور نہ اس پر اعتماد کیا جائے (شرحُ النووی)

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم

ایصالِ ثواب سے متعلق چند سوالات وجوابات

اب ایصالِ ثواب سے متعلق چند اہم اور کثیرُ الوقوع سوالات کے جوابات تحریر کئے جاتے ہیں۔

(۱)......ایصالِ ثواب کے فوائد

سوال:...... کسی مسلمان کو ایصالِ ثواب کیا جائے، تو اس سے اس کو کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟

جواب:...... کسی مسلمان کو ایصالِ ثواب کرنے سے اُس کو کیونکہ نیک عمل کا ثواب پہنچتا ہے، اور نیک عمل عذاب میں تخفیف اور درجات کی بلندگی کا ذریعہ بنا کرتا ہے۔

اس لئے جس مسلمان میت کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے۔

اگر وہ عذاب میں مبتلا ہے تو عذاب میں کمی ہوتی ہے، ورنہ درجات میں ترقی ہوتی ہے، مُردہ اس سے خوش ہوتا ہے اور اس کے غم میں کمی ہوتی ہے (کذا فی عقائد الاسلام کاندھلوی حصہ اول ص ۶۰ وفتاویٰ محمودیہ مبوب جلد ۹ ص ۲۰۵)

(۲)......ایصالِ ثواب کی شرائط

سوال:...... ایصالِ ثواب کی کیا شرائط ہیں؟ یعنی کن شرائط کے پائے جانے پر ایصالِ ثواب ہوتا ہے؟

جواب:...... ایصالِ ثواب میں کیونکہ دوسرے کو نیک عمل کا ثواب پہنچایا جاتا ہے، اور اس عمل پر عامل کے لئے پہلے ثواب مرتب ہونا ضروری ہے، اسی کے بعد وہ کسی دوسرے کو اس کا ثواب پہنچا سکتا ہے۔

اس لئے ایصالِ ثواب ہونے کے لئے چند بنیادی اور اصولی شرطیں ہیں، جب تک وہ موجود نہ ہوں، اس وقت تک ایصالِ ثواب متحقق نہیں ہوتا۔

اور وہ بنیادی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)...... ایصالِ ثواب کے لئے ضروری ہے کہ ایصالِ ثواب کرنے والا مؤمن اور مسلمان ہو۔

کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی عمل عبادت نہیں بنتا، اور کسی عمل پر ثواب مرتب نہیں ہوتا۔ [۱]

(۲)...... ایصالِ ثواب کے لئے ضروری ہے کہ جس کو ایصالِ ثواب کیا جارہا ہے وہ مسلمان ہو، اگرچہ نیک صالح نہ ہو، اور گناہ گار کیوں نہ ہو۔

کیونکہ کافر کو کسی عمل کا ثواب نہیں پہنچتا۔ [۲]

(۳)...... ایصالِ ثواب کے لئے ضروری ہے کہ جو عمل کیا جائے، وہ خالصةً اللہ

---

[۱] علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اَلْقُرْبَةُ مَتٰى حَصَلَتْ وَقَعَتْ عَنِ الْفَاعِلِ لَالِغَيْرِهٖ وَلِهٰذَا تُعْتَبَرُ اَهْلِيَّةُ الْفَاعِلِ وَنِيَّتُهٗ(رسائل ابن عابدين ج ۱ ص۱۵۷، الرسالة السابعة "شفاء العليل وبل الغليل فی حكم الوصية بالختمات و التهاليل")

امدادالفتاویٰ میں ہے کہ:

وصولِ ثواب کے لئے اس عمل پر اول عامل کو ثواب ملنا شرط ہے، اور ثواب ملنے کے لئے ایمان شرط ہے، پس غیر مومن کے اس عمل یعنی اعطاء وانفاق کا ثواب تو پہنچ نہیں سکتا (امدادالفتاویٰ ج۱ ص۵۴۶، باب الجنائز)

[۲] فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ:

رجل تصدق على الميت أو دعا له فإنه يصل الثواب إلى الميت إذا جعل ثواب عمله لغيره من المؤمنين جاز فی السراجية(الفتاوى الهندية ج۴ ص۴۰۸، كتاب الهبة، الباب الثانی عشر فی الصدقة)

اور عقائدالاسلام کاندھلوی میں ہے کہ:

زندہ مسلمانوں کی دعا اور خیرات سے مسلمان مُردہ کو نفع پہنچتا ہے، مُردہ کافر کے لئے دعا اور صدقہ ہرگز نفع نہیں دیتا، کیونکہ کافروں کے تمام اعمال حبط ہیں، اور نہ کسی کی دعا وغیرہ سے ان کے عذاب میں تخفیف ہوسکتی ہے، "لايخفف عنهم العذاب ولاهم ينصرون" (عقائدالاسلام کاندھلوی حصہ اول ص۶۰)

تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو۔

اوراس میں نام ونمود وریا کاری اور دکھلا وا، اور مخلوق کی خوشنودی پیشِ نظر نہ ہو۔

کیونکہ اخلاص کے بغیر کسی بھی عمل وعبادت پر ثواب مرتب نہیں ہوتا، اور جب عمل کرنے والے ہی کو ثواب حاصل نہ ہوگا تو وہ دوسرے کو اس کا ایصالِ ثواب کیسے کرسکے گا۔ [1]

---

[1] علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

ان القراء ة فی نفسها عبادة ، وكل عبادة لابد فيها من الاخلاص لله تعالىٰ بلارياء حتى تكون عبادة يرجى بها الثواب وقد عرفوا الرياء بان يراد بالعبادة غير وجهه تعالىٰ، فالقارئ بالاجرة ثوابه ماأراد القراء ة لاجله،وهو المال............واذا كان لا ثواب له لم تحصل المنفعة المقصودة للمستأجر لانه استأجره لاجل الثواب فلا تصح الاجارة (رسائل ابنِ عابدين ج ا ص ١٦٧،الرسالة السابعة"شفاء العليل وبل الغليل فی حكم الوصية بالختمات والتهاليل")

فالحاصل ان ماشاع فی زماننا من قراء ة الاجزاء بالاجرة لايجوز، لانه فيه الامربالقراء ة واعطاء الثواب للآمر والقراء ة لاجل المال فاذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة فاين يصل الثواب الى المستأجر ولو لا الاجرة ماقرء احد لاحد فی هذ الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا ووسيلة الى جمع الدنيا انا للهواناالیه راجعون (ردالمحتار ج ٦ ص ٥٦،كتاب الاجارة،باب الاجارة الفاسدة، مطلب فی الاستئجار على الطاعات)

اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وقد قال العلماء ان القارئ اذا قرأ لاجل المال فلا ثواب له فای شیئ يهدی الى الميت وانما يصل الى الميت العمل الصالح والاستئجار على مجردالتلاوة لم يقل به احد من الائمة وانما تنازعوا فی الاستئجار وعلى التعليم ولابأس بجواز اخذ الاجرة على الرقية ونص عليه احمد(الفتاوىٰ الكبرىٰ لابنِ تيميه،ج۵ص ۴۰۸،كتاب البيع،باب الاجارة)

ملحوظ رہے کہ اس موقع پر ایصالِ ثواب کے بعض منکرین یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ:

عبادت کے لیے شرط ہے کہ وہ خاص اللہ کے لیے ہو، جبکہ ایصالِ ثواب نہ تو عبادت ہے، اور نہ یہ عمل اللہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے، بلکہ یہ عمل خالص مُردے کے لیے اور لوگوں کے دِکھاوے کی خاطر کیا جاتا ہے، تو گویا نہ یہ عبادت ہے، اور نہ اس سے غرض اللہ ہے (ملاحظہ ہو: عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں ص ۱۰۵، اشاعتِ ہفتم، ربیع الاول ۱۴۱۷، اگست 1996ء، ناشر: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات نے ایصالِ ثواب کی شرائط کو ہی نہیں سمجھا، اوران کو بعض بدعت اور رسم پرست لوگوں

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۴)...... ایصالِ ثواب کے لئے ضروری ہے کہ ایصالِ ثواب کے لئے جو عمل کیا جائے وہ عمل شریعت کے اصول وقواعد اور تقاضوں کے مطابق ہو، اور اس میں کسی شریعت کے حکم کی خلاف ورزی نہ کی گئی ہو، اور نہ ہی کوئی بدعت وغیرہ اس میں شامل کی گئی ہو۔

کیونکہ شریعت کا حکم توڑ کر کوئی عمل عبادت نہیں رہتا، اور بدعت کے ارتکاب سے بھی نیک عمل عبادت کے زمرے سے نکل کر گناہ کے زمرے میں داخل ہوجاتا ہے۔ [1]

(۳)...... ایصالِ ثواب زندہ ومردہ دونوں کو کیا جاسکتا ہے

سوال:...... کیا ایصالِ ثواب صرف فوت شدہ مسلمانوں کو ہی کیا جاسکتا ہے یا جو مسلمان زندہ ہوں ان کو کرنا بھی درست ہے؟

حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی صاحب نے ایصالِ ثواب کے انکار پر ایک کتاب تحریر کی ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں کہ:

''کبھی کسی زندہ کو اپنے ثواب کا ایصال نہیں کرتے، اور نہ آج تک اس کا کوئی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کے عمل سے غلط فہمی ہوئی ہے، ورنہ وہ اس قسم کی باتیں نہ کرتے، کیونکہ کسی عمل کے ذریعے ایصالِ ثواب کے لیے اُس کا خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا ضروری ہے، جس طرح اپنے عمل پر اجروثواب مرتب ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا ضروری ہے۔

اور مُردہ کو تو صرف اُس عمل کا ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے، براہِ راست مُردہ کا تقرُّب حاصل کرنے کے لیے کوئی عبادت کرنا سراسر شرک ہے، اس کو عبادت کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔

[1] عن جابر بن عبد الله، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في خطبته: يحمد الله ويثني عليه بما هو أهله، ثم يقول: من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، إن أصدق الحديث كتاب الله، وأحسن الهدى هدى محمد، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار (سنن الترمذي، رقم الحديث ۱۵۷۸)

قائل رہا ہے، اور نہ آج تک کسی زندہ نے کسی دوسرے زندہ کو اپنے عمل کا ثواب بخشا ہے...... (مزید لکھتے ہیں) ہماری معلومات کے مطابق یہ ایصال صرف مُردوں کے ساتھ مخصوص ہے، اور زندہ اس ثواب کا ہرگز مستحق نہیں سمجھا جاتا''

(عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں ص۲۰، اشاعتِ ہفتم، ربیع الاول ۱۴۱۷، اگست 1996ء، ناشر: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی)

جواب:...... ایصالِ ثواب مُردوں کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ زندہ مسلمانوں کو بھی ایصالِ ثواب کرنا درست ہے، کیونکہ ایصالِ ثواب اس عمل کا کیا جاتا ہے، جس کا عمل کرنے والے کو خود بھی ثواب پہنچتا ہے، اور عمل کرنے والا زندہ ہوتا ہے، تو جس طرح وہ زندہ ہونے کی حالت میں اپنے لئے ثواب حاصل کرسکتا ہے، اسی طرح اس ثواب کو دوسرے زندہ مسلمان کو پہنچانے میں بھی کوئی رکاوٹ نہیں، البتہ اس میں شک نہیں کہ زندہ آدمی کو تو عمل کرکے ثواب حاصل کرنے کا اختیار ہوتا ہے، لیکن فوت ہونے کے بعد خود سے عمل کرکے ثواب حاصل کرنے کا اختیار نہیں رہتا، اس حیثیت سے فوت شدہ انسان زندہ کی بہ نسبت ایصالِ ثواب کا زیادہ محتاج و مستحق ہوتا ہے۔

نیز زندوں کو ایصالِ ثواب کرنے میں بعض اوقات کچھ مفاسد بھی لازم آسکتے ہیں، مثلاً یہ کہ زندہ لوگ اپنے اعمال دوسروں کے ایصالِ ثواب کے بھروسے پر چھوڑ دیں، اور مالدار لوگ اپنی زندگی میں اپنے ایصالِ ثواب کے لیے دوسروں کو روپیہ پیسہ دے کر ایصالِ ثواب کی کوشش کریں، اور اس طرح دونوں فریق گناہ گار ہوں۔

اور اسی وجہ سے زندوں کے مقابلہ میں فوت شدہ لوگوں کو عام طور پر ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے، تاہم اگر مفاسد سے بچنے کا اہتمام کرتے ہوئے کسی زندہ شخص کو ایصالِ ثواب کیا جائے تو جائز ہے، جیسا کہ آج کے دَور میں بھی بعض حضرات زندوں کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔

علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ نے ''کتاب الروح'' میں اس پر تفصیل سے کلام کیا ہے۔

علامہ ابنِ نجیم اور علامہ شامی رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ:

مَنْ صَامَ اَوْ صَلّٰی اَوْ تَصَدَّقَ وَجَعَلَ ثَوَابَهٗ لِغَيْرِهٖ مِنَ الْاَمْوَاتِ وَالْاَحْيَاءِ جَازَ وَيَصِلُ ثَوَابُهَا اِلَيْهِمْ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ كَذَافِي الْبَدَائِعِ وَبِهٰذَا عُلِمَ اَنَّهٗ لَافَرْقَ بَيْنَ اَنْ يَّكُوْنَ الْمَجْعُوْلَ لَهٗ مَيِّتًا اَوْ حَيًّا (رسائل ابنِ عابدين ج ا ص ۱۲۶، الرسالة السابعة "شفاء العليل وبل الغليل فی حكم الوصية بالختمات والتهاليل" كذافی البحر الرائق، ج۳ص ۶۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير)

ترجمہ: جس نے روزہ رکھا یا نماز پڑھی یا صدقہ کیا اور ان کا ثواب فوت ہونے والوں اور زندوں کو کردیا تو جائز ہے، اور اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ان اعمال کا ثواب ان لوگوں کو پہنچے گا، جیسا کہ بدائع میں ہے؛ اور اسی سے معلوم ہوگیا کہ جس کو ثواب کیا گیا ہے اُس کے فوت شُدہ یا زندہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا

(رسائل ابنِ عابدین، بحر)

اور علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَاَمَّا قَوْلُكُمْ لَوْ صَاغَ الْاِهْدَاءُ اِلَى الْمَيِّتِ لَصَاغَ اِلَى الْحَيِّ فَجَوَابُهٗ مِنْ وَجْهَيْنِ:

اَحَدُهُمَا: اَنَّهٗ قَدْ ذَهَبَ اِلٰى ذٰلِكَ بَعْضُ الْفُقَهَاءِ مِنْ اَصْحَابِ اَحْمَدَ وَغَيْرِهِمْ قَالَ الْقَاضِيُ وَكَلَامُ اَحْمَدَ لَايَقْتَضِي التَّخْصِيْصَ بِالْمَيِّتِ فَاِنَّهٗ قَالَ يَفْعَلُ الْخَيْرَ وَيَجْعَلُ نِصْفَهٗ لِاَبِيْهِ وَاُمِّهٖ لَمْ يُفَرِّقْ...... (وبعد اسطر) [1]

---

[1] واعترض عليه ابوالوفاء بن عقيل وقال هذا فيه بعد، وهو تلاعب بالشرع وتصرف فی امانة اللہ واسجال علی اللہ سبحانه بثواب علی عمل يفعله الی غيره وبعد الموت قد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عَلٰی اَنَّ الْفَرْقَ بَیْنَ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ اَنَّ الْحَیَّ لَیْسَ بِمُحْتَاجٍ کَحَاجَةِ الْمَیِّتِ اِذْ یُمْکِنُهٗ اَنْ یُّبَاشِرَ ذٰلِکَ الْعَمَلَ اَوْ نَظِیْرَهٗ فَعَلَیْهِ اِکْتِسَابُ الثَّوَابِ بِنَفْسِهٖ وَسَعْیِهٖ بِخِلَافِ الْمَیِّتِ.

وَاَیْضًا فَاِنَّهٗ یَقْضِیْ اِلٰی اِتِّکَالِ بَعْضِ الْاَحْیَاءِ عَلٰی بَعْضٍ وَهٰذِهٖ مَفْسَدَةٌ کَبِیْرَةٌ فَاِنَّ اَرْبَابَ الْاَمْوَالِ اَذَا فَهِمُوْا ذٰلِکَ وَاسْتَشْعَرُوْهُ اِسْتَأْجَرَ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِکَ عَنْهُمْ فَتَصِیْرُ الطَّاعَاتُ مُعَاوَضَاتٍ وَذٰلِکَ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

جعل لنا طريقا الى ايصال النفع كالاستغفار والصلاة على الميت.

ثم اورد على نفسه سؤالا وهو فان قيل اليس قضاء الدين وتحتمل الكل حال الحياة كقضائه بعد الموت فقد استوى ضمان الحياة وضمان الموت فى انهما يزيلان المطالبة عنه فاذا وصل قضاء الديون بعد الموت وحال الحياة فاجعلوا ثواب الاهداء واصلا حال الحياة بعد الموت.

واجاب عنه: بانه لو صح هذا وجب ان تكون الذنوب تكفر عن الحى بتوبة غيره عنه ويندفع عنه مآثم الآخرة بعمل غيره واستغفاره.

قلت: وهذا لايلزم بل طرد ذلك انتفاع الحى بدعاء غيره له واستغفاره له وتصدقه عنه وقضاء ديونه وهذا حق ،وقد اذن النبى صلى اللّٰهعليه وآله وسلم فى اداء فريضة الحج عن الحى المعضوب، والعاجزوهما حيان.

وقد اجاب غيره من الاصحاب بان حال الحياة لاتثق بسلامة العاقبة خوفا ان يرتد المهدى له فلاينتفع بما يهدى اليه.

قال ابن عقيل: وهذا عذر باطل باهداء الحى فانه لايؤمن ان يرتد ويموت فيحبط عمله كله ومن جملته ثواب مااهدى الى الميت.

قلت هذا لايلزمهم وموارد النص والاجماع تبطله وترده فان النبى صلى اللّٰهعليه وآله وسلم اذن فى الحج والصوم عن الميت واجمع الناس على براء ة ذمته من الدين اذا قضاه عنه الحى مع وجود ماذكر من الاحتمال.

والجواب ان يقال ما اهداه من اعمال البر الى الميت فقد صار ملكا له فلا يبطل بردة فاعله بعد خروجه عن ملكه كتصرفات التى تصرفها قبل الردة من عتق وكفارة بل لوحج عن معضوب ثم ارتد بعد ذالك لم يلزم المعضوب ان يقيم غيره يحج فانه لايؤمن فى الثانى والثالث ذالك (كتاب الروح ص ۱۳۰، ۱۳۱ ،فصل فى جواب قولهم لو ساغ الاهداء الى الميت لساغ الى الحى)

يُفْضِيْ اِلٰى اِسْقَاطِ الْعِبَادَاتِ وَالنَّوَافِلِ وَيَصِيْرُ مَا يُتَقَرَّبُهُ بِهٖ اِلَى اللّٰهِ يُتَقَرَّبُ بِهٖ اِلَى الْاٰدُمِيِّيْنَ فَيَخْرُجُ عَنِ الْاِخْلَاصِ فَلَا يَحْصُلُ الثَّوَابُ لِوَاحِدٍ مِّنْهُمَا (كتاب الروح ص ۱۳۰، ۱۳۱، فصل فى جواب قولهم لو ساغ الاهداء الى الميت لساغ الى الحى)

ترجمہ: اور آپ کا یہ کہنا کہ اگر میت کے لیے ثواب ہدیہ کرنے کی گنجائش ہے، تو زندہ کے لیے بھی گنجائش ہونی چاہیے۔

تو اس کا جواب دو طریقے سے ہے:

ایک تو یہ کہ زندوں کے لیے ایصالِ ثواب کے درست ہونے کے امام احمد اور دوسرے ائمہ کے بعض فقہاء قائل ہیں، قاضی نے فرمایا کہ امام احمد کا کلام میت کے ساتھ تخصیص کا متقاضی نہیں ہے (بلکہ زندہ کو بھی شامل ہے) کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ نیک عمل کر کے اُس کا نصف اپنے باپ اور ماں کے لیے کر دے (امام احمد کے اس قول میں) زندہ اور مُردہ کا فرق نہیں ہے۔

البتہ زندہ اور مُردہ میں یہ فرق ضرور ہے کہ زندہ مُردہ کی طرح محتاج نہیں ہوتا، کیونکہ زندہ کو خود یہ نیک عمل اور اس جیسا کوئی عمل انجام دینا ممکن ہے، تو زندہ پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بنفسِ نفیس اور خود عمل کر کے ثواب حاصل کرے، برخلاف میت کے (کہ اس کے ذمہ یہ چیز نہیں ہے)

اور نیز یہ بات بھی ہے کہ زندوں کو ایصالِ ثواب کرنے کا عمل بعض زندوں کے بعض دوسروں کے اعمال پر سہارا حاصل کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے، اور یہ بہت بڑا فتنہ ہوگا، کیونکہ مال دولت والے جب یہ سمجھ لیں گے اور اس کا شعور حاصل کریں گے تو وہ اپنے لیے اعمال کرانے کے لیے اُجرت پر لوگوں کو حاصل کریں گے، اور اس طرح نیک اعمال اُجرت ومعاوضے اور کمائی کی چیز بن جائیں گے۔

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

اور پھر یہ چیز عبادات اور نوافل کے اپنے ذمے میں سے ساقط کرنے کا ذریعہ بن جائے گی، اور جن اعمال کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کیا جاتا ہے، وہ آدمیوں کے قرب حاصل کرنے کا ذریعہ بن جائیں گے، اور اس طرح اخلاص ختم ہوجائے گا، اور دونوں قسم کے لوگ ثواب سے محروم ہوجائیں گے (کتاب الروح)

(۴)......ایصالِ ثواب کا طریقہ

سوال:...... ایصالِ ثواب کا کیا طریقہ ہے؟ بعض لوگ ایصالِ ثواب کے لئے پیر یا مولوی صاحب کو بُلاتے ہیں، جو مختلف دعائیں پڑھ کر ایصالِ ثواب کرتے ہیں، کیا ایصالِ ثواب خود عمل کر کے نہیں کیا جاسکتا، اور اس کے لیے پیر یا مولوی صاحب کا تعاون ضروری ہے؟

جواب:...... ایصالِ ثواب کا طریقہ بہت آسان ہے، اور وہ یہ ہے کہ کوئی بھی نیک عمل کرتے وقت یہ نیت کرلیں کہ یا اللہ میں جو یہ عمل کرنے جارہا ہوں، اس کا ثواب فلاں فلاں مسلمانوں کو پہنچادیجئے، یعنی اللہ تعالیٰ سے اس عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچانے کی دعا ودرخواست کی جائے، یا عمل کرنے کے بعد اسی طرح کی نیت یا الفاظ ادا کر لئے جائیں کہ یا اللہ میں نے جو فلاں عمل کیا ہے، اس کا ثواب فلاں فلاں کو پہنچا دیجئے۔

ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے ایصالِ ثواب ہوجائے گا۔

اگر نیک عمل اس نیت سے کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ثواب فلاں کو پہنچا دیں، تب بھی کافی ہے اور اگر بغیر اس نیت کے کیا جائے تب بھی بعد میں دوسرے کو ثواب پہنچانے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے سے اس کو ثواب پہنچ جاتا ہے (کذا فی فتاویٰ محمودیہ مبوب جلد ۹ صفحہ ۲۰۳)

اور سوال میں ایصالِ ثواب کے لئے جو پیر یا مولوی صاحب سے تعاون حاصل کرنے کا ذکر کیا گیا ہے، یہ فضول اور لا یعنی طریقہ ہے، شریعت کی کسی دلیل سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، اور علماء کی تحقیق کے مطابق یہ طریقہ لالچی اور دنیا دار پیروں اور مولویوں نے اپنی نفسانی اغراض

پوری کرنے کے لئے نکالا ہوا ہے، تاکہ لوگ ایصالِ ثواب میں اپنے آپ کو ان کا محتاج سمجھیں، اور کھانے وغیرہ میں ان کو شریک کریں۔

علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَالظَّاهِرُ اَنَّهٗ لَافَرْقَ بَيْنَ اَنْ يَّنْوِىَ بِهٖ عِنْدَالْفِعْلِ لِلْغَيْرِ اَوْ يَفْعَلَهٗ لِنَفْسِهٖ ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِكَ يَجْعَلُ ثَوَابَهٗ لِغَيْرِهٖ لِاِطْلَاقِ كَلَامِهِمْ (رسائل ابنِ عابدین ج ۱ ص ۱۶۶، الرسالة السابعة "شفاء العليل وبل الغليل فى حكم الوصية بالختمات والتهاليل" كذافى ردالمحتار ج ۲ ص ۲۴۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب فى اهداء ثواب الاعمال للغير)

ترجمہ: اور ظاہر یہ ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ نیک عمل کرتے وقت دوسرے کو ثواب پہنچانے کی نیت کی جائے یا اپنے لیے پھر اس کے بعد دوسرے کو اُس (نیک عمل) کا ثواب کردے (اور یہ بات فقہاء) کے کلام کے مطلق (اور عام) ہونے کی وجہ سے ہے (رسائل ابنِ عابدین، ردالمحتار)

اور علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فَاِنْ قِيْلَ :فَهَلْ تَشْتَرِطُوْنَ فِىْ وُصُوْلِ الثَّوَابِ اَنْ يَّهْدِيَهٗ بِلَفْظِهٖ اَمْ يَكْفِىْ فِىْ وُصُوْلِهٖ مُجَرَّدُ نِيَّةِ الْعَامِلِ اَنْ يَّهْدِيَهَا اِلَى الْغَيْرِ.

قِيْلَ اَلسُّنَّةُ:لَمْ تَشْتَرِطِ التَّلَفُّظَ بِالْاِهْدَاءِ فِىْ حَدِيْثٍ وَّاحِدٍ بَلْ اَطْلَقَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ الْفِعْلَ عَنِ الْغَيْرِ كَالصَّوْمِ وَالْحَجِّ وَالصَّدَقَةِ وَلَمْ يَقُلْ لِفَاعِلٍ ذٰلِكَ وَقُلْ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنْ فُلَانٍ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ يَعْلَمُ نِيَّةَ الْعَبْدِ وَقَصْدِهٖ بِعَمَلِهٖ فَاِنْ ذَكَرَهٗ جَازَ وَاِنْ تَرَكَ ذِكْرَهٗ وَاكْتَفٰى بِالنِّيَّةِ وَالْقَصْدِ وَصَلَ اِلَيْهِ وَلَايَحْتَاجُ اَنْ يَّقُوْلَ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ صَائِمٌ غَدًا عَنْ فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ، وَلِهٰذَا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ اِشْتَرَطَ مَنْ

اِشْتَرَطَ نِيَّةَ الْفِعْلِ عَنِ الْغَيْرِ قَبْلَهٗ لِيَكُوْنَ وَاقِعًا بِالْقَصْدِ عَنِ الْمَيِّتِ . فَاَمَّا اِذَا فَعَلَهٗ لِنَفْسِهٖ ثُمَّ نَوٰى اَنْ يَّجْعَلَ ثَوَابَهٗ لِلْغَيْرِ لَمْ يَصِرْ لِلْغَيْرِ بِمُجَرَّدِ النِّيَّةِ كَمَا لَوْنَوٰى اَنْ يَّهِبَ اَوْ يَعْتِقَ اَوْ يَتَصَدَّقَ لَمْ يَحْصِلْ ذٰلِكَ بِمُجَرَّدِالنِّيَّةِ (كتاب الروح ص ۱۴۱، المسألة السادسة عشر)

ترجمہ: پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا آپ ثواب پہنچنے کے لئے اس چیز کو لازم قرار دیتے ہیں کہ ایصالِ ثواب الفاظ کے ساتھ کیا جائے، یا ثواب پہنچنے کے لئے عمل کرنے والے کی صرف یہ نیت کافی ہے کہ وہ دوسرے کو ایصالِ ثواب کر رہا ہے۔

اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ ایصالِ ثواب کرنے کے لئے کسی ایک حدیث میں بھی زبان سے الفاظ ادا کرنے کی شرط نہیں لگائی گئی، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے کی طرف سے روزے، حج اور صدقہ وغیرہ کے عمل کرنے کو بغیر کسی قیدوشرط کے بیان فرمایا ہے، اور عمل کرنے والے کے لئے یہ نہیں فرمایا کہ وہ زبان سے یہ کہے کہ اے اللہ! یہ فلانے کی طرف سے ہے، اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بندے کے عمل کی نیت اور قصد کو جانتے ہیں، لیکن اگر زبان سے ذکر بھی کردے تو جائز ہے، اور اگر زبان سے اس کا ذکر نہ کرے اور نیت وارادہ پر اکتفا کرے، تو بھی دوسرے کو ثواب پہنچ جائے گا۔

اور اس کی ضرورت نہیں ہوگی کہ یوں کہے کہ اے اللہ! میں صبح کا روزہ فلاں ابنِ فلاں کی طرف سے (یعنی اس کو ثواب پہنچانے کے لئے) رکھ رہا ہوں۔

اور اس وجہ سے واللہ اعلم بعض حضرات نے دوسرے کی طرف سے عمل کرنے کی نیت کو عمل سے پہلے ضروری قرار دیا ہے، تاکہ نیت وارادہ کے ذریعہ سے میت کی طرف سے وہ عمل واقع ہوجائے (یعنی دوسرے کو ثواب پہنچ جائے) البتہ اگر کوئی

عمل پہلے اپنے لئے کرے اور عمل کرنے کے بعد پھر یہ چاہے کہ دوسرے کو اس کا ثواب پہنچادے، تو (اس صورت میں) صرف نیت کر لینے سے دوسرے کو ثواب نہیں پہنچے گا (بلکہ اس کے لئے الفاظ ادا کرنا ضروری ہوگا مثلاً یہ کہ اے اللہ! اس کا ثواب فلاں کو پہنچا دیجئے) جیسا کہ کوئی شخص ہبہ کرنے یا غلام آزاد کرنے یا صدقہ کرنے کی نیت کرے تو یہ چیزیں صرف نیت کے ذریعہ سے حاصل نہیں ہونگیں (بلکہ ان کے لئے عمل ضروری ہوگا، پس یہاں ایصالِ ثواب میں قول ضروری ہوگا جو کہ عمل کے قائم مقام ہے) (کتاب الروح)

(۵)......ایصالِ ثواب کرنے والے کو ثواب

سوال:...... جب کوئی شخص دوسرے کو کسی نیک عمل کا ایصالِ ثواب کرتا ہے تو کیا ایصالِ ثواب کرنے والے کو بھی ثواب حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب:...... احادیث وروایات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایصالِ ثواب کرنے والا بھی خود ثواب سے محروم نہیں ہوتا، اور اس کے نامۂ اعمال میں بھی ثواب درج ہوتا ہے، اور اس کا ثواب کم نہیں کیا جاتا، بلکہ ایصالِ ثواب کرنے سے اُس کو زیادہ ثواب ملتا ہے، ایک تو خود اُس نیک عمل کو انجام دینے کا، اور دوسرے کسی مسلمان کو ایصالِ ثواب کرنے کا۔

پھر اگر کئی افراد کو ایصالِ ثواب کیا جائے تو ان کے عدد کے برابر ثواب ملتا ہے (کذا فی فتاویٰ محمودیہ مبوب جلد۹ص۲۰۶) [1]

---

[1] اس سے ایصالِ ثواب کے منکرین کے اس اعتراض کا جواب بھی ہو گیا کہ:
جہاں تک اس شق کا تعلق ہے کہ زندوں کا عمل مُردوں کو پہنچ سکتا ہے، یا سپلائی کیا جاسکتا ہے، اور اس طرح مُردوں کے اعمال میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، تو آپ کو اپنے اعمال سے اتنی چڑ کیوں ہے کہ تمام تیار شدہ مال باہر برآمد کر دیتے ہیں، کچھ اپنی ذات کے استعمال کے لیے تو رکھ لیجیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ وہاں خالی ہاتھ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۶)......ایک عمل کا ثواب کئی افراد کو جائز ہے

سوال: ...... کسی نیک عمل کا ایصالِ ثواب کئی مسلمانوں کو کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: ...... کسی بھی نیک عمل کا ایک سے زیادہ مسلمانوں کو ایصالِ ثواب کرنا درست ہے، اور اس میں کوئی قباحت وبرائی نہیں، بلکہ تمام مومنین ومومنات کو ایصالِ ثواب کرنا افضل ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھے کی قربانی کر کے اپنی پوری امت کو ایصالِ ثواب فرمایا تھا۔

فتاویٰ تاتارخانیہ اور شامی میں ہے کہ:

اَلْاَفْضَلُ لِمَنْ یَّتَصَدَّقُ نَفْلًا اَنْ یَّنْوِیَ لِجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ لِاَنَّهَاتَصِلُ اِلَیْهِمْ وَلَا یَنْقُصُ مِنْ اَجْرِهٖ شَیْئٌ (ردالمحتار) [1]

ترجمہ: جو شخص کوئی نفلی صدقہ کرے، تو اُس کے لیے افضل یہ ہے کہ سارے مؤمن مَردوں اور مؤمن عورتوں کو ثواب پہنچانے کی نیت کرے، کیونکہ اس طرح ان سب کو ثواب پہنچ جاتا ہے، اور ثواب پہنچانے والے کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں کی جاتی (ردالمحتار، فتاویٰ تاتارخانیہ)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نظر آئیں، اور کفِ افسوس ملتے رہ جائیں (عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں ص ۲۰ و ۲۱، اشاعتِ ہفتم، ربیع الاول ۱۴۱۷، اگست 1996ء، ناشر: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی)

جواب واضح ہے کہ ایصالِ ثواب کرنے والا محروم نہیں ہوتا، بلکہ اُس کو بھی عظیم الشان اجر وثواب حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا دوسرے کو ایصالِ ثواب کرنے والے کے خالی ہاتھ نظر آنے اور کفِ افسوس ملنے کے کیا معنیٰ؟

[1] باب صلاة الجنازة، مطلب فی القراء ہ للمیت واهداء ثوابها له ج ۲ ص ۲۴۳، کذا فی الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الزکاة الفصل السادس عشر فی ایجاب الصدقة وما یتصل به من الهدی، ج ۲ ص ۳۱۳.

(۷)......کئی افراد کو کیا گیا ایصالِ ثواب پورا پورا ہوگا یا تقسیم ہوکر

سوال:...... اگر کسی نیک عمل کا ثواب کئی افراد کو پہنچانا درست ہے، تو پھر دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس نیک عمل کا ثواب اُن سب افراد کو تقسیم ہوکر پہنچتا ہے، یا ہر ایک فرد کو پورا پورا ثواب پہنچتا ہے؟

جواب:...... جب کسی نیک عمل کا ثواب چند افراد کو پہنچایا جائے، تو اس عمل کا یہ ثواب ان سارے افراد کو تقسیم ہوکر ملے گا، یا ہر ایک فرد کو اس عمل کا پورا پورا ثواب ملے گا؟ اِس میں اہلِ علم حضرات کے دونوں قسم کے قول پائے جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے فضل والی شان کا تقاضا یہ ہے کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے، اور بعض احادیث وروایات سے بھی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے، اس لئے یہی امید رکھ کر سب کو ایصالِ ثواب کرنا چاہئے (کذا فی فتاویٰ محمودیہ مبوب جلد۹ص ۲۰۹وص ۲۲۲)

علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَيَصِحُّ اِهْدَاءُ نِصْفِ الثَّوَابِ وَرُبُعِهٖ كَمَا نَصَّ عَلَيْهِ اَحْمَدُ وَلَامَانِعَ مِنْهُ وَيُوْضِحُهٗ اَنَّهٗ لَوْ اَهْدَى الْكُلَّ اِلٰى اَرْبَعَةٍ يَحْصُلُ لِكُلٍّ مِّنْهُمْ رُبُعُهٗ فَكَذَا لَوْ اَهْدَى الرُّبُعَ وَاَبْقَى الْبَاقِيَ لِنَفْسِهٖ قُلْتُ لٰكِنْ سُئِلَ اِبْنُ حَجَرِ الْمَكِّيُّ اَمَّا لَوْ قَرَءَ لِاَهْلِ الْمَقْبَرَةِ اَلْفَاتِحَةَ هَلْ يُقْسَمُ الثَّوَابُ بَيْنَهُمْ اَوْ يَصِلُ لِكُلٍّ مِّنْهُمْ ثَوَابُ ذَالِكَ كَامِلًا؟ فَاَجَابَ بِاَنَّهٗ اَفْتٰى جَمْعٌ بِالثَّانِيْ وَهُوَ اللَّائِقُ بِسِعَةِ الْفَضْلِ اهـ (ردالمحتار، ج ۲ ص ۲۴۳، ۲۴۴، باب صلاة الجنازة، مطلب فی القراء ۃ للمیت واھداء ثوابھا لہ)

ترجمہ: اور کسی نیک عمل کا آدھا اور چوتھائی وغیرہ کا ایصالِ ثواب کرنا صحیح ہے، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے، اور اس میں کوئی مانع

ورکاوٹ نہیں، اوراس کی وضاحت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اگر کسی نیک عمل کا پورا ثواب مثلاً چار اشخاص کو پہنچائے، تو ان میں سے ہر ایک کو چوتھائی ثواب پہنچے گا، پس اسی طریقہ سے یہ بھی صحیح ہے کہ اگر عمل کے چوتھائی حصہ کا ایصالِ ثواب کرے اور باقی (تین حصے) اپنی ذات کے لئے باقی رکھ لے۔

(علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں لیکن علامہ ابنِ حجر مکی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ اگر پورے قبرستان والوں کے لئے سورہ فاتحہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرے، تو کیا ان قبرستان والوں میں اس کا ثواب تقسیم ہوگا، یا ان میں سے ہر ایک کو پوری پوری سورہ فاتحہ کا ثواب حاصل ہوگا؟ تو علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ ایک بہت بڑی جماعت کا فتویٰ اس پر ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو پوری پوری سورہ فاتحہ کا ثواب حاصل ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کے وسیع فضل کے لائق بھی یہی بات ہے (ردالمحتار) [1]

اور ایک مقام پر علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَفِي التَّتَارْخَانِيَّة عَنِ الْمُحِيطِ الْأَفْضَلُ لِمَنْ يَّتَصَدَّقُ نَفْلًا أَنْ يَّنْوِيَ لِجَمِيعِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ؛ لِأَنَّهَا تَصِلُ إِلَيْهِمْ وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ شَيْءٌ اهـ وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ (ردالمحتار، ج۲، ص۳۵۷، کتاب الزکاۃ، باب مصرف الزکاۃ والعشر)

ترجمہ: اور تتارخانیہ میں محیط کے حوالہ سے ہے کہ افضل یہ ہے کہ جو شخص نفلی صدقہ کرے، وہ سب مومنین اور مومنات کے لئے (ثواب کی) نیت کرے، کیونکہ ان سب کو یہ ثواب پہنچے گا، اور اس کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی (ردالمحتار)

---

[1] (وسئل) نفع الله به عمن مر بمقبرة فقرأ الفاتحة وأهداها لهم فهل تقسم بينهم أو يصل لكل منهم مثل ثوابها كاملا؟(فأجاب) بقوله أفتى جمع بالثاني وهو اللائق بسعة الفضل(الفتاوى الفقهية الكبرى، ج۲ ص۲۴، كتاب الصلاة، باب الجنائز)

(۸)...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب

سوال:...... کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایصالِ ثواب کرنا درست ہے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات بہت بلند ہیں، اور آپ کسی کے ایصالِ ثواب کے محتاج نہیں؟

جواب:...... ایصالِ ثواب کا ایک مقصد دوسرے کے درجات کی بلندگی بھی ہے، اور اس کے علاوہ بعض اوقات ایصالِ ثواب کرنے والے پر دوسرے کے احسانات کا تقاضا بھی ہوتا ہے کہ اس کو ایصالِ ثواب کیا جائے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب کرنے سے آپ کے درجات بلند ہوتے ہیں، اور امت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو بے شمار احسانات ہیں، ان کا تقاضا بھی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب کیا جائے۔

اور امت کے صلحاء واولیاء کا طرزِ عمل بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کثرت سے ایصالِ ثواب کرتے رہنے کا رہا ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو درود وسلام بھیجا جاتا ہے، اس سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب کرنے کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ اس درود وسلام سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات بلند ہوتے ہیں، اور امت کی طرف سے آپ کے احسانات کا ایک طرح سے شکریہ ادا ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَقَوْلُ عُلَمَائِنَا لَهٗ اَنْ يَّجْعَلَ ثَوَابَ عَمَلِهٖ لِغَيْرِهٖ يَدْخُلُ فِيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّهٗ اَحَقُّ بِذَالِكَ حَيْثُ اَنْقَذَنَا مِنَ الضَّلَالَةِ، فَفِيْ ذَالِكَ نَوْعُ شُكْرٍ وَاِسْدَاءِ جَمِيْلٍ لَهٗ، وَالْكَامِلُ قَابِلٌ لِزِيَادَةِ الْكَمَالِ، وَمَا اسْتَدَلَّ بِهٖ بَعْضُ الْمَانِعِيْنَ مِنْ اَنَّهٗ تَحْصِيْلُ الْحَاصِلِ لِاَنَّ جَمِيْعَ اَعْمَالِ اُمَّتِهٖ فِيْ مِيْزَانِهٖ، يُجَابُ عَنْهُ بِاَنَّهٗ لَامَانِعَ مِنْ ذَالِكَ، فَاِنَّ اللّٰهَ

تَعَالٰی اَخْبَرَنَا بِاَنَّهٗ صَلّٰی عَلَيْهِ، ثُمَّ اَمَرَنَا بِالصَّلَاةِ عَلَيْهِ، بِاَنْ نَّقُوْلَ: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ، وَاللهُ اَعْلَمُ (ردالمحتار ج۲ص ۲۴۴، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب فی زیارۃ القبور) [1]

ترجمہ: اور ہمارے علماء کا فرمانا ہے کہ اپنے عمل کا دوسرے کو ثواب پہنچانا جائز ہے، اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ حق دار ہیں، کیونکہ آپ ہی کی بدولت ہم ضلالت وگمراہی سے محفوظ ہوئے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب کرنے میں ایک طرح کا شکر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم احسانات کا (کسی درجہ میں) بدلہ پایا جاتا ہے، اور کامل ذات کمال کی زیادتی کے زیادہ قابل اور لائق ہے، اور جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب کرنے سے منع کرنے والے بعض حضرات نے اس سے استدلال کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب کرنا تحصیلِ حاصل (اور فضول کام) ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے تمام اعمال (خود بخود) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ اعمال میں بھی درج ہوتے ہیں (کیونکہ آپ کے ذریعے سے ہی سارا دین پہنچا ہے، اس لئے سارے اعمالِ دین کا آپ واسطہ ہونے کی

---

[1] مندرجہ بالا عبارت سے پہلے ردالمحتار کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

ذكر ابن حجر فی الفتاویٰ الفقهية ان الحافظ ابن تيمية زعم منع اهداء ثواب القراء ة للنبی صلى الله عليه وسلم لان جنابة الرفيع لايتجرأ عليه الابما اذن فيه، وهو الصلاة عليه، وسؤال الوسيلة له قال: وبالغ السبكی وغيره فی الرد عليه، بان مثل ذالک لايحتاج لاذن خاص، الا ترى ان ابن عمر كان يعتمر عنه صلى الله عليه وسلم عمرا بعد موته من غير وصية، وحج ابن الموفق وهوفی طبقة الجنيد عنه سبعين حجة، وختم ابن السراج عنه صلى الله عليه وسلم اكثر من عشرة آلاف ختمة، وضحى عنه مثل ذالک اه. قلت: رأيت ذالک بخط مفتی الحنفية الشهاب احمد بن الشلبی شيخ صاحب البحر نقلا عن شرح الطيبة للنويری، ومن جملة مانقله ان ابن عقيل من الحنابلة قال: يستحب اهداؤها له صلى الله عليه وسلم اهـ (ردالمحتار ج۲ص ۲۴۴، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب فی زیارۃ القبور)

وجہ سے خود بخود ثواب کے مستحق ہیں، اور آپ کو ایصالِ ثواب کی ضرورت نہیں) تو اس کا یہ جواب ہے کہ اس میں کوئی رکاوٹ نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات کی خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود (یعنی رحمت) بھیجتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم فرمایا ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں اس طور پر کہ ہم یہ کہیں کہ اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت بھیجئے (لہٰذا جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جاتا ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب بھی کیا جاسکتا ہے) اور اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتے ہیں (ردالمحتار)

فائدہ: اس تفصیل کی روشنی میں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ نابالغ بچوں کو بھی ایصالِ ثواب کیا جاسکتا ہے۔

(۹)......کیا فرائض وواجبات کا ایصالِ ثواب بھی جائز ہے؟

سوال:...... کیا نفلی عمل کے علاوہ فرائض وواجبات کا بھی دوسرے کو ایصالِ ثواب کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب:...... نفل اعمال کے ایصالِ ثواب کرنے میں تو کوئی شبہ نہیں، البتہ فرائض وواجبات کا ایصالِ ثواب بھی کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

اس میں اہلِ علم کا اختلاف ہے، کئی اہلِ علم حضرات کے نزدیک راجح یہ ہے کہ فرائض وواجبات کا ایصالِ ثواب بھی جائز ہے، کیونکہ کسی عمل کا ایصالِ ثواب کرنے سے دوسرے کو صرف ثواب پہنچتا ہے، ایصالِ ثواب سے بذاتِ خود دوسرے کا عمل ذمہ سے ادا نہیں ہوتا، البتہ جس عمل کو دوسرے کی طرف سے نیابتاً ادا کیا جائے (جیسے حج بدل وغیرہ) تو اس میں دوسرے کی طرف سے عمل بھی ادا ہو جاتا ہے، مگر نیابت کا یہ عمل ایصالِ ثواب سے الگ چیز ہے۔

علامہ ابنِ نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَظَاهِرُ اِطْلَاقِهِمْ يَقْتَضِيْ اَنَّهٗ لَافَرْقَ بَيْنَ الْفَرْضِ وَالنَّفْلِ فَاِذَا صَلّٰى فَرِيْضَةً وَجَعَلَ ثَوَابَهَا لِغَيْرِهٖ فَاِنَّهٗ يَصِحُّ لٰكِنْ لَايَعُوْدُ الْفَرْضُ فِيْ ذِمَّتِهٖ

(البحر الرائق، ج۳ص ۶۴، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر)

ترجمہ: اور فقہائے کرام کے ایصالِ ثواب کے مسئلہ کو مطلق اور عام بیان کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرض اور نفل عمل کا ایصالِ ثواب کرنے میں کوئی فرق نہیں، پس جب فرض نماز پڑھ کر اس کا ثواب دوسرے کو پہنچائے تو یہ صحیح ہے، لیکن اس کے ذریعہ سے دوسرے کے ذمہ سے فرض کی ادائیگی نہیں ہوگی (بحر)

اور علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

قُلْتُ وَقَدْ نُقِلَ عَنْ جَمَاعَةٍ اَنَّهُمْ جَعَلُوْا ثَوَابَ اَعْمَالِهِمْ مِنْ فَرْضٍ وَّنَفْلٍ لِلْمُسْلِمِيْنَ وَقَالُوْا نَلْقَى اللّٰهَ بِالْفَقْرِ وَالْاِفْلَاسِ الْمُجَرَّدِ وَالشَّرِيْعَةُ لَاتَمْنَعُ مِنْ ذَالِكَ، فَالْاَجْرُ مِلْكُ الْعَامِلِ فَاِنْ شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَهٗ لِغَيْرِهٖ فَلَا حِجْرَ عَلَيْهِ فِيْ ذٰلِكَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ (کتاب الروح لابن القیم ص ۱۳۳، المسألة السادسة عشرة)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ ایک جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے فرض اور نفل اعمال کا مسلمانوں کو ایصالِ ثواب کیا ہے، اور (معترضین کو الزامی جواب کے طور پر) فرمایا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے بحالتِ فقر اور خالی ہاتھ ملاقات کریں گے، اور شریعت اس سے روکتی نہیں، کیونکہ ثواب عمل کرنے والے کی ملکیت ہے، پس اگر وہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ثواب دوسرے کو پہنچادے تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں، واللہ اعلم (کتاب الروح)

(۱۰)......ایصالِ ثواب میں ثواب پہنچتا ہے اصل چیز نہیں

سوال:...... جب کسی چیز کے ذریعہ سے صدقہ وغیرہ کرکے مُردہ کو ایصالِ ثواب کیا جائے تو بعض لوگ ایسی چیزوں کی تخصیص کرتے ہیں جو مُردہ کو زیادہ مرغوب اور پسند تھیں، اور ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اس سے مُردہ کو زیادہ فائدہ ہوتا ہے، اور اس کو اس کی مرغوب وپسندیدہ چیز حاصل ہوتی ہے، کیا ایسی بات شریعت سے ثابت ہے؟

جواب:...... بعض عوام کا یہ عقیدہ کہ مُردہ کو ایصالِ ثواب کرنے کے لئے جو چیز صدقہ کی جائے بعینہٖ وہی چیز مُردہ کو پہنچتی ہے، اور اسی وجہ سے ان لوگوں کا صدقہ خیرات سے ایصالِ ثواب کرتے وقت ایسی چیزوں کو منتخب کرنا کہ جو مُردہ کو زندگی میں پسند تھیں، مثلاً حلوہ، جلیبی، میٹھے چاول وغیرہ۔

یہ عقیدہ غلط ہے کیونکہ نیک عمل کا ایصالِ ثواب زندہ اور مُردہ دونوں کو جائز ہے، جیسا کہ پہلے گزرا، اور جس طرح زندہ کو نیک عمل کا ایصالِ ثواب کرنے سے اس کو بعینہٖ وہ چیز نہیں پہنچتی، بلکہ اس عمل کا ثواب پہنچتا ہے اور یہ بات مشاہدہ سے ثابت ہے، اسی طرح مُردہ کو بھی بعینہٖ وہی چیز نہیں پہنچتی، بلکہ اس کا ثواب پہنچتا ہے۔

اس کے علاوہ ایصالِ ثواب صدقہ کے ساتھ اور اس میں بھی کھانے کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ کپڑے، لباس، لکڑی، دوا وغیرہ سے غریب کی ضرورت پوری کرکے تلاوت، نماز، روزہ وغیرہ کے ذریعہ سے بھی ایصالِ ثواب کرنا درست ہے، اور جس طرح بعینہٖ یہ چیزیں اور یہ اعمال مُردہ کو نہیں پہنچتے، بلکہ ان کا ثواب پہنچتا ہے، اسی طرح صدقہ کی جانے والی اور اس میں خاص کھانے پینے والی چیز بھی بعینہٖ مردہ کو نہیں پہنچتی بلکہ اس کا ثواب پہنچتا ہے، لہٰذا بعینہٖ اس چیز کے مُردہ کو پہنچنے کا عقیدہ رکھنا غلط ہے۔

یہاں تک کہ قربانی کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص جانور کو ذبح کرنے کا حکم ہے، مگر

اس میں بھی جانور کا گوشت پوست اورخون اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نہیں پہنچتا، بلکہ اس کا ثواب پہنچتا ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَادِمَآئُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ (سورہ حج آیت ۳۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو ہرگز بھی اس کا گوشت پوست اورخون نہیں پہنچتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے پاس تم میں سے تقویٰ پہنچتا ہے (سورہ حج)

اس سلسلہ میں عمدۃُ القاری شرح بخاری میں ہے کہ:

اَیْ لَنْ یَّصِلَ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی لُحُوْمُھَا الْمُتَصَدَّقُ بِھَا وَلَا الدِّمَاءُ الْمُھْرَاقَۃُ بِالنَّحْرِ وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ (عمدۃ القاری، ج۱۰ ص۲۷، کتاب الحج، باب رکوب البدن)

ترجمہ: یعنی ہرگز بھی اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا گوشت پوست نہیں پہنچتا، جس کا صدقہ کیا جاتا ہے، اور نہ ہی قربانی میں ذبح شدہ جانور کا خون پہنچتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے پاس تو تم میں سے تقویٰ وپرہیزگاری پہنچتی ہے (عمدۃ القاری)

(۱۱)......کون سے عمل کا ایصالِ ثواب افضل ہے؟

سوال:...... میت کو ایصالِ ثواب کرنے کے لئے کون سا عمل زیادہ فضیلت کا باعث ہے؟

جواب:...... اگرچہ جو عبادت بھی اخلاص اور شریعت کی حدود میں رہ کر کی جائے، خواہ وہ بدنی عبادت ہو یا مالی، اُس کا ایصالِ ثواب جائز ہے؛ لیکن جو عمل زیادہ نفع بخش ہو، جیسا کہ صدقۂ جاریہ، اور اُس کی زیادہ ضرورت ہو، تو اُس کا ایصالِ ثواب زیادہ فضیلت کا باعث ہے، مثلاً جس وقت اور جس جگہ مسجد کی ضرورت ہو، وہاں اُس کا ثواب زیادہ ہے، اور جہاں

مدرسے اور دینی تعلیم وتعلُّم کی زیادہ ضرورت ہو، وہاں اس کا ثواب زیادہ ہے، اور جہاں پانی کے انتظام کی زیادہ ضرورت ہو، وہاں اس کا ثواب زیادہ ہے، اور جہاں کھانے کی ضرورت ہو، وہاں اس کا انتظام زیادہ ثواب کا باعث ہے، اور جہاں لباس کی ضرورت ہو، وہاں اس کا انتظام زیادہ ثواب کا باعث ہے، اور جہاں رہائش کی ضرورت ہو، وہاں اس کا انتظام زیادہ ثواب کا باعث ہے، اور جہاں مریضوں کو دوا اور علاج معالجے کی ضرورت زیادہ ہو، وہاں اس کا انتظام کرنا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

غرضیکہ ضرورت اور محتاجوں وغریبوں کی ضرورت وحاجت کو پیشِ نظر رکھ کر صدقہ کرنا چاہیے۔

اور اس میں شک نہیں کہ آج کے دَور میں کھانے پینے اور دوسری چیزوں کے مقابلے میں صدقہ نقدی کی صورت میں دینا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اس میں اخلاص بھی زیادہ ہے کہ چھپا کر دینا آسان ہے اور غریبوں کے لئے زیادہ مفید بھی ہے کہ اس سے غریب اپنی ہر قسم کی ضرورت کا انتظام کرسکتا ہے۔

اور اخلاص کے ساتھ بدنی عبادات خصوصاً دعا واستغفار کا ثواب بھی بہت فضیلت کا باعث ہے، بطورِ خاص اُن حضرات کے لیے جن کو مالی تعاون اور صدقہ کی وُسعت نہ ہو۔

چنانچہ اسی قسم کے سوال کا جواب دیتے ہوئے علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

فَإِنْ قِيلَ فَمَا الْأَفْضَل اَنَّهُ يُهْدٰى إِلَى الْمَيِّتِ ،قِيلَ اَلْاَفْضَلُ مَا كَانَ اَنْفَعَ فِيْ نَفْسِهٖ فَالْعِتْقُ عَنْهُ وَالصَّدَقَةُ اَفْضَلُ مِنَ الصِّيَامِ عَنْهُ، وَاَفْضَلُ الصَّدَقَةِ مَاصَادَفَتْ حَاجَةً مِّنَ الْمُتَصَدَّقِ عَلَيْهِ وَكَانَتْ دَائِمَةً مُّسْتَمِرَّةً ، وَمِنْهُ قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ سَقْيُ الْمَاءِ وَهٰذَا مَوْضِعٌ يَقِلُّ فِيْهِ الْمَاءُ وَيَكْثِرُ فِيْهِ الْعَطْشُ وَإِلَّا فَسَقْيُ الْمَاءِ عَلَى الْاَنْهَارِ لَايَكُوْنُ اَفْضَلَ مِنْ اِطْعَامِ الطَّعَامِ عِنْدَالْحَاجَةِ، وَكَذَالِكَ الدُّعَاءُ وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهٗ اِذَا كَانَ يَصْدُقُ مِنَ

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

الدَّاعِي وَإِخْلَاصٍ وَّتَضَرُّعٍ فَهُوَ فِيْ مَوْضِعِهٖ اَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ عَنْهُ كَالصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ وَالْوُقُوْفِ لِدُعَاءٍ عَلٰى قَبْرِهٖ.

وَبِالْجُمْلَةِ فَاَفْضَلُ مَايُهْدٰى اِلَى الْمَيِّتِ اَلْعِتْقُ وَالصَّدَقَةُ وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهٗ وَالدُّعَاءُ لَهٗ وَالْحَجُّ عَنْهُ.

وَاَمَّا قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ وَاِهْدَاءُهَا لَهٗ بِغَيْرِ اُجْرَةٍ فَهٰذَا يَصِلُ اِلَيْهِ كَمَا يَصِلُ ثَوَابُ الصَّوْمِ وَالْحَجِّ (كتاب الروح ص ۱۴۲، المسألة السادسة عشرة، فصل فإن قيل فهل تشترطون فى وصول الثواب ان يهديه بلفظه أم يكفى)

ترجمہ: اگر سوال کیا جائے کہ میت کو کون سی چیز کا ہدیہ (یعنی ایصالِ ثواب) کرنا افضل ہے؟ (اس کے جواب میں) کہا گیا ہے کہ جو عمل اپنی ذات میں زیادہ نفع بخش ہوگا، اس کی فضیلت زیادہ ہوگی، چنانچہ غلام آزاد کرنے اور صدقہ کرنے کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کرنا روزے رکھ کر ایصالِ ثواب کرنے سے افضل ہے، اور افضل صدقہ وہ ہے جس کے صدقہ دیے جانے کی ضرورت ہو، اور وہ دائم اور جاری رہنے والا (یعنی صدقۂ جاریہ) ہو، اور اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''افضل صدقہ پانی پلانا ہے'' اور یہ اُس مقام پر ہے کہ جہاں پانی کی کمی ہو اور تشنگی بُجھانے کے لیے پانی کافی نہ ہو، ورنہ جہاں نہریں اور پانی کا انتظام ہو تو وہاں ضرورت مندوں کو کھانا کِھلانا زیادہ افضل ہوگا، اور اسی طرح دعا واستغفار اگر دعا کرنے والے کے اخلاص اور عاجزی کے ساتھ ہو تو وہ اپنے مقام پر صدقہ سے افضل ہے، جیسا کہ اپنے مقام پر نمازِ جنازہ اور قبر پر دعا کرنا صدقہ سے افضل ہے۔

بہرحال میت کے ایصالِ ثواب کے لیے غلام آزاد کرنا اور صدقہ کرنا اور اس کے لیے استغفار اور دعا کرنا اور اس کی طرف سے حج کرنا سب ہی فضیلت کا باعث

ہیں، اور بغیر اُجرت کے قرآن مجید کی تلاوت کر کے ثواب پہنچانا بھی روزے اور حج کے ثواب پہنچانے کی طرح جائز ہے (کتاب الروح)

(۱۲)......نماز، روزہ کے فدیہ اور میت کے ذمہ حقوق کے چند مسائل

سوال:...... اگر فوت ہونے والے کے ذمہ نماز، روزہ، زکاۃ، حج، قربانی یا کوئی منت یا قرض وغیرہ ہو، اور فوت ہونے والے شخص نے ان چیزوں کی ادائیگی کی وصیت کی ہو، یا وصیت نہ کی ہو تو ایسی صورت میں وارث ان چیزوں کی ادائیگی کس طریقہ پر کریں گے؟ اس بارے میں مسائل کی وضاحت کردی جائے۔

جواب:...... جو چیزیں انسان کے ذمہ فرض وواجب ہیں، چاہے وہ حقوق العباد ہوں یا حقوق اللہ، ان کے لئے اصل حکم تو یہی ہے کہ ہر شخص زندگی میں ان کی ادائیگی کا پورا پورا اہتمام کرے، لیکن اگر کوئی شخص ان میں خدانخواستہ کوتاہی کرے، یا کسی وجہ سے زندگی میں ادا نہ کرسکے، تو اس کی ذمہ داری ہے کہ فوت ہونے سے پہلے ان کی شرعی اصولوں کے مطابق وصیت کردے، اور اس سلسلہ میں مستند اہلِ علم حضرات سے اپنے حالات سامنے رکھ کر مسائل معلوم کرلے۔

متوجہ کرنے اور آسانی کے لئے یہاں چند مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر۱...... فوت ہونے کے بعد میت کے ترکہ میں سے سب سے پہلے کفن دفن کے مسنون اخراجات نکالے جاتے ہیں، اس کے بعد میت کے ذمہ کسی کا کوئی قرض ودَین ہو تو وہ ادا کیا جاتا ہے، اور پھر تیسرے درجہ میں کوئی جائز وصیت کی ہو تو اس کو باقی ماندہ تہائی مال میں سے پورا کیا جاتا ہے، اور اس کے بعد میراث کا نمبر آتا ہے۔ [۱]

---

[۱] ترتیب الحقوق المتعلقة بالترکة: لا خلاف بین الفقهاء فی أن الحقوق المتعلقة بالترکة لیست علی مرتبة واحدة، وأن بعضها مقدم علی بعض، فیقدم من حیث الجملة تجهیز المیت وتکفینه، ثم أداء الدین، ثم تنفیذ وصایاه، والباقی للورثة (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج ۱۱، ص ۲۰۶، مادہ ترکة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۲...... جس شخص کے ذمہ ایک یا چند سالوں کی زکاۃ کا فریضہ باقی ہو، اور وہ اسی حال میں فوت ہوجائے، تو اگر اس نے اپنے ترکہ سے اس کی ادائیگی کی وصیت کی ہو، تو اس کی ادائیگی کی جائے گی (اور حنفیہ کے نزدیک اس وصیت کا وارثوں کے ذمہ قرض وغیرہ کی ادائیگی کے بعد ایک تہائی ترکہ تک پوری کرنا لازم ہوگا، اس سے زائد مقدار ہونے کی صورت میں عاقل بالغ ورثاء کی رضامندی پر موقوف ہوگا)

اور اگر وصیت نہ کی ہو، تو حنفیہ کے نزدیک وارثوں کے ذمہ اس کے ترکہ سے اس کی ادائیگی لازم نہیں ہوگی، جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک لازم ہوگی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(يبدأ من تركة الميت بتجهيزه ودفنه على قدرها، ثم تقضى ديونه، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ماله، ثم يقسم الباقي بين ورثته) فهذه الحقوق الأربعة تتعلق بتركة الميت على هذا الترتيب(الاختيار لتعليل المختار، ج۵ص۸۵، كتاب الفرائض)

[1] اور مالکیہ کے نزدیک اس مسئلہ میں تفصیل ہے۔

أ -الزكاة الواجبة:

اختلف الفقهاء في تأثير الموت على سقوط دين الزكاة إذا توفي من وجبت الزكاة في ماله قبل أدائها، وذلك على ثلاثة أقوال:

الأول :للشافعية والحنابلة، وهو أنه من وجبت عليه الزكاة وتمكن من أدائها، ولم يؤدها حتى مات، فإنها لا تسقط بموته، ويلزم إخراجها من رأس ماله وإن لم يوص بها، وهو مذهب عطاء والحسن البصري والزهري وقتادة وإسحاق وأبي ثور وابن المنذر واحتجوا على ذلك بأن دين الزكاة حق مالي واجب لزمه حال الحياة، فلم يسقط بموته، كدين العبد .ويفارق الصلاة، فإنها عبادة بدنية لا تصح الوصية بها ولا النيابة فيها وبعموم قوله تعالى في آية المواريث :(من بعد وصية يوصى بها أو دين)حيث عمم سبحانه الديون كلها، والزكاة دين قائم لله تعالى وللمساكين والفقراء والغارمين وسائر من فرضها الله تعالى لهم بنص الكتاب المبين.

وبما ورد عن ابن عباس رضي الله عنهما قال :جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال :يا رسول الله إن أمي ماتت وعليها صوم شهر، أفأقضيه عنها؟ قال صلى الله عليه وسلم :نعم .قال: فدين الله أحق أن يقضى.فدل ذلك على أن حقوق الله تعالى أحق أن تقضى، ودين الزكاة منها.

الثاني :للحنفية، وهو أن من مات، وعليه دين زكاة لم يؤده في حياته، فإنه يسقط بموته في أحكام الدنيا، ولا يلزم الورثة بإخراجها من تركته ما لم يوص بذلك، فإن أوصى بأدائها من تركته، فإنها تخرج من ثلثها كسائر الوصايا، وما زاد على الثلث لا ينفذ إلا بإجازة الورثة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۳...... اگرکسی کے ذمہ رمضان کے روزوں کا فدیہ یا کوئی دوسرا کفارہ واجب تھا،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وهو قول ابن سيرين والشعبي والنخعي وحماد بن أبي سليمان وحميد الطويل وعثمان البتي وسفيان الثوري وغيرهم.

وتعليل ذلك أن المقصود من حقوق الله تعالى إنما هو الأفعال، إذ بها تظهر الطاعة والامتثال، وما كان ماليا منها، فالمال متعلق بالمقصود، وهو الفعل، وقد سقطت الأفعال كلها بالموت، لتعذر ظهور طاعته بها في دار التكليف، فكان الإيصاء بالمال الذي هو متعلقها تبرعا من الميت ابتداء، فاعتبر من الثلث.

وأيضا فإن الزكاة وجبت بطريق الصلة، ألا ترى أنه لا يقابلها عوض مالي، والصلات تبطل بالموت قبل التسليم.

واستثنى الحنفية من ذلك زكاة الزروع والثمار، فقالوا بعدم سقوطها بالموت قبل الأداء إذا كان الخارج، قائما، فمن وجب عليه العشر أو نصف العشر فإنه يؤخذ من تركته إذا مات قبل أدائه .

الثالث :للمالكية، وهو أن من مات وعليه زكاة لم تؤد في حياته، فلا يخلو :إما أن تكون تلك الزكاة حالة في العام الحاضر الذي مات فيه، وإما أن تكون عن سنين ماضية فرط في أداء الزكاة فيها.

الحالة الأولى :فإن كانت الزكاة حالة في العام الحاضر الذي مات فيه، فإنها إما أن تكون زكاة حرث وثمر وماشية، أو زكاة عين (ذهب أو فضة).

فإن كانت زكاة أموال ظاهرة كحرث وماشية ونحوها، فإنها لا تسقط بموته، بل تخرج من رأس ماله مقدمة على الكفن والتجهيز، سواء أوصى بها أو لا، لأنها من الأموال الظاهرة.

أما إذا كانت زكاة عين حاضرة (من الأموال الباطنة) فإنها تخرج من رأس المال جبرا عن الورثة، إن اعترف بحلولها وبقائها في ذمته وأوصى بإخراجها، أما إذا اعترف بحلولها، ولم يعترف ببقائها، ولم يوص بإخراجها، فلا يجبر الورثة على إخراجها لا من ثلث تركته ولا من رأس ماله، وإنما يؤمرون في غير جبر، إلا أن يتحقق الورثة من عدم إخراجها، فحينئذ تخرج من رأس ماله جبرا.

وإذا اعترف ببقائها، وأوصى بإخراجها، أخرجت من الثلث جبرا.

وإن اعترف ببقائها ولم يوص بإخراجها، لم يقض عليهم بإخراجها، وإنما يؤمرون بذلك من غير إجبار لاحتمال أن يكون قد أخرجها قبل موته، فإن علموا عدم إخراجها أجبروا على الإخراج من رأس ماله.

الحالة الثانية :وإذا كانت الزكاة عن مدة ماضية، وفرط في أدائها سواء أكانت زكاة عين أو ماشية أو حرث فيلزم إخراجها من الثلث إن أوصى بها أو اعترف بأنها باقية في ذمته.

أما إذا لم يعترف بذلك ولم يوص بها، فإنه لا يلزم الورثة إخراجها لا من الثلث ولا من رأس المال.

ولو أشهد في صحته أنها في ذمته، وأنه لم يفرط، فإنها تخرج من رأس المال.

وإذا أشهد في مرض موته على ذلك تكون بمنزلة الوصية، وتخرج من الثلث (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۹ص ۲۸۱ الی۲۸۳، مادة"موت")

اور وہ اس کی ادائیگی سے پہلے فوت ہوگیا، تو اگر اس نے اپنے ترکہ سے اس کی ادائیگی کی وصیت کی ہو، تو اس کی وصیت کے مطابق ترکہ میں سے اس کی ادائیگی کی جائے گی (اور حنفیہ کے نزدیک اس وصیت کو وارثوں کے ذمہ ایک تہائی ترکہ تک پوری کرنا لازم ہوگا، اس سے زائد مقدار ہونے کی صورت میں عاقل بالغ ورثاء کی رضامندی پر موقوف ہوگا)

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس طرح کے کفارے اور فدیہ کی ادائیگی بغیر وصیت کے بھی فوت ہونے والے کے ترکہ میں سے ضروری ہوگی۔ [1]

---

[1] هـ -الكفارات الواجبة وفدية الصوم والحج وجزاء الصيد:

اختلف الفقهاء في تأثير الموت على الكفارات المالية الواجبة على الإنسان إذا مات قبل أدائها، ككفارة اليمين وكفارة القتل الخطأ وكفارة الظهار وكفارة الإفطار في رمضان عمدا، وكذا ما يلزمه من فدية الصوم والحج وجزاء الصيد إذا مات قبل إخراجها وذلك على ثلاثة أقوال:

الأول :للشافعية والحنابلة، وهو أن، الكفارات ونحوها من الواجبات المالية كفدية الصيام والحج وجزاء الصيد لا تسقط بموت من وجبت عليه قبل أدائها وتخرج من رأس ماله، أوصى بها أو لم يوص.

وكذلك نص الشافعية على أن من وجبت عليه فدية الصوم وهو موسر، فمات قبل أدائها فإنها تخرج من تركته، وأن المتمتع إذا مات في أثناء الحج أو بعد الفراغ منه، وهو واجد للهدى، ولم يكن أخرجه بعد، فيجب إخراجه من تركته على المعتمد في المذهب، كسائر الديون المستقرة.

الثاني :للحنفية، وهو أن الكفارات تسقط بالموت في أحكام الدنيا، إلا إذا أوصى بها قبل وفاته، فحينئذ تخرج من الثلث كسائر الوصايا، وما زاد منها على الثلث يتوقف على إجازة الورثة، فإن أجازوه نفذ وإن ردوه بطل.

وكذا الحكم بالنسبة لفدية الصوم والحج وجزاء الصيد.

الثالث :للمالكية، وهو أن الشخص إذا أشهد في صحته على الكفارات الواجبة عليه أنها بذمته، وأنه لم يفرط في أدائها، فإنها بموته تخرج من رأس ماله، سواء أوصى بها أو لم يوص.

وأما إذا فرط في أدائها حتى مات، ولم يشهد في صحته أنها بذمته، ولكنه أوصى بها، فإنها تخرج من ثلث ماله، وكذا الحكم في فدية الحج وجزاء الصيد.

أما إذا لم يوص بها، ولم يشهد أنها بذمته، فلا يجبر الورثة على إخراجها من التركة أصلا.

وأما الهدى الواجب على المتمتع في الحج، فإنه يخرج من رأس المال إذا مات المتمتع بعد رمي جمرة العقبة، سواء أوصى بذلك أم لا .وإذا مات قبل رمي جمرة العقبة فلا شيء عليه إلا إذا قلد الهدى، فيتعين حينئذ ذبحه، ولو مات قبل الوقوف بعرفة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۳۹ص ۲۸۵، ۲۸۶، مادة"موت")

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۴...... اگر کسی شخص نے حج یا روزہ یا اعتکاف یا نماز یا صدقہ یا اسی طرح کے کسی اور عمل کی نذر ومنت مانی، اور پھر وہ اس عمل پر قدرت پانے کے باوجود ادا کئے بغیر فوت ہو گیا، تو اگر اس نے اپنے ترکہ سے اس عمل کی ادائیگی کی وصیت کی ہو، تو گزشتہ مسئلہ کی طرح اس کی وصیت کو پورا کیا جائے گا۔

اور اگر وصیت نہ کی ہو، تو حنفیہ کے نزدیک اس کے وارثوں پر اس کے ترکہ میں سے ادائیگی لازم نہ ہوگی، جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک لازم ہوگی۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وقوله (ومن مات وعليه قضاء رمضان) أى قرب منه لأن الإيصاء بعد الموت غير متصور .وقوله (لأنه عجز عن الأداء فى آخر عمره) استعمل الأداء فى موضع القضاء والعجز عن القضاء بحيث لا يرجى فى معنى الشيخ الفانى، فيلحق به دلالة بالطريق الأولى، لأن عجز الميت ألزم (ثم لا بد من الإيصاء) لإلزام الوارث، فإن لم يوص فللوارث أن يخرجه ولا يلزمه، وإذا أوصى أخرج عنه من ثلث المال مقدار صدقة الفطر(العناية شرح الهداية، ج۲ص۳۵۷،۳۵۸، كتاب الصوم، فصل فى العوارض)

[1] الموت قبل فعل الطاعة المنذورة :من نذر طاعة لله تعالى ومات قبل فعلها، إما أن يكون ما نذره حجا أو صياما أو اعتكافا أو صلاة أو صدقة، أو غيرها، وتفصيل ذلك فيما يلى :أولا :موت من نذر الحج قبل أدائه :من نذر الحج ومات قبل أدائه، إما أن يكون موته قبل تمكنه من أداء الحج، أو بعد تمكنه من أدائه ولم يؤده .الخ(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۰، ص ۲۱۱، الموت قبل فعل الطاعة المنذورة)

تعلق دين الله سبحانه بالتركة:

ذهب المالكية والشافعية والحنابلة إلى أن دين الله سبحانه وتعالى يجب أداؤه من التركة، سواء أوصى به أم لا، على خلاف سبق فى تقديمه على دين الآدمى .وذهب الحنفية إلى أن دين الله تعالى لا يجب أداؤه من التركة إلا إذا أوصى به الميت، فإن أوصى به فيخرج من ثلث التركة.

قال الفنارى فى توجيه ذلك :إن أداء دين الله عبادة، ومعنى العبادة لا يتحقق إلا بنية وفعل ممن يجب عليه حقيقة أو حكما، كما فى الإيصاء لتحقق أدائها مختارا، فيظهر اختياره الطاعة من اختياره المعصية الذى هو المقصود من التكليف، وفعل الوارث من غير أمر المبتلى بالأمر والنهى لا يحقق اختياره، فإذا مات من غير فعل ولا أمر به فقد تحقق عصيانه؛ لخروجه من دار التكليف ولم يمتثل، وذلك تقرير عليه موجب العصيان، فليس فعل الوارث الفعل المأمور به، فلا يسقط به الواجب، كما لو تبرع به فى حال حياته، بخلاف حقوق العباد، فإن الواجب فيها وصولها إلى مستحقيها لا غير، ولهذا لو ظفر به الغريم يأخذه، ويبرأ من عليه بذلك .ثم الإيصاء بحقوق الله تعالى تبرع؛ لأن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۵...... اگر کسی سے کوئی فرض نماز رہ گئی، یا اس نے کسی نماز کی نذر ومنت مانی، اور وہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الواجب فی ذمة من عليه الحق فعل لا مال، والأفعال تسقط بالموت، ولا يتعلق استيفاؤها بالتركة؛ لأن التركة مال يصلح لاستيفاء المال منها لا لاستيفاء الفعل .ألا يرى أنه إذا مات وعليه القصاص لا يستوفى من تركته، فصارت الحقوق المذكورة كالساقط فی حق الدنيا؛ لأنها لو لم يوص بها لم يجب على الورثة أداؤها، فكان الإيصاء بأدائها تبرعا، فيعتبر كسائر التبرعات من الثلث بخلاف ديون العباد، فإنها لا تسقط بالموت؛ لأن المقصود ثمة المال لا الفعل؛ لحاجة العباد إلى الأموال .

وفيه بحث وهو أن الإيصاء بأداء حقوق الله تعالى واجب كما صرح به فی الهداية، والإيصاء بسائر التبرعات ليس بلازم، فلا وجه لقياس الإيصاء بأداء حقوق الله على الإيصاء بسائر التبرعات، فتأمل.هذا وقد اختلف الجمهور فی بعض التفصيلات:

فذهب المالكية إلى أنه بعد وفاء دين العبد يبدأ بوفاء حق الله تعالى، فيقدم هدى التمتع إن مات الحاج بعد رمى جمرة العقبة، أوصى به أم لا، ثم زكاة فطر فرط فيها، وكفارات فرط فيها أيضا، ككفارة يمين وصوم وظهار وقتل إذا أشهد فی صحته أنها بذمته، كل ذلک يخرج من رأس المال، أوصى بإخراجها أم لم يوص؛ لأن المقرر فی مذهب المالكية :أن حقوق الله متى أشهد فی صحته بها خرجت من رأس المال، فإن أوصى بها ولم يشهد فتخرج من الثلث.

ومثل ما تقدم :زكاة النقدين التی حلت وأوصى بها، وزكاة ماشية وجبت ولا ساعی لأخذها ولم توجد السن التی تجب فيها، فإن وجدت فهو كالدين المتعلق بعين، فيجب إخراجه قبل الكفن والتجهيز.

وذهب الشافعية إلى :أنه بعد تجهيز الميت وتكفينه تقضى ديونه المتعلقة بذمته من رأس المال، سواء أكانت لله تعالى أم لآدمی، أوصى بها أم لم يوص؛ لأنها حق واجب عليه .هذا وإن محل تأخير الدين عن مؤن التجهيز إذا لم يتعلق بعين التركة حق، فإن تعلق بعين التركة حق قدم على التجهيز، وذلک كالزكاة الواجبة فيما قبل موته، ولو من غير الجنس، فيقدم على مؤن التجهيز، بل على كل حق تعلق بها فكانت كالمرهون بها.

وذهب الحنابلة إلى :أنه بعد التجهيز والتكفين يوفى حق مرتهن بقدر الرهن، ثم إن فضل للمرتهن شیء من دينه شارک الغرماء .

ثم بعد ما سبق من تسديد الديون المتعلقة بأعيان التركة، تسدد الديون غير المتعلقة بالأعيان، وهی التی تثبت فی الذمة، ويتعلق حق الغرماء بالتركة كلها، سواء استغرقها الدين أم لم يستغرقها، وسواء أكان الدين لله تعالى كالزكاة والكفارات والحج الواجب، أم كان لآدمی كالقرض والثمن والأجرة.

فإن زادت الديون عن التركة، ولم تف بدين الله تعالى ودين الآدمی، يتحاصون بنسبة ديونهم كمال المفلس .والتفصيل فی الزكاة والكفارات والحج (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١١، ص ٢١٩ الیٰ ص ٢٢١، مادة "تركة")

اس کی ادائیگی سے پہلے فوت ہوگیا، تو حنفیہ کے نزدیک اگر اس نے اپنے ترکہ میں سے نماز کے فدیہ کی وصیت کی ہو، تو ترکہ کے تہائی حصہ تک فدیہ واجب ہوگا، ورنہ نہیں، البتہ اگر وصیت کے بغیر عاقل، بالغ وارث اپنی رضامندی سے خود فدیہ دینا چاہیں، تو اجازت ہے۔

اور ایک نماز کا فدیہ ایک صدقۂ فطر کے برابر ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق پانچ نمازوں کے ساتھ وتر کی نماز کو بھی شامل کیا جائے گا۔

اور فرض اور نذرومنت مانے ہوئے روزہ کے فدیہ کا بھی یہی حکم ہے، اور ایک روزہ کا فدیہ بھی ایک صدقۂ فطر کے برابر ہے۔ [1]

مسئلہ نمبر ۷ ...... اگر کسی کے ذمہ زندگی میں حج فرض ہوگیا تھا، اور وہ ادا کرنے سے پہلے فوت ہوگیا، تو شرائط کے مطابق اس کی طرف سے حجِ بدل کا حکم ہوگا، جس کی تفصیل ہماری دوسری کتاب ’’ماہِ ذی قعدہ اور حج کے فضائل واحکام‘‘ میں ملاحظہ فرمائیں۔ [2]

---

[1] إسقاط الصلاة بالإطعام:
ذهب جمهور الفقهاء (المالكية والشافعية والحنابلة) إلى أن الصلاة لا تسقط عن الميت بالإطعام.
وذهب الحنفية إلى أنه إذا مات المريض ولم يقدر على أداء الصلاة بالإيماء برأسه لا يلزمه الإيصاء بها.أما إذا كان قادرا على الصلاة ولو بالإيماء وفاتته الصلاة بغير عذر لزمه الإيصاء بالكفارة عنها، فيخرج عنه وليه من ثلث التركة لكل صلاة مفروضة، وكذا الوتر لأنه فرض عملي عند أبي حنيفة.
وقد ورد النص في الصيام، وهو قوله صلى الله عليه وسلم :ولكن يطعم عنه والصلاة كالصيام باستحسان المشايخ لكونها أهم.
والصحيح :اعتبار كل صلاة بصوم يوم، فيكون على كل صلاة فدية، وهي نصف صاع من بر أو دقيقه أو سويقه، أو صاع تمر أو زبيب أو شعير أو قيمته، وهي أفضل لتنوع حاجات الفقير وإن لم يوص وتبرع عنه وليه أو أجنبي جاز إن شاء الله تعالى عند محمد بن الحسن وحده لأنه قال في تبرع الوارث بالإطعام في الصوم يجزيه إن شاء الله تعالى من غير جزم .وفي إيصائه به جزم الحنفية بالإجزاء .وللتفصيل يرجع إلى مصطلح (صلاة وصوم) (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۵، ص۸۳، إسقاط الصلاة بالإطعام)

[2] وقابليته للنيابة، وذهب مالك على المعتمد في مذهبه إلى أن الحج لا يقبل النيابة لا عن الحي ولا عن الميت، معذورا أو غير معذور .وقالوا :إن الأفضل أن يتطوع عنه وليه بغير الحج،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۷...... اگر کسی نے زندگی میں صدقۂ فطر ادا نہیں کیا، اور فوت ہوگیا، تو وصیت کی صورت میں تو حساب کرکے ادائیگی کی جائے گی، جو کہ حنفیہ کے نزدیک ایک تہائی ترکہ تک ورثاء کے ذمہ لازم ہوگی، اوراس سے زیادہ کی مقدار میں ان کی رضامندی کا اعتبار ہوگا۔ ۱

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كأن يهدى أو يتصدق عنه، أو يدعو له، أو يعتق. استدل الجمهور على مشروعية حج الإنسان عن غيره بالسنة الثابتة المشهورة، وبالعقل. أما السنة :فمنها حديث ابن عباس رضى الله عنه قال: جاءت امرأة من خثعم عام حجة الوداع، قالت :يا رسول الله :إن فريضة الله على عباده فى الحج أدركت أبى شيخا كبيرا لا يستطيع أن يستوى على الراحلة، فهل يقضى عنه أن أحج عنه؟ قال :نعم وعن ابن عباس أيضا :أن امرأة من جهينة جاءت إلى النبى صلى الله عليه وسلم فقالت :إن أمى نذرت أن تحج فلم تحج حتى ماتت أفأحج عنها؟ قال صلى الله عليه وسلم :نعم حجى عنها، أرأيت لو كان على أمك دين أكنت قاضيته؟ . اقضوا الله، فالله أحق بالوفاء. وأما العقل، فقال الكمال بن الهمام :وكان مقتضى القياس أن لا تجرى النيابة فى الحج، لتضمنه المشقتين البدنية والمالية، والأولى لم تقم بالآمر، لكنه تعالى رخص فى إسقاطه بتحمل المشقة الأخرى، أعنى إخراج المال عند العجز المستمر إلى الموت، رحمة وفضلا، وذلك بأن يدفع نفقة الحج إلى من يحج عنه، بخلاف حال القدرة فإنه لم يعذره لأن تركه ليس إلا لمجرد إيثار راحة نفسه على أمر ربه، وهو بهذا يستحق العقاب، لا التخفيف فى طريق الإسقاط، وإنما شرط دوامه (أى العذر) إلى الموت لأن الحج فرض العمر. وقال ابن قدامة :هذه عبادة تجب بإفسادها الكفارة، فجاز أن يقوم غير فعله فيها مقام فعله، كالصوم إذا عجز عنه افتدى بخلاف الصلاة ،وأخذ المالكية بالأصل، وهو عدم جريان النيابة فى العبادة البدنية، كالصوم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۱۷، ص ۷۲ وص ۷۳، الحج عن الغير، مشروعية الحج عن الغير)

۱ ب -صدقة الفطر:

اختلف الفقهاء فى تأثير الموت على سقوط صدقة الفطر عمن وجبت عليه إذا مات قبل أدائها، وذلك على ثلاثة أقوال:

الأول :للشافعية، والحنابلة، وهو أن من وجبت عليه صدقة الفطر، وتمكن من أدائها، ولم يؤدها حتى مات، لم تسقط بموته، بل يجب إخراجها من تركته، وإن لم يوص بها.

الثانى :للحنفية، وهو أن من وجبت عليه زكاة الفطر إذا مات قبل أدائها فإنها تسقط بموته فى أحكام الدنيا، ولا يلزم ورثته إخراجها من تركته ما لم يوص بها.

فإن أوصى بها، فإنها تخرج من ثلث ماله كسائر الوصايا، وذلك لأن صدقة الفطر وجبت بطريق الصلة، ألا ترى أنه لا يقابلها عوض مالى، والصلات تبطل بالموت قبل التسليم.

الثالث :للمالكية، وهو أن زكاة الفطر الحاضرة إذا مات من وجبت عليه قبل إخراجها، فإنها تخرج من رأس ماله كزكاة العين، وذلك إن أوصى بها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر ۸......حنفیہ کے نزدیک ایک نماز کا فدیہ اور اسی طرح ایک روزہ کا فدیہ ایک صدقۂ فطر کے برابر ہے، جو کہ وزن کے اعتبار سے بھی جائز ہے، اور قیمت کے اعتبار سے بھی۔

وزن کے اعتبار سے چار قسم کی چیزوں میں سے کسی ایک چیز سے صدقۂ فطر اور نماز یا روزہ کا فدیہ ادا کرنا جائز ہے، اور وہ چار چیزیں یہ ہیں:

(۱)......ایک صاع کشمش (۲)......ایک صاع کھجور (یا چھوارا)

(۳)......ایک صاع جَو (۴)......آدھا صاع گندم (یا گیہوں)

صاع عرب میں اُس زمانے میں ناپنے کے پیمانے تھے، ایک صاع چار مُد کا اور آدھا صاع دو مُد کا ہوتا تھا۔ [۱]

ہمارے مروّجہ وزن کے لحاظ سے آدھا صاع اکثر علماء کی تحقیق کے مطابق پونے دو سیر (یعنی ایک کلو چھ سو تینتیس گرام) کے وزن کے برابر اور ایک صاع اس وزن کا دوگنا یعنی ساڑھے تین سیر (یعنی تین کلو اور دو سو چھیاسٹھ گرام) کے وزن کے برابر ہوتا ہے۔ [۲]

مسئلہ نمبر ۹......جس شخص پر قربانی واجب ہو، اور اس نے قربانی کے دنوں میں قربانی نہ کی ہو، اور نہ ہی بعد میں قربانی کی قیمت صدقہ کی ہو، تو حنفیہ کے نزدیک فوت ہونے سے پہلے اس پر قربانی کی قیمت کے صدقہ کرنے کی وصیت کرنا واجب ہے۔ [۳]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أما إذا لم يوص بها، فإن الورثة يؤمرون بإخراجها، لكنهم لا يجبرون على ذلك.

وإذا كانت زكاة الفطر عن سنين ماضية فرط فيها، ثم أوصى بأدائها قبل موته، فإنها تخرج من ثلث ماله .ولو أشهد في صحته أنها بذمته، فإنها تخرج من رأس ماله، سواء أوصى بها أم لم يوص (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۹ص ۲۸۳، ۲۸۴، مادة"موت")

[۱] قلت :وأَجْمَعُوا على أَنَّ الصَّاعَ أَرْبَعَةُ أَمداد (شرح النقاية،فصلٌ صَدَقَةُ الفِطْرِ)

[۲] جبکہ بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق آدھا صاع سوا دو سیر (یعنی دو کلو سو گرام) کا اور ایک صاع اس مذکورہ وزن کا دوگنا یعنی ساڑھے چار سیر (یعنی چار کلو دو سو گرام) کا ہوتا ہے، لیکن اکثر حضرات کا فتویٰ اوپر والے قول پر ہے۔

[۳] ومن وجبت عليه الأضحية فلم يضح حتى مضت أيام النحر ثم حضرته الوفاة فعليه أن يوصى بأن يتصدق عنه بقيمة شاة من ثلث ماله؛ لأنه لما مضى الوقت فقد وجب عليه التصدق بقيمة شاة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

مسئلہ نمبر۱۰...... جس شخص نے فوت ہونے سے پہلے قربانی کی وصیت کی، مگر قربانی کے جانور کی کوئی تعیین وتخصیص اور صفت بیان نہیں کی، اور نہ ہی قیمت وغیرہ کی تعیین کی، تو ایسی صورت میں قربانی کے ایک چھوٹے جانور (بکری وغیرہ) سے وصیت پوری کی جائے گی۔ [۱]

مسئلہ نمبر۱۱...... اگر قسم کا کفارہ واجب ہو، تو ایک قسم کا کفارہ یہ ہے کہ یا تو دس مسکینوں کو صبح شام پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، یا دس مسکینوں کو لباس فراہم کرے، یا دس فطرانوں کے برابر رقم دے دے۔ [۲]

مسئلہ نمبر۱۲...... نماز، روزوں وغیرہ کے فدیہ کے مستحق وہی لوگ ہیں جو زکاۃ کے مستحق ہیں۔ [۳]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فيحتاج إلى تخليص نفسه عن عهدة الواجب، والوصية طريق التخليص فيجب عليه أن يوصى كما فى الزكاة والحج وغير ذلك(بدائع الصنائع ،ج۵،ص۶۸،كتاب التضحية،فصل فى أنواع كيفية الوجوب)

لو كان موسراً فى أيام النحر، فلم يضح حتى مات قبل مضى أيام النحر؛ سقطت عنه الأضحية حتى لا يجب عليه الإيصاء، ولو مات بعد مضى أيام النحر لم يسقط عنه التصدق بقيمة الشاة؛ حتى لزمه الإيصاء به، أشار إلى أن الوجوب يتعلق بآخر الوقت كما فى الصلاة(المحيط البرهانى، ج۶ ص۸۶، كتاب الأضحية،الفصل الأول فى بيان وجوب الأضحية ومن لا تجب)

[۱] ولو أوصى بأن يضحى عنه ولم يسم شاة ولا بقرة ولا غير ذلك ولم يبين الثمن أيضا جاز ويقع على الشاة، بخلاف ما إذا وكل رجلا أن يضحى عنه ولم يسم شيئا ولا ثمنا أنه لا يجوز، والفرق أن الوصية تحتمل من الجهالة شيئا لا تحتمله الوكالة فإن الوصية بالمجهول وللمجهول تصح ولا تصح الوكالة(بدائع الصنائع،ج۵،ص۶۸،كتاب التضحية،فصل فى أنواع كيفية الوجوب)

[۲] اتفق الفقهاء فى وجوب الإطعام فى كفارة اليمين بالله تعالى إذا حنث فيها على التخيير بينه وبين الكسوة وتحرير الرقبة، فإن عجز فصيام ثلاثة أيام،لقوله تعالى :(لا يؤاخذكم الله باللغو فى أيمانكم ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان فكفارته إطعام عشرة مساكين من أوسط ما تطعمون أهليكم أو كسوتهم أو تحرير رقبة فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام ذلك كفارة أيمانكم إذا حلفتم (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۵، ص۱۱۶، مادة "اطعام"، كفارة اليمين)

[۳] وصدقة الفطر كالزكاة فى المصارف(حاشية الطحطاوى على المراقى، ص۷۲۴، باب صدقة الفطر)

مسئلہ نمبر۱۴۳...... اگر کسی نے اپنے ذمہ میں مختلف حقوق کی ادائیگی کی وصیت کی ہو، تو اہم حقوق کی ادائیگی دوسرے حقوق پر مقدم ہوگی، مثلاً جو چیز فرض ہے، اس کو سنت عمل پر مقدم رکھا جائے گا۔ [1]

---

[1] قال الحنفية :من أوصى بوصايا من حقوق الله تعالى قدمت الفرائض منها، سواء قدمها الموصى أو أخرها مثل الحج والزكاة والكفارات؛ لأن الفريضة أهم من النافلة، والظاهر منه البداء ة بما هو الأهم، فإن تساوت في القوة بدء بما قدمه الموصى إذا ضاق عنها الثلث؛ لأن الظاهر أنه يبتدء بالأهم، وذكر الطحاوى أنه يبتدء بالزكاة ويقدمها على الحج، وهو إحدى الروايتين عن أبى يوسف، وفى رواية عنه أنه يقدم الحج، وهو قول محمد، ثم تقدم الزكاة والحج على الكفارات لمزيتهما عليها فى القوة، والكفارة فى القتل والظهار واليمين مقدمة على صدقة الفطر؛ لأنه عرف وجوبها بالقرآن دون صدقة الفطر حيث ثبت وجوبها بالسنة، وصدقة الفطر مقدمة على الأضحية، وعلى هذا القياس يقدم بعض الواجبات على البعض، ويقسم الثلث على جميع الوصايا.
فما أصاب القرب صرف إليها على الترتيب الذى ذكر.
وقال المالكية :إن ضاق الثلث عما أوصى به، فإنه يقدم فك أسير، ثم مدبر فى حال الصحة، ثم صداق مريض، ثم زكاة أوصى بإخراجها من ماله فتخرج من باقى ثلثه بعد إخراج ما تقدم، إلا أن يعترف بحلول الزكاة عليه بتمام الحول فتخرج من رأس المال، كزكاة الحرث والماشية إن مات المالك بعد إفراك الحب وطيب الثمر ومجيء الساعى، فتخرج من رأس المال، ثم يخرج من باقى الثلث زكاة الفطر التى فرط فى إخراجها، ثم بعد ذلك كفارة ظهار وقتل خطأ، ثم كفارة يمين، ثم كفارة الفطر فى رمضان.
وقال الحنابلة :إن وصى بشيء فى أبواب البر صرف فى القرب جميعها، لعموم اللفظ وعدم المخصص، ويبدأ منها بالغزو نصا، لقول أبى الدرداء :إنه أفضل القرب، ولو قال الموصى لوصيه : ضع ثلثى حيث أراك الله تعالى أو حيث يريك الله تعالى، فله صرفه فى أى جهة من جهات القرب رأى وضعه فيها عملا بمقتضى الوصية، والأفضل صرفه إلى فقراء أقارب الموصى غير الوارثين؛ لأنه فيهم صدقة وصلة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۳۳ص۱۰۸،و۱۰۹، مادة"قربة")
وقد اختلف الفقهاء فى أى الدينين يؤدى أولا إذا ضاقت التركة عنهما .فذهب الحنفية إلى :أن ديون الله تعالى تسقط بالموت إلا إذا أوصى بها كما سيأتى.
وذهب المالكية إلى أن حق العبد يقدم على حق الله تعالى؛ لأن حقوق الله تعالى مبنية على المسامحة، وحقوق العباد مبنية على المشاحة، أو لاستغناء الله وحاجة الناس.
وذهب الشافعية إلى تقديم حقوق الله تعالى أو ديونه على حقوق الآدمى إذا ضاقت التركة عنهما، واستدلوا بقوله صلى الله عليه وسلم :دين الله أحق أن يقضى،وقوله :اقضوا الله، فالله أحق بالوفاء ،وأما الحنابلة فإنهم يقدمون وفاء الدين المتعلق بعين التركة أو ببعضها، كالدين المرهون به شيء منها، ثم بعدها الدين المطلقة المتعلقة بذمة المتوفى، ولا فرق فى التقديم بين حق الله أو حق العبد.
وللتفصيل انظر مصطلح :(إرث، ودين). (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ۱۱، ص۲۱۷، الىٰ ۲۱۹، مادة "تركة")

ایصالِ ثواب اور میت سے متعلق چند منکرات و بدعات

(۱)......فوتگی کے بعد مروَّجہ دعوتیں اور ایصالِ ثواب

سوال:...... آج کل بعض علاقوں میں جب کوئی فوت ہوجاتا ہے تو تیسرے یا چالیسویں دن یا سال پورا ہونے پر جاننے والے اور برادری کے لوگوں کو جمع کرکے کھانا کھلایا جاتا ہے، اور اس کو ایصالِ ثواب کا عنوان دیا جاتا ہے؛ کیا ایسا کرنا جائز ہے، اور اس طرح مُردوں کو ایصالِ ثواب ہوجاتا ہے؟

جواب:...... اوّلاً تو شریعت نے ایصالِ ثواب کے لیے کوئی دن وتاریخ متعین نہیں کی، بلکہ اس سلسلے میں اختیار دیا ہے کہ جس دن، جس تاریخ اور جس وقت میں بھی اخلاص کے ساتھ میت کے لیے دعا واستغفار کیا جائے یا کوئی صدقہ وخیرات کرکے یا کوئی بھی نیک عمل کرکے اُس کا میت کو ایصالِ ثواب کردیا جائے، تو جائز ہے، اور شریعت کی طرف سے کسی خاص دن وتاریخ میں ایصالِ ثواب کی تخصیص، ترغیب اور تاکید نہیں آئی۔

ایصالِ ثواب کا طریقہ شریعت نے انتہائی سادہ اور آسان بتلایا ہے کہ اس میں نہ دن (مثلاً جمعرات وغیرہ) کی قید ہے، نہ تاریخ (مثلاً تیجے، چالیسویں، سالانہ وغیرہ) کی قید ہے، نہ کسی جگہ (مثلاً میت کے گھر) جمع ہونے کی قید ہے اور نہ ہی کسی عمل (مثلاً کھانے) کی قید ہے، بلکہ جو بھی عبادت اور نیک عمل جس دن، جس وقت اور جس جگہ بھی خلوص کے ساتھ کیا جائے اس کا ثواب پہنچایا جاسکتا ہے، اس لئے کسی کی وفات کے موقع پر جمعرات، تیجے، دسویں، چالیسویں اور سالانہ وغیرہ کا مروجہ طریقے پر اہتمام کرنا اپنی طرف سے دین میں اضافہ ہے، جس میں بدعت کا گناہ، نیکی برباد اور گناہ لازم کا مصداق ہے۔

دوسرے ایصالِ ثواب کے لیے جو عمل کیا جائے، اُس میں اخلاص کا پایا جانا ضروری ہے،

کیونکہ اخلاص کے بغیر خود عمل کرنے والے ہی کو ثواب حاصل نہیں ہوتا، پھر وہ دوسرے کو کیسے ایصالِ ثواب کر سکے گا۔

اور مشاہدہ یہ ہے کہ ایصالِ ثواب کے عنوان سے اس طرح کی تقریبات عام طور پر صرف رسم ورواج کے طور پر منعقد کی جاتی ہیں، اور اکثر و بیشتر نام آوری پیشِ نظر ہوتی ہے، اور اس کی خلاف ورزی پر لوگوں کی ملامت اور لعن طعن کا خوف ہوتا ہے، اسی وجہ سے اگر کسی کے پاس اس رسم کو انجام دینے کا انتظام نہ ہو، تو قرض تک لینے سے گریز نہیں کیا جاتا، اور قرض نہ بھی لیا جائے، تب بھی ضروری درجہ کے حقوق اللہ (مثلاً زکاۃ، قربانی وغیرہ) کو یا حقوق العباد (مثلاً دوسرے کے قرض کی ادائیگی یا بیوی بچوں کے ضروری حقوق) نظر انداز کر کے کسی نہ کسی طرح اس رسم کو انجام دینے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کی تقریبات میں عموماً اخلاص بھی نہیں ہوتا، بلکہ ریا کاری اور نام آوری پیشِ نظر ہوتی ہے، اور جب اخلاص نہ رہا اور اس سے بڑھ کر نام آوری پیشِ نظر ہوگئی تو اس میں ایصالِ ثواب تو کُجا، خود یہ عمل کرنے والے گناہ کے مُرتکب ہوتے ہیں۔

اگر اخلاص کے ساتھ عمل کرنا مقصود ہے تو اس کے لیے لوگوں کو جمع کرنے کی کیا ضرورت ہے، خاموشی کے ساتھ دعا واستغفار، صدقہ وخیرات اور کوئی بھی نیک عمل کر کے میت کو نفع پہنچایا جاسکتا ہے؛ کیونکہ اخلاص کے حاصل اور موجود ہونے کے لئے چھپ کر اور خفیہ طریقہ پر عمل کرنا زیادہ مناسب اور افضل ہے۔

مگر یہ لوگ اس طرح عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے جو اخلاص یا اس کے مقابلہ میں ریا کاری کی پہچان کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

تیسرے اگر کھانے وغیرہ کے ذریعے سے ایصالِ ثواب کرنا مقصود ہے تو اس کے اصل مستحق فقراء ومساکین ہیں، اور مروَّجہ تقاریب میں غرباء ومساکین کو شامل کرنے کے بجائے رشتہ داروں اور جاننے والے اُمراء واغنیاء کو شریک کیا جاتا ہے، غریبوں کو کوئی پوچھتا نہیں۔

جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

مُردہ کا کھانا صرف غرباء کے لئے ہے، عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں، یہ منع ہے، غنی نہ کھائے (احکامِ شریعت حصہ۲ص۱۵۳)

چوتھے فوتگی کے بعد خود دعوتوں کا سماں بنانا ہی شرعاً منع ہے، کیونکہ دعوتیں خوشی کے موقع پر ہوا کرتی ہیں، غمی کے موقعے پر دعوتوں کا کیا کام؟

علامہ ابنِ ہُمام رحمہ اللہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ:

وَيُكْرَهُ اِتِّخَاذُ الضِّيَافَةِ مِنَ الطَّعَامِ مِنْ اَهْلِ الْمَيِّتِ لِاَنَّهٗ شُرِعَ فِي السُّرُوْرِ لَا فِي الشُّرُوْرِ ، وَهِيَ بِدْعَةٌ مُّسْتَقْبَحَةٌ،رَوَى الْاِمَامُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَهْ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: كُنَّا نَعُدُّ الْاِجْتِمَاعَ اِلٰى اَهْلِ الْمَيِّتِ وَصُنْعَهُمُ الطَّعَامَ مِنَ النِّيَاحَةِ (فتح القدير، ج ۲ ص ۱۴۲ ، كتاب الصلاة، باب الجنائز)

ترجمہ: اور میت کے گھر والوں کی طرف سے کھانے کی ضیافت کا انتظام کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ ضیافت خوشی کے موقع پر ہوا کرتی ہے، نہ کہ غمی کے موقع پر، اور یہ بدترین بدعت ہے، امام احمد اور ابنِ ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

ہم میت کے گھر میں جمع ہونے کو اور ان کے کھانا بنانے کو (جسے آج کل بعض علاقوں میں کڑوی روٹی کہا جاتا ہے) نوحے (یعنی گا گا کر رونے) میں (جو کہ گناہ وحرام ہے) شمار کیا کرتے تھے (فتح)

اور علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَيُكْرَهُ اِتِّخَاذُ الضِّيَافَةِ مِنَ الطَّعَامِ مِنْ اَهْلِ الْمَيِّتِ لِاَنَّهٗ شُرِعَ فِي السُّرُوْرِ لَا فِي الشُّرُوْرِ ، وَهِيَ بِدْعَةٌ مُّسْتَقْبَحَةٌ،رَوَى الْاِمَامُ اَحْمَدُ

وَابُنُ مَاجَهُ بِاِسْنَادٍ صَحِيُحٍ عَنُ جَرِيُرِ بُنِ عَبُدِاللهِ قَالَ: كُنَّا نَعُدُّ الْاِجْتِمَاعَ اِلٰى اَهْلِ الْمَيِّتِ وَصُنْعَهُمُ الطَّعَامَ مِنَ النِّيَاحَةِ اهـ، وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ :وَيُكْرَهُ اِتِّخَاذُ الطَّعَامِ فِي الْيَوْمِ الْاَوَّلِ وَالثَّالِثِ، وَبَعْدَالْاُسْبُوْعِ وَنَقْلُ الطَّعَامِ اِلَى الْقَبْرِ فِي الْمَوَاسِمِ، وَاِتِّخَاذُ الدَّعْوَةِ لِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَجَمْعُ الصُّلَحَاءِ وَالْقُرَّاءِ لِلْخَتْمِ اَوْ لِقِرَاءَةِ سُوْرَةِ الْاَنْعَامِ اَوِ الْاِخْلَاصِ، وَالْحَاصِلُ اَنَّ اِتِّخَاذَ الطَّعَامِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ لِاَجْلِ الْاَكْلِ يُكْرَهُ، وَفِيْهَا مِنْ كِتَابِ الْاِسْتِحْسَانِ :وَاِنْ اِتَّخَذَ طَعَامًا لِلْفُقَرَاءِ كَانَ حَسَنًا اهـ .وَاَطَالَ فِيْ ذَالِكَ الْمِعْرَاجُ، وَقَالَ:وَهٰذِهِ الْاَفْعَالُ كُلُّهَا لِلسُّمْعَةِ وَالرِّيَاءِ فَيُحْتَرَزُ عَنْهَالِاَنَّهُمْ لَايُرِيْدُوْنَ بِهَا وَجْهَ اللهِ تَعَالٰى اهـ (ردالمحتار ج۲ص ۲۴۰،کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة)

ترجمہ: اور میت کے گھر والوں کی طرف سے کھانے کی ضیافت کا انتظام کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ ضیافت خوشی کے موقع پر ہوا کرتی ہے، نہ کہ غمی کے موقع پر، اور یہ بدترین بدعت ہے، امام احمد اور ابنِ ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:

ہم میت کے گھر میں جمع ہونے کو اور ان کے کھانا بنانے کو (جسے آج کل بعض علاقوں میں کڑوی روٹی کہا جاتا ہے) نوحے میں (جو کہ حرام ہے) شمار کیا کرتے تھے، اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ فوتگی کے پہلے دن اور تیسرے دن اور ہفتے کے بعد (یا اسی طرح کسی اور مخصوص دن میں) کھانا بنانا اور کھانے کو مخصوص دنوں میں قبر پر لے جانا، اور قرآن مجید کی تلاوت کے لئے دعوت کرنا اور صلحاء اور قرّاء کا ختم کے لئے قرآن مجید کی تلاوت کرنا، یا سورہ انعام کی یا سورہ اخلاص وغیرہ کی قرائت کے لئے جمع ہونا (بھی مکروہ ہے) اور خلاصہ یہ کہ قرآن مجید کی قراءت

کے وقت کھانے کے لئے طعام کا انتظام کرنا مکروہ ہے، اور فتاوٰی بزازیہ ہی کی کتابُ الاستحسان میں ہے کہ اگر (بغیر کسی دن کی پابندی کے) غریبوں کے لئے کھانا بنایا جائے، تو اچھا ہے، اور معراج نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے، اور فرمایا کہ یہ تمام کام نام ونمود اور ریاکاری کے لئے ہوتے ہیں، لہٰذا ان سے بچنا چاہئے، کیونکہ لوگوں کا ان کاموں سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ نہیں ہوتا (ردالمحتار)

پانچویں اس طرح کی دعوتوں کا سماں بنانے میں ہندوؤں کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔

مشہور مؤرخ علامہ البیرونی لکھتے ہیں کہ:

''اہلِ ہنود کے نزدیک جو حقوق میت کے وارث پر عائد ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ضیافت کرنا اور یوم وفات سے گیارہویں اور پندرہویں روز کھانا کھلانا، اسی طرح اختتامِ سال پر کھانا کھلانا ضروری ہے'' (المنہاج ص ۲۴۰)

مشہور نومسلم مولانا عبیداللہ صاحب سابق ''اننت رام'' لکھتے ہیں کہ:

اگر مرنے والا برہمن ہے تو مرنے کے بعد گیارہویں دن، کھتری ہے تو تیرہویں دن، اگر ویش (بنیہ) ہے تو پندرہویں/ سولہویں دن، اگر شودر (Untoouchable) ہے تو تیسواں یا اکتیسویں دن کریا کرم ہوتا ہے، کریا کرم کے چھ ماہ بعد چھ ماہی ہوتی ہے، اور سال بھر بعد برسی کے دن گائے کو بھی کھانا کھلاتے ہیں، مرنے کے چار سال بعد سدھ کی رسم ہوتی ہے، عام طور پر اسوج کے مہینہ میں جس تاریخ کو کوئی مرا ہو، اس تاریخ پر مردے کے لئے ثواب پہنچانا لازمی سمجھا جاتا ہے، کھانے کے ثواب کا نام سرادھ ہے، سرادھ کا کھانا تیار ہوجاتا ہے تو اس پر پنڈت کو بلا کر کچھ بید پڑھواتے ہیں، جو پنڈت بید پڑھتا ہے، اس کو ابھشر من کہتے ہیں، اسی طرح اور دن بھی مقرر ہیں (تحفۃ الہند ص ۱۸۴، بعنوان ''ہندوؤں کے یہاں ایصالِ ثواب کا طریقہ''، مطبوعہ: مکی دارالکتب، لاہور)

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰـهِ صَلَّى اللّٰـهُ عَلَيْـهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَشَبَّـهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُم(ابوداؤد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی، تو وہ انہی میں سے ہوگا (ابوداؤد)

اور حضرت عمرو بن شعیب کی سند سے ایک حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا(ترمذی) [2]

ترجمہ: جس نے غیروں کے ساتھ مشابہت کی وہ ہم میں سے نہیں (ترمذی)

چھٹے صدقے کی قبولیت کے لیے مال کا حلال ہونا ضروری ہے، اور عام طور پر اس طرح کی تقریبات میں اخراجات میت کے مشترک ترکہ سے ادا کیے جاتے ہیں، جبکہ اس میں دوسرے وارثوں کا بھی حصہ ہوتا ہے، جن کی اجازت اس میں شامل نہیں ہوتی، بعض ورثاء تو

---

[1] رقم الحديث ۴۰۳۱، كتاب اللباس، باب فى لبس الشهرة، المكتبة العصرية، بيروت، واللفظ لهٗ، مسند احمد رقم الحديث ۵۱۱۵.

قلت أخرجه أبو داؤد بسند حسن(فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج۱۰ ص ۲۷۱، كتاب اللباس، باب لبس جبة الصوف)

وقد روى عن النبى صلى الله عليه وسلم فى المسند والسنن أنه قال " :من تشبه بقوم فهو منهم (جامع الرسائل لابنِ تيميه، الجزء الثانى، الفرق بين السفر الطويل والقصير، ومجموع الفتاوىٰ ج۲۵ ص ۳۳۱)

وأيضا مما هو صريح فى الدلالة ما روى أبو داود فى سننه حدثنا عثمان بن أبى شيبة حدثنا أبو النضر يعنى هاشم بن القاسم حدثنا عبد الرحمن بن ثابت حدثنا حسان بن عطية عن أبى منيب الجرشى عن ابن عمر رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من تشبه بقوم فهو منهم وهذا إسناد جيد فإن ابن أبى شيبة وأبا النضر وحسان بن عطية ثقات مشاهير أجلاء من رجال الصحيحين وهم أجل من أن يحتاجوا إلى أن يقال هم من رجال الصحيحين(اقتضاء الصراط المستقيم مخالفة أصحاب الجحيم لابنِ تيميه، ج۱ ص ۸۲)

[2] رقم الحديث ۲۶۹۵، كتاب الاستئذان والآداب، باب ما جاء فى كراهية إشارة اليد بالسلام، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر.

موجود ہی نہیں ہوتے، اور اگر موجود بھی ہوں تو بھی اگر ظاہری طور پر وہ اعتراض نہ کریں تب بھی خوشدلی ملحوظ نہیں ہوتی، اور مسلمان کی خوشدلی کے بغیر اس کا مال استعمال کرنا جائز نہیں، اور اگر وارثوں میں بعض نابالغ بھی ہوں تو اُن کی اجازت بھی معتبر نہیں؛ لہٰذا اس صورت میں میت کے مشترک ترکہ سے یہ اخراجات کرنا اخلاص ہوتے ہوئے بھی جائز نہیں، اور اگر وارث راضی بھی ہوں مگر میت پر کوئی قرض وغیرہ ہو تو اُس کی ادائیگی ان سب چیزوں سے مقدم ہے۔ اور اخلاص نہ ہونے کی صورت میں وارث راضی بھی ہوں تب بھی وہ گناہ سے نہیں بچ سکتے، اور اس صورت میں میت کو ایصالِ ثواب بھی نہیں ہوتا۔

ساتوؔیں صدقہ وخیرات کے لیے کھانے کا اہتمام وانتخاب کرنا ضروری نہیں، بلکہ صدقہ ضرورت مند غریب کو نقد روپیہ پیسہ دے کر، اُس کو کھانا کھلا کر یا کپڑے دے کر یا کوئی بھی ضرورت کی چیز دے کر ہر طرح سے جائز ہے، اور صدقہ نقدی کی صورت میں دینا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں اخلاص بھی زیادہ ہے کہ چھپا کر دینا آسان ہے اور غریبوں کے لئے زیادہ مفید بھی ہے، کہ اس کے ذریعے سے غریب اپنی مختلف قسم کی ضروریات پوری کرسکتا ہے۔

مگر اس رسم میں کھانے پکانے کا اتنا اہتمام کیا جاتا ہے کہ اگر اس کے بجائے کسی اور طرح یا کسی اور چیز سے ایصالِ ثواب کرنے کو کہا جائے تو کوئی شخص اس کے لئے تیار نہ ہو۔

چنانچہ اگر کسی کو بتلایا جائے کہ وہ اس رسم کے بجائے خاموشی کے ساتھ صرف تلاوت یا ذکر یا نوافل پڑھ کر ایصالِ ثواب کردے (جبکہ اس عمل میں غریبوں کے لئے بھی آسانی ہے کہ وہ مال خرچ کئے بغیر اس طرح ایصالِ ثواب کرسکتے ہیں) اسی طرح اگر کسی کو بتلایا جائے کہ اس رسم کے بجائے کسی دوسری طرح خاموشی کے ساتھ مالی عبادت انجام دے کر ایصالِ ثواب کردے، مثلاً کسی مسجد یا مدرسہ یا کسی اور دینی یا رفاہی کام میں اتنی ہی رقم لگادے جو کہ نہ صرف صدقہ ہوگی بلکہ اس سے بڑھ کر صدقۂ جاریہ ہوگی اور اس صدقۂ جاریہ کا ثواب یقیناً اس کھانے پینے سے زیادہ ہوگا جس کا فائدہ تھوڑی دیر تک قائم رہتا ہے۔

یا اس کے بجائے خاموشی کے ساتھ غریبوں کا اس طرح تعاون کردے کہ جس میں ان کی ضروریات کا لحاظ بھی ہو، مثلاً اگر کسی غریب کو لباس کی ضرورت ہے تو اس کو لباس فراہم کردے، اگر کسی ضرورت مند کو دوا کی ضرورت ہے تو دوا فراہم کردے، اگر کسی غریب کو علاج، معالجہ کی سہولت درکار ہے تو اس کے لئے اس کا انتظام کردے، اگر کسی مسافر کو کرایہ کی ضرورت ہے تو اس کی یہ ضرورت پوری کردے۔

یا اس کے بجائے غریبوں کو ہی رقم فراہم کردے، جس سے غریب اور ضرورت مند اپنی ہر قسم کی ضرورت پوری کرسکتا ہے اور ایک کے بجائے کئی ضروریات پوری کرسکتا ہے اور آج کے بجائے کل پیش آنے والی ضروریات کے لئے بھی اس کو محفوظ رکھ سکتا ہے، اور اپنی ضروریات کے علاوہ اپنے بیوی، بچوں کی ضروریات میں بھی اس رقم کو خرچ کرسکتا ہے، اور اس میں اخلاص کی رعایت بھی زیادہ ہے تو اس طرح اخلاص کے ساتھ اور صحیح طریقہ پر ایصالِ ثواب کرنے کے لئے کوئی آمادہ نہیں ہوتا۔

جبکہ ایصالِ ثواب کے جو طریقے ہم نے اوپر ذکر کیے، اُن میں اور مروَّجہ رسم میں کئی اعتبار سے فرق ہے، چنانچہ:

(۱)...... اس رسم میں سب کو کھانے کا پابند کردیا جاتا ہے۔ اور مندرجہ بالا طریقوں میں اس طرح کی پابندی نہیں ہوتی۔

(۲)...... اس رسم میں غریب اپنی مختلف ضروریات پوری نہیں کرسکتا۔ اور مندرجہ بالا طریقوں میں یہ تنگی نہیں پائی جاتی۔

(۳)...... اس رسم میں غریب اپنی آئندہ کی ضروریات پوری نہیں کرسکتا، کیونکہ غریب کے لئے کھانے کو محفوظ رکھنا اور فروخت کرنا مشکل ہے۔ اور مندرجہ بالا طریقوں میں رقم محفوظ رکھ کر بآسانی یہ ضروریات پوری کرسکتا ہے۔

(۴)...... اس رسم میں غریبوں کو مال کا مالک نہیں بنایا جاتا، بلکہ زیادہ سے زیادہ

وہیں رہتے ہوئے اسی وقت کھانے کا پابند کیا جاتا ہے۔اور مندرجہ بالا طریقوں میں غریبوں کو مالک بنا کر ہر جگہ اور ہر وقت اپنی ضرورت پوری کرنے کا اختیار دے دیا جاتا ہے۔

(۵)...... اس رسم میں غریب کو خود کھانے کا پابند کیا جاتا ہے۔اور مندرجہ بالا طریقوں میں غریب اپنے بجائے اپنے بیوی بچوں کی ضروریات بھی پوری کرسکتا ہے۔

(۶)...... اس رسم میں صدقۂ جاریہ کی صورت نہیں پائی جاتی۔اور مندرجہ بالا طریقوں میں اس نعمت سے بآسانی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

(۷)...... اس رسم کو صرف پیسے والے لوگ انجام دے سکتے ہیں۔اور مندرجہ بالا طریقوں میں امیر وغریب ہر شخص نیک عمل کر کے فائدہ اٹھاسکتا ہے۔

(۸)...... اس رسم میں عموماً اخلاص کے بجائے ایک طرح سے رسم پوری کرنا اور اپنا نام اونچا کرنا پیشِ نظر ہوتا ہے۔اور مندرجہ بالا طریقوں میں رسم کے بجائے حقیقت اور دکھلاوے کے بجائے اخلاص کا لحاظ ہوتا ہے۔وغیرہ وغیرہ۔

بہر حال شریعت نے ایصالِ ثواب کے لئے جس طرح کسی تاریخ ودن کو متعین نہیں کیا، اسی طرح کھانے یا اس کی کسی خاص قسم کو بھی متعین یا لازم نہیں کیا، بلکہ شریعت نے ایصالِ ثواب میں بہت سہولت اور آسانی رکھ دی ہے، چنانچہ ایصالِ ثواب کے لئے مالی عبادت (مثلاً صدقہ، خیرات وغیرہ) کو لازم نہیں کیا، بلکہ مالی عبادت کے علاوہ بدنی وجانی عبادت (تلاوت، ذکر، تسبیحات، نوافل وغیرہ) کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کی بھی اجازت دی ہے۔

اور جب اس بارے میں اتنی سہولت ہے تو ایصالِ ثواب کے عمل کو مالی عبادت کے ساتھ خاص اور تنگ کرنا غیر مناسب طریقہ ہے، اور پھر اوپر سے مالی عبادت کو بھی کھانے تک محدود کر دینا اور دن وتاریخ کی پابندی یہ دین میں زیادتی ہے، جو بدعت کے دائرہ میں داخل ہے۔

لہٰذا عافیت اور سلامتی والا راستہ یہ ہے کہ اس طرح کی تقاریب کو ترک کر دیا جائے، اور اخلاص کے ساتھ جو کچھ اپنی حلال ملکیت سے خاموشی کے ساتھ صدقہ خیرات کی توفیق ہو، وہ کر دیا جائے اور میت کے لیے جمع ہوئے بغیر خاموشی کے ساتھ دعا واستغفار، تلاوت وذکر کا اہتمام کیا جائے، جس میں روپیہ پیسہ بھی خرچ کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۲)......ایصالِ ثواب کے کھانے پر ختم پڑھوانا

سوال:...... بعض لوگوں میں دستور ہے کہ کسی مسلمان کے فوت ہونے کے بعد جب اُس کو ایصالِ ثواب کرنے کے لیے کھانا وغیرہ تیار کیا جاتا ہے، تو اس کھانے پر کچھ پڑھوایا جاتا ہے، اور اس کو بعض لوگ ''فاتحہ شریف'' اور بعض ''ختم شریف'' کہتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:...... اگرچہ بظاہر یہ عمل اچھا معلوم ہوتا ہے، لیکن شرعاً اس میں کئی برائیاں موجود ہیں، جن کی وجہ سے یہ عمل شرعاً عبادت سے نکل کر گناہ میں داخل ہے۔

اوّلاً تو ایصالِ ثواب کے لئے کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھنا ضروری نہیں بلکہ بغیر پڑھے صدقہ کر دینے سے ثواب پہنچ جاتا ہے، اس لئے فاتحہ وغیرہ پڑھنے کو ایصالِ ثواب کی شرط سمجھنا ایک ایسی بات ہے کہ جو قرآن وسنت سے کہیں ثابت نہیں اور حدیث میں ہے کہ:

''مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا فَهُوَرَدٌّ '' یعنی جو شخص ہمارے دینی کاموں میں اپنی طرف سے کوئی نئی بات پیدا کرے وہ مردود ہے (مشکاۃ) (امداد المفتین بتغیر ص ۱۷۲، کتاب السنّت والبدعت)

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور سلفِ صالحین میں اس مروجہ ختم وفاتحہ کا رواج نہیں تھا، اگر شریعت کی نظر میں یہ طریقہ اچھا ہوتا تو صحابۂ کرام اور سلفِ صالحین اس سے محروم نہ رہتے۔

دوسرے عام لوگوں کا خیال ہے کہ جب تک اس طرح ختم نہ پڑھا جائے اس کا ثواب نہیں پہنچتا، اسی لئے بہت سے لوگوں سے آپ نے یہ فقرہ سنا ہوگا کہ: ''مرگیا مردود، نہ فاتحہ نہ

درود'' یہ خیال ایک سنگین غلطی ہی نہیں، بلکہ اللہ اور رسول کے مقابلے میں گویا اپنی طرف سے نئی بات کو لانا ہے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایصالِ ثواب کا یہ طریقہ نہیں بتایا، اور نہ صحابۂ کرام وسلفِ صالحین نے اس پر عمل کیا، اب دیکھئے کہ جو حضرات یہ فقرہ دہراتے ہیں کہ ''مرگیا مردود نہ فاتحہ نہ درود'' اس کا پہلا نشانہ کون بنتا ہے......؟

پس یہ کیسی دینداری ہے کہ دین میں ایک نئی بات گھڑ کر ایسے فقرے چست کئے جائیں، جن کی زد میں صحابۂ کرام اور سلفِ صالحین آتے ہیں، اور ان کے حق میں ایسے ناروا الفاظ استعمال کئے جائیں۔

کہا جاتا ہے کہ اگر کھانے پر سورتیں پڑھ لی جائیں تو کیا حرج ہے؟ حالانکہ اس سے بڑھ کر حرج کیا ہوگا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ، آپ کی سنت اور شریعت کے خلاف ہے، بلکہ اپنی طرف سے دین میں ایک اختراع ہے، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضلالت قرار دیا ہے، اور اس پر جہنم کی وعید سنائی ہے۔ [1]

---

[1] عن جابر بن عبد الله، قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول فى خطبته : يحمد الله ويثنى عليه بما هو أهله، ثم يقول :من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادى له، إن أصدق الحديث كتاب الله، وأحسن الهدى هدى محمد، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة فى النار(سنن النسائى، رقم الحديث ۱۵۷۸)

عن عبد الله، قال " :إنما هما اثنتان :الهدى والكلام، وأصدق الحديث كلام الله وأحسن الهدى هدى محمد صلى الله عليه وسلم وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة فى النار "(المعجم الكبير للطبرانى، رقم الحديث ۸۵۲۱)

عن العرباض بن سارية، قال :وعظنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما بعد صلاة الغداة موعظة بليغة ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب، فقال رجل :إن هذه موعظة مودع فماذا تعهد إلينا يا رسول الله؟ قال :أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة، وإن عبد حبشى، فإنه من يعش منكم يرى اختلافا كثيرا، وإياكم ومحدثات الأمور فإنها ضلالة فمن أدرك ذلك منكم فعليه بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، عضوا عليها بالنواجذ .هذا حديث حسن صحيح(سنن الترمذى، رقم الحديث ۲۶۷۶)

تیسرے پڑھنے والوں کو بلا کر جو ختم پڑھایا جاتا ہے، اس میں ایک خرابی یہ ہے کہ پڑھنے والا پڑھنے اور ختم کرنے کے بدلے میں کھا پی لیتا ہے اور ختم پڑھوانے والے کھانے کے بدلے میں ختم پڑھوا لیتے ہیں۔

اور اگر ختم پڑھنے والا ختم نہ پڑھے تو وہ کھانے سے محروم رہتا ہے اور اگر گھر والے ختم پر کھانا نہ دیں تو کوئی بھی ختم پڑھنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا، گویا کہ ختم پڑھنے والے اور گھر والوں کے کھانے کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کا معاوضہ بن جاتی ہیں۔

اور آپ جانتے ہیں کہ قرآن مجید معاوضہ لے کر پڑھا جائے تو ثواب پڑھنے والے کو بھی نہیں ملتا، اسی طرح جو کھانا معاوضے کے طور پر کھلایا جائے وہ بھی ثواب سے محروم رہتا ہے، ختم پڑھایا تو اس لئے گیا تھا کہ دوہرا ثواب ملے گا، مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکہرا ثواب بھی جاتا رہا۔ [1]

---

[1] قوله :وتعليم القرآن؛ قال تاج الشريعةِ -رضى الله عنه -فى شرح الهداية:إن القرآنَ بالأجرةِ لا يستحقُّ الثوابَ لا للميِّت ولا للقارء، وقال العَيُنِىُّ فى شرح الهداية:ويمنعُ القارء للدنيا، والآخذ والمعطى آثمان، فالحاصل أنَّ ما شاعَ فى زماننا من قراءةِ الأجزاءِ بالأجرةِ لا يجوز؛ لأنَّ فيه الأمرَ بالقراءة، وإعطاءُ الثواب للآمر، والقراءةُ لأجلِ المال، فإذا لم يمكن للقارء ثوابٌ لعدمِ النيّة الصحيحةِ فأين يصلُ الثوابُ إلى المستأجر، ولولا الأجرةَ ما قرأ أحدٌ لأحدٍ فى هذا الزمان، بل جعلوا القرآن العظيم مكسباً ووسيلةً إلى جمع الدنيا، إنّا لله وإنّا إليه راجعون .انتهى.

وقال الشيخ خيرُ الدين الرمليُّ فى حاشية البحر فى كتاب الوقف:أقول :المفتى به جوازُ الأخذِ استحساناً على تعليمِ القرآن لا على القراءةِ المجرَّدة .كما صرَّح به فى التاتارخانية حيث قال :لا معنى لهذه الوصيّة، ولصلة القارء بقراءته؛ لأنَّ هذا بمنزلةِ الأجرة، والإجارةُ فى ذلک باطلة، وهى بدعة، ولم يفعلها أحدٌ من الخلفاء ، وقد ذكرنا مسألة تعليمِ القرآنِ على استحسان؛ أى للضرورة، ولا ضرورةَ فى الاستئجار على القراءةِ على القبر .انتهى.

وفيه ردَّ صاحب البحر حيث علَّلَ البطلانَ بأنّه مبنىٌّ على القولِ بكراهةِ القرآن على القبر وليس كذلک، بل لما فيه من شبهةِ الاستئجارِ على القبر، وقال فى الولوالجيّة: لو زارَ قبرَ صديقٍ أو قريبٍ له وقرأ عنده شيئاً من القرآن فهو حسن، أمّا الوصيّة بذلک فلا معنى لها، ولا معنى أيضاً لصلةِ القارء؛ لأنَّ ذلک يشبُه استئجاره على قراءةِ القرآن وذلک باطل، ولم يفعل ذلک أحدٌ من الخلفاء .انتهى.

فلو كانت العلَّة ما قاله صاحب البحر لم يصحّ قوله هنا، فهو حسن، ونقل العلامةُ الخلوتىّ فى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چوتھے بعض جگہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جب تک کھانے پر ختم نہ دلایا جائے کسی کو کھانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ بعض اوقات اگر ختم پڑھنے میں کسی وجہ سے تاخیر ہوجائے تو بچوں تک کو کھانے سے محروم رکھا جاتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی بلبلاتے رہیں .... حالانکہ ثواب تو اس کھانے کا ملے گا جو کسی غریب محتاج کو اللہ کے لئے دیا گیا ہو، (جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے) پھر آخر اس پابندی کی کیا وجہ ہے کہ جب تک ختم نہ پڑھ لیا جائے کھانا بچوں تک کے لئے ممنوع قرار پائے؟

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حاشية المنتهى الحنبلى عن شيخِ الإسلام تقىّ الدين -رضى الله عنه -ما نصَّه :ولا يصحُّ الاستئجارُ على القراء ة وإهدائها إلى الميِّت؛ لأنّه لم ينقلُ عن أحدٍ من الأئمّة الإذن فى ذلک، وقد قال العلماء :إنّ القارء إذا قرأ لأجلِ المالِ فلا ثواب له، فأىُّ شيءٍ يهديه إلى الميّت، وإنّما يصلُ إلى الميّت العمل، والاستئجارُ على مجرّد التلاوةِ لم يقلُ به أحد من الأئمّة، وإنّما تنازعوا فى الاستئجار على التعليم .انتهى هذا ما التقطته من رد المحتار(۳۵/۳)

وقال فى الفتاوى العالمكيرية:واختلفوا فى الاستئجارِ على قراء ة القرآن على القبر مدّة معلومة، قال بعضهم :تجوزُ وهو المختار، كذا فى السراج الوهّاج.انتهى .وقال العلامةُ الطحطاوىّ فى حاشيته على الدرّ المختار(۳۰/۴)والمختارُ جوازُ الاستئجار على قراءةِ القرآنِ على القبورِ مدَّة معلومة، وفى الحَمَوىّ ما نصّه :ونقل العلامةُ المقدسىّ من هامش نسخة من القنية:ما نصّه وفى الكواشى:المستأجر للختمِ ليس له أن يأخذ الأجر أقلّ من خمسةٍ وأربعين درهماً شرعيّاً، هذا إذا لم يسمِّ شيئاً من الأجر .كما ذكره فى الأصل:أى المبسوط فى رجلٍ قال للقارء :اختم القرآن ولم يسمِّ شيئاً من الأجر وختمه، ليس له أن يأخذَ أقلَّ من خمسة وأربعين درهماً بعد العقد عليه، أو شرطَ أن يكون ثواب ما فوق لنفسه فلا يأثم، وعلى هذا لو قال القارء :اقرأ ختماً بقدرِ ما قدّرتَ من الأجرِ حين أمره المستأجر بالختم بأقلّ من خمسةٍ وأربعين فقرأ من القرآن ذلک المقدار من الثلث أو الربعِ أو النصف أو نحوها فلا يأثم .انتهى ملخّصاً.

وقال العلامةُ الشامىُّ فى رد المحتار(۳۶/۵)وما نقل عن بعض الهوامش، وعزى حاوى الزاهدى من أنّه لا يجوز الاستئجار على الختمِ من خمسةٍ وأربعين فخارجٌ عمّا اتَّفقَ عليه أهل المذهبِ قاطبة. انتهى .فتفكّر وتدبّر ليظهرَ عليک قوّة دليلٍ عدمِ جواز الاستئجارِ على قراءةِ القرآن لاتصال الثوابِ إلى الميت سواء كان على القبر أو لا، والاستئجار على ختمِ القرآنِ فى التراويح كما اعتادَه الحفّاظُ فى زماننا فإنّهم يعيّنون الأجر من قبل، ويجبرونَ المستأجر عليه، والحالُ أنّ الختمَ فى التراويحِ سنة لا واجبة، والقياس على حجِّ البدلِ قياسٌ مع الفارق، وحاله ما ذكرنا فتذكّر(عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية، كتابُ الهبة)

پانچویں اس طرح کھانا سامنے رکھ کر ختم پڑھنے میں ہندوؤں کے ساتھ مشابہت ہے، کہ ان کے یہاں اس طرح کھانا سامنے رکھ کر پڑھا جاتا ہے، جیسا کہ مشہور سیاح ''البیرونی'' نے اپنی کتاب ''کتاب الہند'' میں بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

اور مولانا عبید اللہ نومسلم نے، جو پہلے ہندوؤں کے پنڈت تھے، بعد میں حق تعالیٰ نے ان کو نورِ ایمان نصیب فرمایا، ''تحفۃ الہند'' ایصال ثواب کے بیان میں بھی ہندوانہ ایصالِ ثواب کے طریقوں کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کی وضاحت کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

جس تاریخ کو کوئی مرا اس تاریخ میں ثواب پہنچانا ضرور جانتے ہیں اور کھانے کے ثواب کا نام سرادھ ہے، سرادھ کا کھانا تیار ہو جاتا ہے تو اس پر پنڈت کو بلا کر کچھ بید پڑھواتے ہیں، جو پنڈت بید پڑھتا ہے، اس کو ابھشر من کہتے ہیں، اسی طرح اور دن بھی مقرر ہیں، لیکن جب اپنے معبودوں کی روح کے واسطے کچھ کرتے ہیں تو وہاں ثواب پہنچانے کی نیت تو ہوتی نہیں بلکہ ان سے ڈر کر یا کچھ نفع کی امید رکھ کر یا بطور نذر منت کے ان کے بھینٹ دیتے ہیں اور اس مقصد کے لئے بھی دن مقرر ہیں، بعض معبودوں کے واسطے بعض کھانے بھی مخصوص ہیں (تحفۃ الہند ص ۱۸۴، بعنوان ''ہندوؤں کے یہاں ایصال ثواب کا طریقہ'')

اور بریلوی سلسلہ کے مشہور عالم مولوی محمد صالح صاحب کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

یہ رسم سوائے ہندوستان کے اور کسی اسلامی ملک میں رائج نہیں (تحفۃ الاحباب ص ۱۲۲)

چھٹے کھانے پر اس طرح کا ختم پڑھنا عقل کے بھی خلاف ہے، کیونکہ یہ ختم پڑھنے، پڑھانے کا سلسلہ عموماً کھانے کے ساتھ مخصوص کیا ہوا ہے، جبکہ اگر یہ ختم ایصالِ ثواب کے لئے ہے تو ایصالِ ثواب تو کھانے کے علاوہ دوسری چیزوں (مثلاً نقدی، لباس، وغیرہ) کو صدقہ کر کے بھی کیا جاسکتا ہے، اور کیا جاتا ہے، لیکن ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ کھانے کے علاوہ دوسری

چیز کے ذریعے سے ایصالِ ثواب کرتے وقت بھی اس طرح کا ختم دیتا ہو۔ پس اگر کھانے کے اوپر ختم کی ضرورت ہی ہے تو دوسری چیزوں مثلاً روپے پیسے اور کپڑے میں بھی اس کی ضرورت ہے۔

بلکہ جو چیز ایصالِ ثواب کے بجائے ویسے ہی اللہ کے نام پر صدقہ کی جائے، اُس پر بھی اس طرح کی فاتحہ اور ختم پڑھنے کی ضرورت ہے، لیکن اس پر کسی کا عمل نہیں۔

اسی طرح ختم پڑھوانے کا یہ عمل کھانے کے تھوڑے سے حصہ پر کیا جاتا ہے، یہ بھی عقل کے خلاف ہے (مستفاد از اشرف الجواب ص ۲۴۵،۲۴۷)

بعض لوگ اس موقع پر مروَّجہ ختم کو ثابت کرنے کے لئے وہ دلائل پیش کرتے ہیں جن میں برکت کے طور پر کھانے کی چیز پر پڑھنے کا ذکر ہے۔

حالانکہ کسی چیز پر برکت کے طور پر اللہ کے کلام کو پڑھنا الگ چیز ہے۔

اصل گفتگو اس میں ہے کہ ایصالِ ثواب کے طور پر جو کھانا دیا جاتا ہے اس پر مروَّجہ طریقے پر جو فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور ختم دلایا جاتا ہے یہ بھی صحیح ہے یا نہیں؟ اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابۂ کرام نے ایصالِ ثواب کرتے ہوئے ایسا کیا ہے یا نہیں؟

اس کا آسان اور صحیح جواب صرف یہ ہے کہ ایسا کرنا ہرگز ثابت نہیں ہے بلکہ یہ ایک بعد کا ایجاد کردہ عمل یا بالفاظِ دیگر بدعت ہے (جیسا کہ تفصیل سے ذکر کیا جاچکا)

اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور صحابۂ کرام کے قول وعمل سے یہ ثابت ہوتا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تشریح کرتے ہوئے محدثین ضرور اس کا تذکرہ کرتے، اور فقہائے کرام بھی اس کے سنت یا مستحب ہونے کو ضرور ذکر کرتے، کیونکہ جو احادیث آج پیش کی جاتی ہیں وہ محدثین کے واسطے سے اور ان کے معانی ومطالب اور مفہوم فقہائے کرام کے واسطے سے ہم تک پہنچے ہیں، کیا ان کے سامنے یہ احادیث اور ان کا مطلب نہیں تھا؟ یا نعوذ باللہ ان کو تو یہ بات سمجھ نہ آئی، اور آج اس عمل کو جائز بلکہ سنت اور اس سے بڑھ کر ضروری قرار دینے والوں کو یہ بات سمجھ آرہی ہے؟

(۳)......مروّجہ قرآن خوانی

سوال:...... آج کل گھروں وغیرہ میں لوگوں کو جمع کر کے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی کی جاتی ہے اور پھر اس کے بعد شرکاء کی کھانے پینے سے ضیافت کی جاتی ہے، اس طرح کی قرآن خوانی کا شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب:...... قرآن مجید کی اخلاص کے ساتھ تلاوت وقرائت کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کرنا درست ہے، لیکن اس تلاوت کے لئے لوگوں کو بلانا اور جمع کرنا ضروری نہیں، بلکہ جس کو جتنی توفیق ہو، قرآن مجید کی تلاوت کر کے اخلاص کے ساتھ ایصالِ ثواب کر دے، اس میں نہ کسی کو ساتھ ملانے کی ضرورت ہے اور نہ کسی کو بتانے کی ضرورت ہے کہ اس نے کیا پڑھا؟ اور نہ ہی قرآن خوانی کے بعد کھانے پینے یا کھلانے پلانے کی ضرورت ہے۔

مگر اس کے برعکس آج کل کی مروجہ قرآن خوانی ایک رسم بن کر رہ گئی ہے، اور اس میں کئی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں۔

اولاً تو مروجہ قرآن خوانی میں جمع ہونے کو ضروری سمجھا جاتا ہے، اور اس غرض کے لئے لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے، جو کہ شریعت سے ثابت نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کرنا ایک نفلی درجہ کی عبادت ہے، جس کے لئے شریعت جمع ہونے کو پسند نہیں کرتی، اور ہر شخص کو اختیار دیتی ہے کہ جب چاہے اور جہاں چاہے اور قرآن مجید کی جونسی سورت اور جونسا حصہ چاہے، اخلاص کے ساتھ پڑھ کر ایصالِ ثواب کر دے۔

پس قرآن خوانی کے لئے جمع ہونے کو ضروری سمجھنا اور اس غرض کے لئے لوگوں کو بلانا اور اکٹھا کرنا منع ہے۔ [1]

---

[1] سوال: سال کے اکثر حصوں میں بزرگوں کی ارواح کے ایصالِ ثواب کے لئے لوگوں کو جمع کر کے بلا کسی خاص انتظام واوقاتِ متعینہ کے قرآن شریف پڑھا جاوے تو جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو اپنے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ:

وَاِتِّخَاذُ الدَّعْوَةِ بِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَجَمْعُ الصُّلَحَاءِ وَالْقُرَّاءِ لِلْخَتْمِ اَوْ لِقِرَاءَةِ سُوْرَةِ الْاَنْعَامِ اَوِ الْاِخْلَاصِ، فَالْحَاصِلُ اَنَّ اِتِّخَاذَ الطَّعَامِ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ لِاَجْلِ الْاَكْلِ يُكْرَهُ (الفتاویٰ البزازية، ج ۱ ص ۳۸، الخامس والعشرون فی الجنائز)

ترجمہ: اور قرآن مجید کی تلاوت وقرائت کے لئے دعوت کرنا اور نیک لوگوں اور قاریوں کا ختم کے لئے، یا سورہ انعام کی یا سورہ اخلاص وغیرہ کی قراءت کے لئے جمع ہونا (بھی مکروہ ہے) اور خلاصہ یہ کہ قرآن مجید کی قراءت کے وقت کھانے کے لئے طعام کا انتظام کرنا مکروہ ہے (فتاویٰ بزازیہ)

پھر جب اس غرض کے لئے جمع ہونا ہی مکروہ ہے، تو میت کے گھر میں آ کر قرآن مجید پڑھنے کو ضروری سمجھنا اور کسی دوسری جگہ پڑھنے کو کافی نہ سمجھنا بدرجۂ اولیٰ منع ہے، جبکہ یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ قرآن مجید جس جگہ رہ کر بھی اخلاص کے ساتھ پڑھا جائے اور اس کا ایصالِ ثواب کیا جائے تو وہ درست ہے، اس میں میت کے گھر کی تخصیص نہیں۔

پھر مروجہ قرآن خوانی کی تقریب میں شرکاء عموماً خوش دلی اور اخلاص کے ساتھ حاضر نہیں ہوتے، بلکہ یا تو دوسرے کی دعوت دینے پر منہ رکھنے کے لئے بادلِ نخواستہ حاضر ہو جاتے ہیں، اور یا پھر فراغت پر جو کھانا پینا وغیرہ پیش کیا جاتا ہے اس کی نیت سے حاضر ہوتے ہیں۔ اور جب اخلاص نہ ہو تو ایصالِ ثواب کے کیا معنیٰ؟

عام طور پر ایسے موقع پر جو کھانا کھلایا جاتا ہے وہ تلاوتِ قرآن کے معاوضے میں کھلایا جاتا ہے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

دوست واحباب کو شمولیت کے لئے کہنا کیسا ہے؟

الجواب: یہ تداعی ہے غیر مقصود کے لئے جو بدعت اور مکروہ ہے (امداد الفتاویٰ ج ۴ صفحہ ۶۰۵ و ۶۰۶)

اما الحفاظ يجتمعون للقراء ةيقرء ون معاللثواب فليس من فعلهم ولا بمروى عنهم (المدخل لابن الحاج، ج ۱ ص ۹۴، فصل فی العالم و كيفية نيته)

تلاوت کے لئے آنے والوں کے ذہن میں بھی یہی ہوتا ہے کہ پڑھنے کے بعد کھانا ملے گا اور بلانے والوں کے ذہن میں بھی یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے کے بعد کچھ نہ کچھ کھلانا پڑے گا۔

جبکہ تلاوتِ قرآن پر معاوضہ لینا درست نہیں خواہ صراحتاً طے کر کے لیا جائے یا رواج ہونے کی وجہ سے صراحتاً طے کئے بغیر لیا جائے (لِاَنَّ الْمَعْرُوْفَ کَالْمَشْرُوْطِ)

حضرت قاسم بن عبدالرحمٰن (تابعی) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لَا يُؤْخَذُ عَلَى الْقُرْآنِ أَجْرٌ(مصنف ابنِ ابی شیبة) [1]

ترجمہ: قرآن مجید پر اجرت نہیں لی جائے گی (ابنِ ابی شیبہ)

حضرت زاذان (تابعی) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ يَأْكُلُ بِهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهُ عَظْمٌ لَيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ(مصنف ابنِ ابی شیبة) [2]

ترجمہ: جو شخص قرآن پڑھے تاکہ اس کی وجہ سے (مال) کھائے، تو قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا چہرہ صرف ہڈی والا (بھیانک شکل میں) ہوگا، اس پر گوشت نہ ہوگا (ابنِ ابی شیبہ) [3]

ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے، جو سند کے لحاظ سے قابلِ اطمینان نہیں ہے۔ [4]

---

[1] رقم الحديث ٧٨٢٢، كتاب الصلاة، باب فى الرجل يقوم بالناس فى رمضان فيعطى.

[2] رقم الحديث ٧٨٢٤، كتاب الصلاة، باب فى الرجل يقوم بالناس فى رمضان فيعطى.

[3] اور قاسم بن سلام کی فضائلِ قرآن میں یہ روایت مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

حدثنا عبد الرحمن ، عن سفيان ، عن واقد مولى يزيد بن خليدة ، عن زاذان ، قال : من قرأ القرآن ليتأكل الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم (فضائل القرآن للقاسم بن سلام رقم الحديث ٢٩٣)

[4] أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، وأبو القاسم بن حبيب المفسر من أصل كتابه، ومحمد بن موسى بن الفضل، قالوا :حدثنا أبو عبد الله محمد بن عبد الله الصفار الأصبهاني، حدثنا أحمد بن ميثم بن أبي نعيم الفضل بن دكين، حدثنا على بن قادمالخزاعى، عن سفيان الثورى، عن علقمة بن مرثد، عن سليمان بن بريدة، عن أبيه،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جولوگ قرآن مجید کو دنیا طلب کرنے کی غرض سے پڑھتے ہیں، ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، چہرے پر گوشت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے اشرف الاشیاء (یعنی سب چیزوں میں اشرف اور عظیم چیز قرآن مجید) کو اس کے مقابلہ میں ذلیل چیز (یعنی دنیا) کمانے کا ذریعہ بنایا تو اشرفُ الاعضاء یعنی چہرہ کو رونق سے محروم کردیا جائے گا۔

پھر مروّجہ قرآن خوانی کے موقع پر، بہت سے شرکاء صرف برائے نام تلاوت کرتے ہیں، نہ ان کی قراءت صحیح ہوتی اور نہ ہی صحیح طریقہ پر قراءت کا اہتمام کرتے ہیں، یہ قرآن مجید کی بے احترامی میں داخل ہے۔

اگر قرآن خوانی کے ساتھ کھانے کو صدقہ کا نام دیا جائے، تو یاد رکھنا چاہئے کہ صدقہ غرباء ومساکین کا حق ہوتا ہے، اور قرآن خوانی کے شرکاء سب مستحق ہوتے نہیں، ان میں امیر بھی ہوتے ہیں جن کو صدقہ نہیں لگتا، اور اگر مستحق بھی ہوں تو پڑھنے والوں کو مروجہ طریقہ پر کھلانا قرآن مجید کی تلاوت کا معاوضہ ہے، جو کہ جائز نہیں۔

یادرکھئے کہ قرآن مجید کی تلاوت الگ عبادت ہے، اور غرباء ومساکین کا تعاون الگ عبادت ہے، ان دونوں کو ایک ساتھ لازم ملزوم کردینا ایک مستقل رسم ہے۔

لہٰذا قرآن خوانی کے عنوان سے ایصالِ ثواب کا مروجہ طریقہ کئی خرابیوں کی وجہ سے قابلِ ترک ہے، اس کے بجائے خود سے جتنی توفیق ہوجائے اتنی تلاوت اور دوسرے کارِ خیر کرکے ایصالِ ثواب کردینا چاہئے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من قرأ القرآن يتأكل به الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم "(شعب الايمان للبيهقى رقم الحديث ۲۳۸۴)

قال المناوى:قال ابن أبى حاتم :لا أصل لهذا من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ابن الجوزى :وفيه على بن قادم ضعفه يحيى وأحمد بن ضبير ضعفه الدارقطنى اه.وأورده الذهبى فى المتروكين وقال :ضعفه ابن معين وكان شيعيا غاليا.(فيض القدير للمناوى تحت حديث رقم ۲۲۸۹)

اور رہا کھانے کا معاملہ تو وہ درحقیقت غرباء ومساکین کا حق ہے، کسی بھی وقت ان کو کھلایا جاسکتا ہے، یا اس کے بجائے نقدی سے ان کا تعاون کیا جاسکتا ہے (جیسا کہ تفصیلاً پہلے گزرا)

(۴)......جمعرات کو ایصالِ ثواب اور ختم

سوال:...... آج کل بہت سے لوگوں نے جمعرات کو مُردوں کے ایصالِ ثواب کے لیے خاص کرلیا ہے، اور یہ عقیدہ بنالیا ہے کہ مُردوں کے ایصالِ ثواب کے لیے شبِ جمعہ کی زیادہ اہمیت وفضیلت ہے، اور اسی وجہ سے مُردوں کے ایصالِ ثواب کے لئے یہ لوگ ہر جمعرات کو کھانا پکا کر مختلف لوگوں کے گھروں میں بھیجتے ہیں، اور اس کھانے پر ختم بھی پڑھاتے ہیں، کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے؟

جواب:...... شریعت کی طرف سے جمعرات کی تخصیص کے ساتھ ایصالِ ثواب کا ثبوت نہیں۔

چہ جائیکہ مختلف ختم وغیرہ کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کے ساتھ پیوندکاری کرکے مزید بدعات بھی ساتھ شامل کی جائیں، مثلاً کھانا سامنے رکھ کر اس پر مختلف قسم کے ختم پڑھوانا، اور کھانے کو خاص کرلینا، اس قسم کی قیدیں اور شرطیں خودساختہ ہیں، دین وشریعت سے ان کا تعلق نہیں، ایسی پابندیوں بلکہ بدعات کی ایصالِ ثواب میں پیوندکاری کرلینے کے بعد ایصالِ ثواب کی روح فوت ہوجاتی ہے، اور ثواب کے بجائے گناہ کا وبال سرآتا ہے۔

جب شریعت نے جمعرات یا کھانے کی تخصیص نہیں کی اور نہ ہی کھانا سامنے رکھ کر اس پر پڑھنے کا حکم دیا تو ان چیزوں اور جمعرات اور کھانے کی تخصیص کے بغیر جب چاہیں صدقہ خیرات اور نوافل وتلاوت وغیرہ کی شکل میں ایصالِ ثواب کی سہولت سے فائدہ اُٹھانا چاہیے، اور ان پابندیوں کو چھوڑ دینا چاہیے (مزید تفصیل کے لئے ہماری دوسری تالیف ''جمعۃ المبارک کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں)

(۵)......فوتگی کے بعد چالیس دن تک کھانا تقسیم کرنا

سوال:...... بعض لوگ کسی کے فوت ہونے کے بعد چالیس دنوں تک لگا تار کھانا تیار کر کے لوگوں کے یہاں بھیجتے ہیں، اوراس کے ذریعہ سے میت کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ چالیس دن تک یہ عمل کرنا میت کے لئے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، کیا اس قسم کا عقیدہ شرعاً ثابت ہے؟

جواب:...... اولاً تو فوتگی کے بعد چالیس دن تک لگا تار کھانا تیار کر کے ایصالِ ثواب کرنے کی تخصیص شریعت سے ثابت نہیں، لہٰذا اس غرض کے لئے اپنی طرف سے چالیس دنوں کو مخصوص کر لینا شریعت پر زیادتی ہے، اور نا جائز ہے۔

دوسرے ایصالِ ثواب کے لئے کھانا مخصوص نہیں ہے (جیسا کہ تفصیل کے ساتھ پیچھے گزر چکا ہے)

تیسرے صدقہ کے اصل مستحق غریب و مسکین لوگ ہیں، امیر وغریب کا امتیاز کئے بغیر ہر کس و ناکس کو یہ کھانا بھیج دینا صدقہ کے مقاصد کے خلاف ہے۔

(۶)......گیارہویں کی رسم اور ایصالِ ثواب

سوال:...... بعض لوگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی یا دوسرے بزرگوں کے نام کی ''گیارہویں شریف'' کے عنوان سے ایک رسم کرتے ہیں، عام طور پر ماہِ ربیع الآخر میں بڑی گیارہویں کی جاتی ہے، اور ہر مہینے چھوٹی گیارہویں کی جاتی ہے، اس گیارہویں کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:...... گیارہویں کی رسم اگر غیرُ اللہ کو نفع نقصان کا مالک سمجھ کر اور اس کو خوش کرنے اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لئے کی جائے، تو یہ خطرناک گناہ ہے جس سے شرک لازم آنے کا ڈر ہے۔

اور اگر یہ عقیدہ نہ ہو بلکہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ یا کسی اور بزرگ کی روح کو ثواب پہنچانا مقصود ہو تو بلاشبہ یہ مقصد مبارک ہے۔

لیکن شرعی نقطۂ نظر سے ثواب تو جب بھی پہنچایا جائے، پہنچ جاتا ہے۔

شریعت نے اس کے لئے کوئی دن اور وقت مقرر نہیں فرمایا، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اور اسی طرح شریعت نے ایصالِ ثواب کے لیے کھانے کی بھی تخصیص نہیں کی، اور اگر کوئی اخلاص کے ساتھ صرف غرباء کے لیے کھانا تیار کرے، تو ضروری نہیں کہ ہر جگہ کسی مخصوص تاریخ میں ہی غریبوں کو کھانے کی ضرورت پیش آتی ہو، یا ہمیشہ اس تاریخ میں لوگ ایک دن کے لئے غریب ہو جاتے ہوں۔

الغرض صحیح عقیدہ کے ساتھ ایصالِ ثواب کے لئے گیارہویں تاریخ کا التزام کرنا ایک فضول حرکت ہے، جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، اور اس کو ضروری سمجھ لینا اللہ اور رسول کے مقابلے میں اپنی بات کو ترجیح دینے کی وجہ سے اور بھی خطرناک ہے۔

گیارہویں کو جائز قرار دینے والے حضرات کی طرف سے ایک دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ ولادت یا وفات کے دن میں ایصالِ ثواب کیا جائے تو اس کا ثواب زیادہ ہوتا ہے۔

لیکن یہ دعویٰ اور عقیدہ خود ساختہ ہے، قرآن وسنت کے معتبر دلائل سے ثابت نہیں، اگر یہ بات ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام، اولیائے کرام وغیرہ کے یومِ ولادت اور یومِ وفات اس غرض کے لئے خصوصیت کے ساتھ محفوظ رکھے جاتے اور ان میں کوئی اختلاف نہ ہوتا، اور ان سب حضرات کے لئے بھی ایصالِ ثواب کے لئے ان دنوں کو متعین کیا جاتا، اور یہ بات ثابت نہیں ہے (تفصیل کے لئے ہماری دوسری تالیف ''ماہِ ربیع الآخر'' ملاحظہ فرمائیں)

(۷)...... بارہ ربیع الاول کو نبی ﷺ کے لئے ایصالِ ثواب

سوال:...... بعض لوگ خاص بارہ ربیع الاول کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایصالِ ثواب

کا اہتمام کرتے ہیں، اس دن بڑے اہتمام کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قرآن خوانی کرتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے مختلف ختم پڑھواتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی دیگیں اُتارتے ہیں، ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

جــــواب:...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب کرنا بہت بابرکت عمل ہے، جس کو اپنی سعادت سمجھ کر اخلاص کے ساتھ بغیر کسی رسم اور اپنی طرف سے کسی وقت کی تخصیص کا عقیدہ رکھے بغیر اختیار کرتے رہنا چاہئے، لیکن یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ شریعت کی طرف سے ایصالِ ثواب کے لئے کوئی دن مخصوص نہیں، تو اپنی طرف سے ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصالِ ثواب کے لئے خاص کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام سے اس دن کی تخصیص کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب کرنا ثابت نہیں اور نہ ہی حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں خاص بارہ ربیع الاول کی تاریخ میں ایصالِ ثواب کے اہتمام کا کوئی وجود تھا کہ اس کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت اور طریقہ کا درجہ دیا جائے۔

جہاں تک مروجہ قرآن خوانی کا تعلق ہے، تو یہ بھی ایک رسمِ محض بن کر رہ گئی ہے، اور اس میں کئی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔

اسی طرح مروَّجہ ختم جس میں کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھا پڑھایا جاتا ہے، وہ بھی خلافِ شریعت عمل ہے، اور ان دونوں کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

(تفصیل کے لئے ہماری کتب ''ماہِ ربیع الاول کے فضائل واحکام'' اور ''ماہِ ربیع الآخر'' ملاحظہ فرمائیں)

(۸)......محرم میں شہدائے کربلا کے لئے ایصالِ ثواب

ســوال:...... بہت سے لوگ آج کل ماہِ محرم اور خاص کر دس محرم میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ یا شہدائے کربلا کے لئے ایصالِ ثواب کرتے ہیں، اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: ...... جو لوگ محرم یا خاص دس محرم کی تاریخ میں کھانا تیار کر کے صدقہ، خیرات اور قرآن خوانی وغیرہ کرا کرا اپنے مُردوں یا کربلا کے شہداء کے لئے ایصالِ ثواب کرتے ہیں، اِن کو سمجھ لینا چاہئے کہ:

اولاً تو ایصالِ ثواب کے لئے اس دن کی تخصیص کا ہی کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا محرم یا دس محرم کی تاریخ متعین کر کے شریعت پر اپنی طرف سے زیادتی کرنا گناہ ہے۔

دوسرے آج کل ایصالِ ثواب کے یہ مروجہ طریقے بھی خواہ مخواہ کی رسم بن گئے ہیں، جن کی وجہ سے سرِے سے ثواب ہی نہیں ملتا، الٹا گناہ ہوتا ہے، چنانچہ آج کل کی مروجہ قرآن خوانی اور ختم وغیرہ میں کئی خرابیاں جمع ہیں (جن کا پہلے ذکر ہو چکا) لہٰذا خاص دس محرم کو کسی بھی طریقہ سے ایصالِ ثواب کی تخصیص کرنا منع ہے۔

جہاں تک کربلا کے شہداء اور اپنے فوت شدہ اقرباء وغیرہ کے حق میں ایصالِ ثواب کا تعلق ہے تو وہ شرعی اصولوں کا لحاظ کرتے ہوئے دوسرے دنوں میں بھی ہو سکتا ہے، جس میں نہ مروجہ قرآن خوانی کی ضرورت، اور نہ ہی کسی کو کھانا کھلانے کی پابندی، بلکہ خاموشی کے ساتھ غریبوں کا پیسوں وغیرہ کی شکل میں اخلاص کے ساتھ تعاون کر دیا جائے، اخلاص کے ساتھ کچھ پڑھ کر خواہ قرآن مجید، کوئی تسبیح یا درود شریف اور نوافل وغیرہ کے ذریعہ سے ایصالِ ثواب کر دیا جائے، یہ کافی بلکہ زیادہ مفید ہے (کذا فی امداد الفتاویٰ ج۵ ص۳۰۱، امداد المفتیین ۱۷۴)

(تفصیل کے لئے ہماری دوسری تالیف "ماہِ محرم کے فضائل واحکام" ملاحظہ فرمائیں)

(۹)......شبِ برأت اور ایصالِ ثواب

سوال: ...... بعض لوگ شبِ برأت میں اپنے مُردوں کے لئے ایصالِ ثواب کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں، اس بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

جواب: ...... جو لوگ شبِ برأت میں مختلف طریقوں سے ایصالِ ثواب کا اہتمام کرتے

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

ہیں اور اس کو انہوں نے ایصالِ ثواب کے اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت دی ہوئی ہے، بلکہ یہ سمجھا ہوا ہے کہ شبِ برأت میں اگر مُردوں کو ایصالِ ثواب کیا جائے تو ان کی یقینی طور پر بخشش ہوجاتی ہے۔

چنانچہ مختلف طرح سے کھانے پکا کر اور بہت سی جگہ دیگیں اتروا کر ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اور ایک دعوت کا سماں ہوجاتا ہے جس میں صرف غریبوں کو کھلانے اور دینے کا بھی خیال نہیں کیا جاتا اور آج کل ایصالِ ثواب کے نام سے جو مختلف بدعات ورسومات معاشرے میں پھیلی ہوئی ہیں وہ کسی عقل مند سے ڈھکی چھپی نہیں، اور اسی سوچ کا نتیجہ ہے کہ شبِ برأت میں ایصالِ ثواب کا نام دے کر لوگوں نے بے شمار ایسی چیزیں ایجاد کرلی ہیں کہ جن کا شبِ برأت تو کُجا شریعت سے بھی دور کا تعلق نہیں، لہٰذا شبِ برأت کی تخصیص کے ساتھ ایصالِ ثواب یا ختم وغیرہ کے عنوان سے کوئی اور رسم کرنا صحیح نہیں۔

البتہ کسی رسم واجتماع کی پابندی کے بغیر شبِ برأت میں اخلاص کے ساتھ مُردوں کی مغفرت وبخشش کی دعا کرنا احادیث سے ثابت ہے (تفصیل کے لئے ہماری دوسری کتاب ''شعبان اور شبِ برأت کے فضائل واحکام'' ملاحظہ فرمائیں)

(۱۰)......پہلی عید پر فوتگی والے گھر جانے کی رسم

سوال:...... آج کل بعض لوگوں میں رسم ہے کہ جب کسی کے ہاں فوتگی ہوجاتی ہے تو پہلی مرتبہ جب عید یا بقرعید آتی ہے تو میت کے گھر والوں کے ہاں جا کر تعزیت، دعا وایصالِ ثواب کرتے ہیں، اس بارے میں شریعت کی رائے کیا ہے؟

جواب:...... پہلی عید پر فوتگی والے گھر میں جانے کو ضروری سمجھنا، اور وہاں جا کر تعزیت اور افسوس کا اظہار ودعا کرنا (جبکہ فوتگی کو کافی عرصہ گزر چکا ہوتا ہے اور اپنے موقع پر تعزیت کی سنت بھی ادا کی جاچکی ہوتی ہے) اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں۔

تعزیت تو خود ہی ایک مرتبہ کرنا سنت ہے اور وہ بھی تین دن کے اندر اندر کرنا چاہئے (اِلَّا یہ کہ کوئی مجبوری ہو) اور اس میں بھی افسوس کا اظہار کرنا کوئی کارِ ثواب نہیں۔

اس رسم کا نتیجہ یہ ہے کہ عید کا دن جو کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے خوشی کا دن ہے اور اس دن لوگ اللہ کے مہمان ہوتے ہیں غم دوبالا اور تازہ کر کے عید کی اس خوشی کو غمی سے تبدیل کر دیا جاتا ہے۔

لہٰذا فوتگی کے بعد پہلی عید پر میت کے یہاں دعا وغیرہ کے لئے جانے کی اس رسم کو اختیار نہیں کرنا چاہئے۔

(۱۱)......جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر و نعت خوانی وغیرہ

سوال:...... بعض لوگ قبرستان کی طرف جنازہ لے جاتے وقت جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے کلمۂ شہادت وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں، یا مختلف نعتیہ ومنظومہ اشعار پڑھتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ اس سے میت کو فائدہ ہوتا ہے، اس بارے شریعت کا حکم کیا ہے؟

جواب:...... جنازہ لے جاتے وقت ساتھ چلنے والوں کو بلند آواز سے کلمہ یا اشعار وغیرہ پڑھنا جائز نہیں؛ بلکہ گناہ ہے، اور اس سے میت کو ثواب وفائدہ نہیں ہوتا؛ البتہ خاموشی کے ساتھ دل ہی دل میں ذکر کیا جا سکتا ہے۔

حضرت قیس بن عباس سے روایت ہے کہ:

كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُوْنَ رَفْعَ الصَّوْتِ عِنْدَ ثَلَاثٍ : عِنْدَالْقِتَالِ وَعِنْدَالْجَنَائِزِ وَعِنْدَالذِّكْرِ (مصنف ابن ابی شیبۃ) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام تین جگہوں میں بلند آواز کو مکروہ

---

[1] رقم الحدیث ۱۱۳۱۳، کتاب الجنائز، باب فی رفع الصوت فی الجنازۃ، واللفظ لہٗ، سنن البیہقی، رقم الحدیث ۷۱۸۲، الاوسط لابن المنذر، رقم الحدیث ۳۰۵۶۔

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

سمجھتے تھے (ایک) قتال کے وقت (دوسرے) جنازوں کے وقت اور (تیسرے) ذکر کے وقت (ابنِ ابی شیبہ)

علامہ ابنِ ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَيُكْرَهُ لِمَشِيْعِهَا رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَالْقِرَاءَةِ، وَيَذْكُرُ فِيْ نَفْسِهٖ

(فتح القدير، ج ۲ ص ۱۳۶، باب الجنائز، فصل فی حمل الجنازة)

ترجمہ: اور جنازے کے ساتھ چلنے والے کے لیے بلند آواز سے ذکر اور قراءت کرنا مکروہ ہے، البتہ اپنے دل ہی دل میں ذکر کرلے (فتح القدیر)

اور علامہ ابنِ نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَيَنْبَغِيْ لِمَنْ تَبِعَ جَنَازَةً أَنْ يُّطِيْلَ الصَّمْتَ وَيُكْرَهُ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَغَيْرِهِمَا فِي الْجَنَازَةِ وَالْكَرَاهَةُ فِيْهَا كَرَاهَةُ تَحْرِيْمٍ (البحر الرائق) [1]

ترجمہ: اور جنازے کے ساتھ چلنے والے کے لیے مناسب ہے کہ وہ لمبی خاموشی اختیار کرے، اور بلند آواز سے ذکر اور قرآن مجید کی قراءت وغیرہ جنازے میں کرنا مکروہ ہے، اور اس میں کراہت تحریمی ہے (بحر)

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ:

وَعَلٰى مُتَّبِعِي الْجَنَازَةِ الصَّمْتُ وَيُكْرَهُ لَهُمْ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ، كَذَا فِيْ شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ، فَإِنْ أَرَادَ أَنْ يَّذْكُرَ اللهَ يَذْكُرُهٗ فِيْ نَفْسِهٖ، كَذَا فِيْ فَتَاوٰى قَاضِيْ خَانْ (الفتاوىٰ الهندية) [2]

ترجمہ: اور جنازے کے ساتھ چلنے والے پر خاموشی واجب ہے، اور ان لوگوں کا

---

[1] ج ۲ ص ۲۰۷، کتاب الجنائز، فصل الصلاة على الميت في المسجد.

[2] کتاب الصلاة، ج ۱ ص ۱۶۲، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الرابع فی حمل الجنازة.

بلند آواز سے ذکر کرنا، قرآن مجید کی قراءت کرنا مکروہ ہے، طحاوی کی شرح میں اسی طرح ہے، اور اگر کوئی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہے تو اپنے دل ہی دل میں کرلے؛ فتاویٰ قاضی خان میں اسی طرح ہے (فتاویٰ ہندیہ)

اورعلامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لَایُسْتَحَبُّ رَفْعُ الصَّوْتِ مَعَ الْجَنَازَةِ، لَابِقَرَاءَ ةٍ وَلَا ذِكْرٍ، وَلَا غَيْرِ ذَالِكَ هٰذَا مَذْهَبُ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ، وَهُوَ الْمَأْثُوْرُ عَنِ السَّلْفِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ، وَلَا أَعْلَمُ فِيْهِ مُخَالِفًا (الفتاوىٰ الكبرىٰ، ج۳ ص ۲۲، كتاب الجنائز، رفع الصوت فى الجنازة)

ترجمہ: جنازے کے ساتھ بلند آواز سے قراءت اور ذکر اور اس کے علاوہ کچھ اور کرنا مستحب نہیں ہے، چاروں فقہاء کا یہی مذہب ہے، اور سلف سے اسی طرح منقول ہے، صحابہ سے بھی اور تابعین سے بھی، اور مجھے اس میں کسی مخالف کا علم نہیں (فتاویٰ کبریٰ)

ولید بن راشد سعیدان اپنی کتاب مسائل الاجماع میں فرماتے ہیں کہ:

وَأَجْمَعُوْا عَلٰى أَنَّهُ لَايُسْتَحَبُّ رَفْعُ الصَّوْتِ مَعَ الْجَنَازَةِ لَا بِقَرَاءَ ةٍ وَلَا بِذِكْرٍ وَلَاغَيْرِ ذٰلِكَ (مسائل الاجماع، جزء ۱ صفحه ۲۶)

ترجمہ: فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جنازے کے ساتھ بلند آواز سے قراءت اور ذکر اور اس کے علاوہ کچھ اور کرنا مستحب نہیں (مسائل الاجماع)

(۱۲)......قبر پر اذان

سوال:...... آج کل بعض لوگ میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دیتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے میت کو فائدہ ہوتا ہے؛ اس سلسلہ میں شریعت کا حکم کیا ہے؟

جواب:...... قبر پر دفن کے بعد اذان دینا شرعاً ثابت نہیں، اور فقہاء نے اس کو بدعت قرار دیا ہے۔

چنانچہ ردالمحتار میں ہے کہ:

لَایَسُنُّ الْأَذَانُ عِنْدَ إِدْخَالِ الْمَيِّتِ فِيْ قَبْرِهٖ كَمَا هُوَ الْمُعْتَادُ الْآنَ، وَقَدْ صَرَّحَ ابْنُ حَجَرٍ فِيْ فَتَاوَيْهِ بِأَنَّهٗ بِدْعَةٌ. وَقَالَ: وَمَنْ ظَنَّ أَنَّهٗ سُنَّةٌ قِيَاسًا عَلٰى نَدْبِهِمَا لِلْمَوْلُوْدِ إِلْحَاقًا لِخَاتِمَةِ الْأَمْرِ بِابْتِدَائِهٖ فَلَمْ يُصِبْ

(ردالمحتار، ج۲ ص ۲۳۵، باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن المیت)

ترجمہ: میت کو قبر میں دفن کرتے وقت اذان دینا جیسا کہ آج کل رواج ہوگیا ہے، سنت سے ثابت نہیں ہے؛ اور ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی وضاحت کی ہے کہ قبر پر اذان دینا بدعت ہے، اور فرمایا کہ جس نے اس کے سنت ہونے کا گمان کیا ہے، نومولود بچے کے لیے مستحب ہونے پر قیاس کرتے ہوئے تاکہ انسان کا خاتمہ اُس کی ابتداء کی طرح ہو، تو اس نے یہ غلط قیاس کیا ہے

(ردالمحتار)

(۱۳)......کفن پر قرآنی آیات یا متبرک کلمات لکھنا

سوال:...... بعض لوگ میت کے کفن پر قرآنی آیات، کلمۂ طیبہ یا دیگر متبرک کلمات لکھتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ یہ عمل میت کے لئے مفید اور باعثِ برکت ہوتا ہے، کیا یہ طرزِ عمل اور عقیدہ شریعت کی نظر میں درست ہے؟

جواب:...... میت کے کفن پر قرآنی آیات یا متبرک کلمات کا لکھنا شرعاً کسی مستند ذریعہ سے ثابت نہیں، لہٰذا یہ طرزِ عمل درست نہیں ہے۔

اور اس عمل میں قرآنی آیات، کلمۂ طیبہ اور متبرک کلمات کی بے احترامی بھی لازم آتی ہے،

کیونکہ قبر میں میت کے جسم سے خون اور دیگر نجاست نکل کر کفن اور ان آیات و متبرک کلمات پر لگنے کا خطرہ ہوتا ہے۔

البتہ اگر روشنائی کے بغیر خالی انگلی وغیرہ سے لکھا جائے، جس کا نشان ظاہر نہ ہو، تو بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے (کیونکہ نشان موجود نہ ہونے کی وجہ سے بے ادبی کا خطرہ نہیں رہتا)

چنانچہ فتاویٰ فقہیۃ کبریٰ میں ہے کہ:

لَیْسَ ذٰلِکَ بِصَحِیْحٍ وَلاَ مُعْتَمَدٍ فَقَدْ أَفْتَی الْإِمَامُ ابْنُ الصَّلاَحِ بِأَنَّهٗ لاَیَجُوْزُ کِتَابَةُ شَیْءٍ مِّنَ الْقُرْآنِ عَلَی الْکَفَنِ صِیَانَةً لَهٗ عَنْ صَدِیْدِ الْمَوْتٰی وَمِثْلُ ذٰلِکَ الْکِتَابُ الَّذِیْ یُسَمُّوْنَهٗ کِتَابَ الْعُهْدَةِ یَنْبَغِیْ أَنْ لَّایَجُوْزَ وَأَقَرَّ ابْنُ الصَّلاَحِ عَلٰی ذٰلِکَ الْأَئِمَّةُ بَعْدَهٗ وَهُوَ ظَاهِرُ الْمَعْنٰی جِدًّا فَإِنَّ الْقُرْآنَ وَکُلَّ اِسْمٍ مُعَظَّمٍ کَاسْمِ اللّٰہِ أَوْ اسْمِ نَبِیٍّ لَهٗ یَجِبُ اِحْتِرَامُهٗ وَ تَوْقِیْرُهٗ وَتَعْظِیْمُهٗ وَلاَ شَکَّ أَنَّ کِتَابَتَهٗ وَجَعْلَهٗ فِیْ کَفَنِ الْمَیِّتِ فِیْهِ غَایَةُ الْإِهَانَةِ لَهٗ إِذْ لاَ إِهَانَةَ کَالْإِهَانَةِ بِالتَّنْجِیْسِ وَنَحْنُ نَعْلَمُ بِالضَّرُوْرَةِ أَنَّ مَافِیْ کَفَنِ الْمَیِّتِ لاَ بُدَّ وَأَنْ یُصِیْبَهٗ بَعْضُ دَمِهٖ أَوْ صَدِیْدِهٖ أَوْ غَیْرِهِمَا مِنَ الْأَعْیَانِ النَّجِسَةِ الَّتِیْ بِجَوْفِهٖ فَکَانَ تَحْرِیْمُ وَضْعِ مَاکُتِبَ فِیْهِ اِسْمٌ مُعَظَّمٌ فِیْ کَفَنِ الْمَیِّتِ مِمَّا لاَ یَنْبَغِی التَّوَقُّفُ فِیْهِ (الفتاویٰ الفقهیة الکبریٰ، ج۲ ص ٦، کتاب الصلاة، باب الجنائز)

ترجمہ: یہ طرزِ عمل صحیح اور قابلِ اعتماد نہیں، امام ابنِ صلاح نے اس بات کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے، کہ کفن پر قرآن مجید کا کوئی حصہ لکھا جائے، تاکہ مُردہ کے جسم سے نکلنے والے گندے پانی وغیرہ سے حفاظت رہے، اور اسی طرح لوگوں میں عہد نامے کے نام سے جو لکھ کر قبر میں رکھنے کا رواج ہے، وہ بھی جائز نہیں۔

اور ابنِ صلاح نے اس پر بعد کے ائمہ کے موقف کا اقرار کیا ہے، اور اس کے ناجائز ہونے کی حقیقت بالکل واضح ہے، اس لئے کہ قرآن مجید اور ہر قابلِ عظمت نام جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا نام یا نبی کا نام، ان کا احترام اور تعظیم وتوقیر واجب ہے، اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان چیزوں کے میت کے کفن میں لکھنے میں انتہائی درجہ کی اہانت وبے احترامی پائی جاتی ہے، کیونکہ بے احترامی اور اہانت صرف اسی طرح نہیں ہوتی کہ نجاست لگادی جائے، اور ہمیں یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ کفن میں لکھی ہوئی چیز پر میت کے خون، پیپ وغیرہ جو اس کے پیٹ میں نجس وناپاک چیزیں ہوتی ہیں، وہ کفن پر ضرور لگتی ہیں، پس میت کے کفن پر جو قابلِ عظمت نام لکھے جاتے ہیں یا کفن کے ساتھ کسی دوسری چیز پر لکھے جاتے ہیں، ان کے حرام ہونے میں کوئی توقف نہیں ہونا چاہئے (فتاویٰ فقہیہ کبریٰ) [1]

اور ردالمحتار میں ہے کہ:

فَالْمَنْعُ هُنَا بِالْاَوْلٰی مَالَمْ يَثْبُتْ عَنِ الْمُجْتَهِدِ اَوْ يُنْقَلْ فِيْهِ حَدِيْثٌ ثَابِتٌ فَتَأَمَّلْ، نَعَمْ نَقَلَ بَعْضُ الْمُحَشِّيْنَ عَنْ فَوَائِدِ الشَّرْجِيِّ اَنَّ مِمَّا يُكْتَبُ عَلٰی جَبْهَةِ الْمَيِّتِ بِغَيْرِ مِدَادٍ بِالْاُصْبُعِ الْمُسَبِّحَةِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، وَعَلَى الصَّدْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَذَالِكَ بَعْدَ الْغُسْلِ قَبْلَ التَّكْفِيْنِ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ (ردالمحتار ج۲ ص۲۴۷، باب صلاة الجنازة، مطلب فی وضع الجريد ونحو الآس على القبور)

---

[1] وقد افتى ابن الصلاح بانه لايجوز ان يكتب على الكفن يس والكهف ونحوهما خوفا من صديد الميت وسيلان مافيه وقياسه على مافى نعم الصدقه ممنوع لان القصد ثم التمييز لا التبرک وهنا القصد التبرک فالاسماء المعظمة باقية على حالها فلا يجوز تعريضها للنجاسة والقول بانه قيل يطلب فعله الخ مردود لان مثل ذالک لا يحتج به وانما كانت تظهر الحجة لو صح عن النبى صلى الله عليه وسلم طلب ذالک وليس كذالک (الفتاوىٰ الفقهية الكبرىٰ، ج۲ ص۱۲، ۱۳، كتاب الصلاة، باب الجنائز)

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

ترجمہ: پس یہاں (یعنی کفن پر مبارک کلمات لکھنے میں) بدرجۂ اولیٰ ممانعت ہونی چاہئے، جبکہ مجتہد سے اس کا ثبوت نہ ہو، یا اس بارے میں کوئی صحیح حدیث منقول نہ ہو (اور ایسا کوئی ثبوت نہیں) آپ اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔

ہاں فوائدِ شرجی سے بعض حاشیہ نگاروں نے نقل کیا ہے کہ میت کے چہرے میں بغیر روشنائی کے انگشتِ شہادت سے مثلاً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی جائے اور سینہ پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا جائے، اور یہ عمل میت کو غسل دینے کے بعد اور کفن پہنانے سے پہلے کیا جائے، تو اس کی گنجائش ہے، واللہ اعلم (ردالمحتار)

(۱۴)......جنازہ کے بعد مروّجہ دعاء

سوال: ...... آج کل بعض لوگوں میں رواج ہے کہ نمازِ جنازہ سے فارغ ہوکر سب لوگ اکھٹے ہوکر فوراً اجتماعی انداز میں دعا کا اہتمام والتزام کرتے ہیں، اور اگر کوئی اس دعا میں شریک نہ ہو تو اس کو بہت معیوب سمجھتے ہیں، شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: ...... اجتماعی شکل میں میت کے لئے دعا کرنے کا طریقہ شریعت نے نمازِ جنازہ کی صورت میں مقرر کردیا ہے، اور نمازِ جنازہ درحقیقت میت کے لئے دعا ہے، اور دعا ہونے کی وجہ سے ہی سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد ثناء اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھا جاتا ہے۔

کیونکہ دعا کے آداب میں سے یہی ہے، کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی جائے پھر درود شریف پڑھا جائے اور اس کے بعد دعا کی جائے۔

اور اس کو نماز صرف اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں نماز کی طرح بعض چیزیں شرط ہیں، مثلاً جنازہ پڑھنے والے کے جسم اور لباس کا پاک ہونا، اور جگہ کا پاک ہونا وغیرہ۔

اور اسی وجہ سے نمازِ جنازہ میں نہ رکوع ہے، نہ سجدہ اور نہ قرأت۔

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

اور نمازِ جنازہ کی مکمل تفصیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے قول وفعل سے ثابت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نیز تابعین وتبع تابعین نے ہزاروں جنازے پڑھے اور پڑھائے۔

مگر ان سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے نمازِ جنازہ سے فارغ ہونے کے فوراً بعد اجتماعی انداز میں دعا مانگی ہو، اور حضراتِ فقہائے کرام نے بھی جنازہ سے فارغ ہوکر مروجہ دعا کو مکروہ وبدعت قرار دیا ہے۔

چنانچہ امام کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لِاَنَّ صَلَاۃَ الْجَنَازَۃِ دُعَاءٌ لِّلْمَیِّتِ وَالسُّنَّۃُ فِی الدُّعَاءِ اَنْ یُّقَدِّمَ الْحَمْدَ ثُمَّ الصَّلَاۃَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ الدُّعَاءَ بَعْدَ ذَالِکَ لِیَکُوْنَ اَرْجٰی اَنْ یُّسْتَجَابَ (بدائع الصنائع، ج ا ص ۳۱۳، کتاب الصلاۃ، فصل فی بیان کیفیۃ الصلاۃ)

ترجمہ: (پہلی تکبیر کے بعد حمد وثنا، دوسری تکبیر کے بعد درود شریف اور تیسری تکبیر کے بعد دعا) اس لئے ہے کہ نمازِ جنازہ میت کے لئے دعا ہے اور دعا میں سنت یہ ہے، کہ پہلے حمد وثنا کی جائے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا جائے پھر اس کے بعد دعا کی جائے تاکہ دعا کی قبولیت بڑھ جائے (بدائع)

مرقاۃ شرح مشکاۃ میں ہے کہ:

وَلَا یَدْعُوْ لِلْمَیِّتِ بَعْدَ صَلَاۃِ الْجَنَازَۃِ لِاَنَّہٗ یُشْبِہُ الزِّیَادَۃَ فِیْ صَلَاۃِ الْجَنَازَۃِ (مرقاۃ المفاتیح، ج۳ص ۱۲۱۳، کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازۃ والصلاۃ علیہا)

ترجمہ: نمازِ جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا نہ کرے، کیونکہ یہ نمازِ جناز میں زیادتی کے مشابہ ہے (مرقاۃ)

امام طاہر بن احمد بخاری حنفی فرماتے ہیں کہ:

لَایَقُوْمُ الدُّعَاءُ فِیْ قِرَاءَ ةِ الْقُرْآنِ لِاَجْلِ الْمَیِّتِ بَعْدَ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ وَقَبْلَهَا (خلاصة الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۲۵)

ترجمہ: نمازِ جنازہ کے بعد اور اسی طرح اس سے پہلے میت کے لئے قرآن پڑھ کر دعا نہیں ہے (خلاصہ)

اور امام حافظ الدین محمد بن شہاب کردری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لَایَقُوْمُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ لِاَنَّهٗ دَعَامَرَّةً (فتاویٰ بزازیة ج ۱ ص ۲۸۳)

ترجمہ: نمازِ جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ ٹھہرے، کیونکہ اس نے ایک مرتبہ دعا کرلی ہے (یعنی نمازِ جنازہ کے اندر) (بزازیہ)

اور علامہ ابنِ نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

لَایَدْعُوْا بَعْدَالتَّسْلِیْمِ (البحر الرائق، ج ۱ ص ۱۲۵، ج ۲ ص ۱۹۷، کتاب الجنائز)

ترجمہ: (نمازِ جنازہ کے) سلام پھیرلینے کے بعد دعا نہ کرے (بحر)

(۱۵)......حیلۂ اسقاط یا دور کا شرعی حکم

سوال:...... بعض دیہات وگاؤں کے علاقوں میں جب کوئی فوت ہوجاتا ہے، تو جنازہ پڑھنے کے بعد جنازہ کی چارپائی درمیان میں رکھ کر اور اس کے گرد دائرہ بنا کر حیلۂ اسقاط یا دور کے نام سے ایک عمل کیا جاتا ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب:...... حیلۂ اسقاط کا جو طریقہ آج کل بعض علاقوں میں چلا ہوا ہے کہ جو شخص فوت ہوتا ہے اس کے جنازے کے فوراً بعد چند افراد جنازہ کی چارپائی کے ارد گرد بیٹھ کر کچھ رقم آپس میں رسمی طور پر گھما پھرا لیتے ہیں، اور اس کو جنازے کا لازمی حصہ سمجھا جاتا ہے، خواہ

فوت ہونے والا نماز کا پابند اور نیک یا نابالغ بچہ ہی ہو۔

اس مروّجہ حیلے کا قرآن، حدیث، فقہ اور خیر القرون کے دَور میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

اس لیے اس مروّجہ طریقے کو علماء نے بدعت اور ناجائز قرار دیا ہے، لہٰذا اس طرزِ عمل سے بچنا چاہئے۔

ہاں اگر کوئی فوت ہونے والا وصیت کر جائے کہ میرے روزوں وغیرہ کا فدیہ ادا کر دیا جائے اور اس کے ترکے کے تیسرے حصے تک ذمہ میں قضا شدہ روزوں وغیرہ کا فدیہ ادا نہ ہو سکتا ہو، تو ایسی مجبوری کی صورت میں فقہائے کرام نے یہ تدبیر بتلائی ہے کہ مرحوم کے، روزوں وغیرہ کا حساب لگا کر فدیہ کی رقم کا اندازہ لگا لیا جائے، پھر جتنی رقم ترکہ کے تیسرے حصے تک نکل سکتی ہو، وہ کسی فقیر (مستحقِ زکاۃ) کو فدیہ کے طور پر دے دی جائے، پھر اس سے کہا جائے کہ یہ رقم تو ہم کو ہبہ کر دے جب وہ اپنی خوشی سے ہبہ کر دے، تو پھر اسی کو فدیہ کہہ کر دے دی جائے، پھر اس سے بطور ہبہ کے مانگ لی جائے؛ اسی طرح کرتے رہیں، یہاں تک کہ فدیہ کی مکمل مقدار پوری ہو جائے۔

لیکن اس تدبیر کے درست ہونے کے لیے مندرجہ ذیل چند شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

(الف)...... رسم رواج کے طور پر یہ کام نہ کیا جائے بلکہ جہاں واقعی درجے میں ضرورت ہو، صرف وہاں اس تدبیر کو اختیار کیا جائے۔

(ب)...... مرحوم کی کے روزوں وغیرہ کا صحیح حساب کر کے رقم طے کی جائے، جتنی رقم کا رواج چلا ہوا ہے، آنکھیں بند کر کے اسی کو اختیار کر لینا رسمی حیلہ کرنے کا قرینہ ہے۔

(ج)...... مرحوم نے روزوں وغیرہ کے فدیہ دینے کی وصیت کی ہو اور ترکہ کے تہائی حصے تک مرحوم کے روزوں وغیرہ کا فدیہ ادا نہ ہو سکتا ہو، تب مجبوری کی صورت میں یہ تدبیر اختیار کی جائے؛ لہٰذا اگر مرحوم نے وصیت نہیں کی یا وصیت کی ہے لیکن

ترکہ کے تیسرے حصے تک فدیہ ادا ہوسکتا ہے، تو اس تدبیر کی ضرورت نہیں۔

(د)...... جنازہ کے فوراً بعد اور لوگوں کے سامنے اس تدبیر کو کرنا ضروری نہیں، نیز جنازہ کے بعد اس عمل سے دفن میں تاخیر ہوتی ہے، اس لیے دفن سے فراغت کے بعد کسی یکسوئی اور تنہائی میں اس عمل کو کرنا چاہیے۔

(ھـ)...... جس فقیر کو فدیہ کی رقم دی جائے، اس کو اس رقم کا حقیقی طور پر مالک ومختار بنا دیا جائے کہ جو چاہے کرے، ایسا نہ ہو کہ ایک ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ میں دینے کا صرف ایک کھیل کیا جائے، جیسا کہ عموماً آج کل اس حیلہ میں کیا جاتا ہے کہ نہ دینے والے کا یہ قصد ہوتا ہے کہ جس کو وہ دے رہا ہے وہ صحیح معنیٰ میں اس کا مالک ومختار ہے، اور نہ لینے والے کا یہ خیال ہوتا ہے کہ جو رقم میرے ہاتھ میں دی گئی ہے، میں اس کا مالک ومختار ہوں۔

(و)...... پھر وہ فقیر اپنی خوشدلی سے رقم بطور ہدیہ کے واپس کرے، رقم واپس کرنے پر اپنے آپ کو مجبور نہ سمجھے۔

اگر ان شرائط کا لحاظ نہ رکھا جائے جیسا کہ آج کل عموماً ان کا خیال نہیں کیا جاتا، تو پھر وہ حیلہ ناجائز ہوگا۔

الغرض اس حیلہ کی ابتدائی بنیاد ممکن ہے کہ کچھ صحیح اور شرعی قواعد کے مطابق ہو، لیکن جس طرح رواج اور التزام آج کل چل گیا ہے، وہ بلاشبہ ناجائز اور بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے، جن میں سے چند مفاسد مندرجہ ذیل ہیں:

(ا)...... بہت سی جگہ اس موقع پر جو قرآن مجید اور نقد روپیہ وغیرہ رکھا جاتا ہے وہ میت کے متروکہ مال میں سے ہوتا ہے، اور میت کے وارثوں میں سے بعض اس موقع پر موجود نہیں ہوتے یا نابالغ ہوتے ہیں، تو ان کے مشترکہ سرمایہ کو بغیر ان کی اجازت کے استعمال کرنا جائز نہیں، حدیث شریف میں ہے کہ: کسی مسلمان کا مال

دوسرے کے لئے اس کی طیبِ خاطر اور دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں۔ [1]

اور نابالغ اگر اجازت دے بھی دے تو وہ شرعاً معتبر نہیں، اور نابالغ کے ولی کو ایسے مواقع میں نابالغ کے مال کو استعمال کرنے کی اجازت دینے کا اختیار نہیں، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا.

(سورہ نسآء آیت نمبر ۱۰)

’’جو لوگ یتیموں کے مال ظلماً کھاتے (اور خرچ کرتے) ہیں، بس وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں‘‘

(۲)...... اگر بالفرض مال مشترک نہ بھی ہو یا سب وارث بالغ ہوں، اور سب سے اجازت بھی لی جائے تو عام مشاہدہ یہی ہے کہ ایسے حالات میں یہ معلوم کرنا آسان نہیں ہوتا کہ ان سب نے خوش دلی سے اجازت دی ہے یا برادری اور کنبہ کے طعنوں کے خوف سے اجازت دی ہے، اور اس قسم کی اجازت شرعاً معتبر نہیں۔

(۳)...... اگر بالفرض یہ ساری باتیں نہ بھی ہوں، سب بالغ ورثاء نے بالکل خوش دلی کے ساتھ اجازت دے دی ہو یا کسی ایک ہی شخص وارث یا غیر وارث نے اپنی ملکیت سے اس کا انتظام کیا ہو، تو بھی اس حیلہ کی فقہی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ:

جس غریب و مستحق شخص کو اول یہ نقد دیا جاتا ہے اس کی مِلک کر دیا جائے، اور

---

[1] عن أبی حمید الساعدی، أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال " :لا یحل لامرء أن یأخذ مال أخیه بغیر حقه "وذلک لما حرم الله مال المسلم علی المسلم.
وقال عبید بن أبی قرة :حدثنا سلیمان، حدثنی سهیل، حدثنی عبد الرحمن بن سعید، عن أبی حمید الساعدی، أن النبی صلی الله علیه وسلم قال " :لا یحل للرجل أن یأخذ عصا أخیه بغیر طیب نفسه "وذلک لشدة ما حرم رسول الله صلی الله علیه وسلم من مال المسلم علی المسلم(مسند احمد، رقم الحدیث ۲۳۶۰۵
فی حاشیة مسند احمد:إسناده صحیح.

پوری وضاحت سے اس کو بتا دیا جائے کہ اب تم مالک ومختار ہو جو چاہو کرو، پھر وہ اپنی خوشی سے بغیر کسی رسمی دباؤ ولحاظ ومروت کے میت کی طرف سے کسی دوسرے غریب شخص کو اسی طرح دے دے اور مالک بنا دے، اور پھر وہ غریب شخص اسی طرح کسی تیسرے چوتھے غریب کو دے دے۔

لیکن مروجہ رسم میں اس کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا، اول تو جس کو دیا جاتا ہے، نہ دینے والا یہ سمجھتا ہے کہ اس کی مِلک ہو گیا، اور وہ اس میں مختار ہے، نہ لینے والے کو اس کا کوئی خطرہ پیدا ہوتا ہے، جس کی کھلی علامت یہ ہے کہ اگر یہ شخص اس وقت یہ نقد لے کر چل دے اور دوسرے کو نہ دے تو دینے والے حضرات ہرگز اس کو برداشت نہ کریں، اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں تملیک صحیح نہیں ہوتی، اور بغیر تملیک کے کوئی قضا یا کفارہ یا فدیہ معاف نہیں ہوتا، اسی لئے یہ حرکت بے کار ہو جاتی ہے۔

(۴)...... مذکورہ صورت میں یہ بھی ضروری ہے کہ جس شخص کو مالک بنایا جائے وہ مستحق ہو، صاحبِ نصاب نہ ہو، مگر عام طور پر اس کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا، عموماً مساجد کے ائمہ اور کنبہ وبرادری کے لوگ اور محلّہ وعلاقہ کے افراد، جن میں بہت سے حضرات، صاحبِ نصاب ہوتے ہیں، انہی کے ذریعہ یہ کام کیا جاتا ہے، اس لئے بھی یہ سارا کاروبار لغو وغلط ہو جاتا ہے، میت کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

(۵)...... اگر بالفرض مستحق کا بھی صحیح انتخاب کر لیا جائے، اور اس کو پورا مسئلہ بھی معلوم ہو کہ وہ قبضہ کرنے کے بعد اپنے آپ کو مالک ومختار سمجھے پھر میت کی خیر خواہی کے پیشِ نظر وہ دوسرے کو اور اسی طرح دوسرا تیسرے چوتھے مستحق کو دیتا چلا جائے تو آخر میں وہ جس شخص کے پاس پہنچتا ہے وہ اس کا مالک ومختار ہے، اس سے واپس لے کر آدھا امام کو اور آدھا دوسرے فقراء کو تقسیم کرنا، درحقیقت دوسرے کی ملکیت میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرنا ہے، جو ناجائز۔

(۶)...... بالفرض یہ آخری شخص اس کی تقسیم پر بغیر کسی دباؤ کے دل سے آمادہ بھی ہوجائے تو پھر بھی اس طرح کے حیلہ کا ہر میت کے لئے التزام کرنا اور جیسے تجہیز وتکفین واجباتِ شرعیہ ہیں، اسی طرح اسی درجہ میں اس کو اعتقاداً ضروری سمجھنا یا عملاً ضروری کے درجہ میں التزام کرنا یہ ''احداث فی الدین'' ہے، جس کو شریعت کی اصطلاح میں بدعت کہتے ہیں، جو ایک حیثیت سے شریعت میں ترمیم واضافہ ہے، نعوذ باللہ تعالیٰ۔

نیز اس حیلہ کے التزام سے عوام الناس اور جہلاء میں یہ جرأت بھی پیدا ہوتی ہے کہ نہ نمازیں پڑھیں، نہ روزہ رکھیں، نہ حج کریں، نہ زکاۃ ادا کریں، مرنے کے بعد حیلۂ اسقاط یا دور کی شکل میں چند پیسوں کے خرچ سے یہ سارے اسقاط ہوجائیں گے، اور مقاصد پورے ہوجائیں گے، اور یہ بات سارے دین کی بنیاد کو منہدم کردینے کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو دین کے صحیح راستہ پر چلنے اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

مندرجہ بالا اجمالی مفاسد کو دیکھ کر بھی یہ فیصلہ کرلینا کسی مسلمان کے لئے مشکل نہیں کہ یہ حیلے حوالے اور اس کا مروجہ طریقہ سب ناواقفیت پر مبنی ہیں، میت کو اس سے کوئی فائدہ نہیں، اور کرنے والے بہت سے گناہوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں (ماخوز بتغیر واضافہ از جواہر الفقہ ج۱ ص۵۵۷ تا ۵۶۲، طبع جدید: نومبر 2010ء)

(۱۶)......قبر کو پختہ کرنا، چراغ جلانا اور چادریں و پھول چڑھانا

سوال:...... آج کل بہت سے لوگ قبروں کو پختہ تعمیر کرتے ہیں، اور بعض لوگ قبروں پر چراغ، موم بتی وغیرہ جلاتے ہیں، جبکہ کچھ لوگ قبروں پر چادریں ڈالتے ہیں اور پھول چڑھاتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ان چیزوں سے مُردہ کو فائدہ وثواب حاصل ہوتا ہے، ان

چیزوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب:...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو پختہ بنانے سے منع فرمایا ہے، اور فقہائے کرام نے بھی اس عمل کو ناجائز قرار دیا ہے۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر چراغ وغیرہ روشن کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ (مسلم) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ بنانے اور اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے (مسلم)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ (ترمذی) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں پر اور قبروں پر چراغاں کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے (ترمذی)

اگر بتی جلانا بھی اس میں داخل ہے اگر مردہ اچھی جگہ چلا گیا تو اس کو یہاں کی خوشبو کی ضرورت نہیں، بلکہ وہاں کی خوشبو کے مقابلہ میں یہاں کی خوشبو کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور اگر بُری جگہ

---

[1] رقم الحديث ٩٧٠ "٩٤" كتاب الجنائز، باب النهى عن تجصيص القبر والبناء عليه، مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ١١٨٨٦، واللفظ لهما، مصنف عبدالرزاق رقم الحديث ٦٤٨٨.

[2] رقم الحديث ٣٢٠، كتاب الصلاة، باب ما جاء فى كراهية أن يتخذ على القبر مسجدا، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابى الحلبى -مصر، واللفظ لهٗ، ابوداؤد رقم الحديث ٣٢٣٦، نسائى رقم الحديث ٢٠٤٣، مسند احمد رقم الحديث ٢٠٣٠.

قال الترمذى: وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَأَبُو صَالِحٍ هَذَا هُوَ مَوْلَى أُمِّ هَانِءٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ وَاسْمُهُ بَاذَانُ وَيُقَالُ بَاذَامُ أَيْضًا (حواله بالا)

چلا گیا تو وہاں کی تکلیفوں اور مصیبتوں کے مقابلہ میں اگر بتی کی خوشبو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی۔

اور قبروں پر چادریں ڈالنا، پھول چڑھانا، عرقِ گلاب اور خوشبو وغیرہ چھڑکنا بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضراتِ صحابۂ کرام، اور تابعین کے خیر القرون والے دور سے ثابت نہیں جبکہ اس وقت بھی انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اور اولیائے کرام کی قبریں تھیں، پھول، خوشبو اور چادریں بھی ہوتی تھیں۔

لہٰذا یہ چیزیں بھی بدعت ہوئیں، جن سے ہر مسلمان کو بچنا چاہئے۔

بعض لوگ قبروں پر اناج، غلہ وغیرہ ڈالتے ہیں، اس کا بھی شریعت میں ثبوت نہیں ہے، لہٰذا یہ عمل بھی بدعت وگناہ کے اندر داخل ہے، اس کے علاوہ زمین پر ڈالنے سے اللہ کے رزق کی بے ادبی و بے حرمتی بھی ہوتی ہے، اور بعض اوقات یہ چیزیں انسانوں اور جانوروں کے پیروں کے نیچے بھی آجاتی ہیں جس میں گناہ کے علاوہ رزق میں بے برکتی کا بھی اندیشہ ہے۔

(ماخوذاز: ''ماہِ محرم کے فضائل واحکام''، مطبوعہ: ادارہ غفران، راولپنڈی)

فقط

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم



ایصالِ ثواب کے منکرین کے چند شبہات کے جوابات

ایصالِ ثواب کے ثبوت اور ایصالِ ثواب سے متعلق مسائل کا ذکر گزر چکا ہے، اور یہ بھی کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جو ایصالِ ثواب اور میت کو فائدہ پہنچانے کے عنوان سے جاری ہیں، اور وہ خلافِ شریعت ہیں، جن کو انجام دے کر یہ سمجھنا کہ میت کو ایصالِ ثواب یا فائدہ ہوگیا، یہ غلط فہمی اور نادانی کی بات ہے، لیکن بعض لوگ مطلق ایصالِ ثواب ہی کے منکر ہیں، اور وہ اس سلسلہ میں چند دلائل پیش کرتے ہیں۔

اخلاص وصدق کے ساتھ شرعی حدود میں رہتے ہوئے ایصالِ ثواب ہونے کا انکار کرنے والوں کو قرآن مجید کی چند آیات واحادیث سے مغالطہ لگا ہے اور اس لئے وہ اپنی اس غلط فہمی سے ایصالِ ثواب کے انکار کو قرآن مجید اور احادیث کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

یہاں ایصالِ ثواب کا انکار کرنے والوں کے اسی قسم کے چند شبہات کا جواب تحریر کیا جاتا ہے۔

(۱)......ایصالِ ثواب کا قرآن مجید سے ثبوت نہ ہونے کا اعتراض

بعض ایصالِ ثواب کا انکار کرنے والوں کی طرف سے ایک اعتراض یہ پیش کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں کہیں ایصالِ ثواب کی تعلیم نہیں دی گئی، اس لئے یہ بالکل بے اصل چیز ہے۔

لیکن ہم پہلے یہ بحث کر چکے ہیں کہ ہر ہر عقیدہ ونظریہ ثابت ہونے کے لئے قرآن مجید کی جزئی تصریح ضروری نہیں، بلکہ احادیث سے بھی عقیدہ ونظریہ ثابت ہوسکتا ہے۔

اس قسم کے اعتراضات دراصل انکارِ حدیث کے فتنے پر مبنی ہیں، اور منکرینِ حدیث ہی نے اس قسم کے اعتراضات جاری کئے ہیں، جو ایک سازش کے تحت مسلمانوں میں پھیلنا شروع ہوگئے ہیں۔

مسلمانوں کا عقیدہ تو یہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید کی تعمیل ضروری ہے، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ کی تعمیل بھی ضروری ہے، اور یہ بات خود قرآن مجید ہی سے ثابت ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَآ اٰتَا کُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَا کُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (سورۃ الحشر، آیت نمبر ۷)

ترجمہ: جس چیز کا تم کو اللہ کا رسول حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ (سورہ حشر)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی صحیح وصریح احادیث کے ذریعے ایصالِ ثواب کا ثبوت ہے، اور اس کا ثبوت اتنا قوی ہے کہ باعتبار قدرِ مشترک کے تواتر تک پہنچ جاتا ہے (جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا)

لہٰذا قرآن مجید کے مذکورہ فرمان کے پیشِ نظر ایصالِ ثواب اصولی انداز میں قرآن مجید سے بھی ثابت ہوا۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

سن لو! اور آگاہ ہو جاؤ! کہ مجھے اللہ کی طرف سے (ہدایت کے لئے) قرآن مجید بھی عطا ہوا ہے، اور اس کے جیسا اور بھی (یعنی احادیثِ مبارکہ وسنتِ رسول) سن لو! قریب میں کچھ پیٹ بھرے لوگ پیدا ہوں گے جو اپنے شاندار تخت (اور عمدہ نشست گاہوں پر آرام سے بیٹھے لیٹے ہوئے) لوگوں سے کہیں گے کہ بس قرآن ہی کو لے لو، اس میں جس چیز کا حلال ہونا آیا ہے اس کو حلال سمجھو اور جس کا حرام ہونا آیا ہے اس کو حرام سمجھو (اور اس کے علاوہ کسی اور چیز کو حلال وحرام نہ سمجھو) (ابوداؤد) [1]

---

[1] عن المقدام بن معدی کرب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أنہ قال: ألا إنی أوتیت الکتاب، ومثلہ معہ ألا یوشک رجل شبعان علی أریکتہ یقول علیکم بھذا القرآن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کسی کو اس حال میں پاؤں (یعنی اس کا یہ حال ہو) کہ وہ اپنی شاندار نشست پر ٹیک لگا کر (تکبر کے انداز میں) بیٹھا ہو اور اس کو میری کوئی بات پہنچے، جس میں میں نے کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا ہو تو وہ کہے کہ ہم نہیں جانتے، ہم تو بس اسی حکم کو مانیں گے جو ہم کو قرآن میں ملے گا (ابوداؤد، ترمذی، ابنِ ماجہ، مسند احمد) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فما وجدتم فيه من حلال فأحلوه، وما وجدتم فيه من حرام فحرموه، ألا لا يحل لكم لحم الحمار الأهلي، ولا كل ذى ناب من السبع، ولا لقطة معاهد، إلا أن يستغنى عنها صاحبها، ومن نزل بقوم فعليهم أن يقروه فإن لم يقروه فله أن يعقبهم بمثل قراه(سنن ابى داؤد، رقم الحديث ۴۶۰۴، كتاب السنة، باب فى لزوم السنة،واللفظ لهٗ،سنن ابنِ ماجه رقم الحديث ۱۲،سنن الدارمى، رقم الحديث ۶۰۲)

عن المقدام بن معدى كرب، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :ألا هل عسى رجل يبلغه الحديث عنى وهو متكء على أريكته، فيقول :بيننا وبينكم كتاب الله، فما وجدنا فيه حلالا استحللناه .وما وجدنا فيه حراما حرمناه، وإن ما حرم رسول الله كما حرم الله (سنن الترمذى،رقم الحديث ۲۶۶۴)

قال الترمذى:هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه.

حدثنى الحسن بن جابر، قال :سمعت المقدام بن معدى كرب، يقول :حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم خيبر أشياء ، ثم قال " :يوشك أحدكم أن يكذبنى وهو متكء على أريكته يحدث بحديثى، فيقول :بيننا وبينكم كتاب الله، فما وجدنا فيه من حلال استحللناه، وما وجدنا فيه من حرام حرمناه، ألا وإن ما حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل ما حرم الله "(مسند احمد، رقم الحديث ۱۷۱۹۴)

فى حاشية مسند احمد:حديث صحيح.

[1] عن عبيد الله بن أبى رافع، عن أبيه، عن النبى صلى الله عليه وسلم قال :لا ألفين أحدكم متكئا على أريكته يأتيه الأمر من أمرى مما أمرت به أو نهيت عنه فيقول لا ندرى ما وجدنا فى كتاب الله اتبعناه (سنن ابى داؤد، رقم الحديث ۴۶۰۵، كتاب السنة، باب فى لزوم السنة،واللفظ لهٗ،سنن الترمذى، رقم الحديث ۲۶۶۳،سنن ابنِ ماجه، رقم الحديث ۱۳، مسند احمد، رقم الحديث ۲۳۸۷۶)

قال الترمذى:هذا حديث حسن وروى بعضهم هذا الحديث عن سفيان، عن ابن المنكدر، عن النبى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پھر یہ بات ایصالِ ثواب ہی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ دین کی ایسی بہت سی باتیں ہیں کہ جن کا صاف طور پر قرآن مجید میں ذکر نہیں، اور احادیث میں ہی ان کا ذکر ہے، اور ان چیزوں کو ایصالِ ثواب کے منکرین بھی قبول کرتے ہیں، لہٰذا اس شبہ کی بنیاد پر تو دین کے بہت سے احکام کی نفی لازم آتی ہے۔

نماز جو کہ دین کا پہلا رکن ہے اور افضل عبادت ہے، لیکن قرآن مجید میں اس کے بارے میں بھی بہت سی چیزیں واضح طور پر مذکور نہیں ہیں، مثلاً یہ کہ فجر میں اتنی رکعتیں پڑھی جائیں، ظہر میں اتنی، عصر میں اتنی اور مغرب وعشاء میں اتنی اور اتنی رکعتیں پڑھی جائیں، جبکہ ہر فرض نماز میں وہ رکعتیں مسلمہ طور پر فرض ہیں۔

نیز قرآن مجید میں یہ بھی صاف طور پر ذکر نہیں کہ ایک ایک وقت کی نماز میں کتنے رکوع ہیں، کتنے سجدے اور کتنے قعدے ہیں اور نماز کے اندر کس جگہ کیا کیا پڑھا جائے؟ اور ظاہر ہے کہ ان سب سوالات کا تعلق اعلیٰ درجہ کی عبادت نماز ہی سے ہے۔

بہرحال اگر اس اصول کو تسلیم کرلیا جائے کہ جو چیز قرآن مجید میں صاف طور پر مذکور نہ ہو وہ دین میں بے اصل ہے، تو دین ایک متعین دستورِ حیات ہونے کے بجائے صرف ایک مبہم فلسفہ ہوکر رہ جائے گا، جس کی نہ نماز متعین ہوگی نہ روزہ نہ کچھ اور۔

تو جب نماز کے ارکان اور اس کے متعلق دیگر ضروری چیزوں سے قرآن مجید کے خاموش ہونے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ہم یہ چیزیں لیتے ہیں اور ان کو حجت اور دین سمجھتے ہوئے واجب العمل جانتے ہیں تو اسی طریقہ سے ''ایصالِ ثواب'' کے مسئلہ کو

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

صلى الله عليه وسلم مرسلا . وعن سالم أبي النضر، عن عبيد الله بن أبي رافع، عن أبيه، عن النبي صلى الله عليه وسلم " . وكان ابن عيينة إذا روى هذا الحديث على الانفراد بين حديث محمد بن المنكدر من حديث سالم أبي النضر، وإذا جمعهما روى هكذا، وأبو رافع مولى النبي صلى الله عليه وسلم اسمه :أسلم "

في حاشية مسند احمد:إسناده صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين.

بھی احادیث وسنت کی روشنی میں قبول کرنا چاہئے۔

اسی طرح بہت سی حرام غذاؤں کی صریح حرمت کے بیان سے قرآن خاموش ہے اور یہ سب چیزیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوئی ہیں، تو ایصال ثواب جیسے مسائل میں قرآن مجید اگر خاموش ہو، لیکن سنتِ نبوی اس پر کوئی حکم لگا رہی ہو تو اس کو بھی قبول کرنا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی نازل ہوتی تھی (جس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں اور اسی وحی سے نماز وغیرہ کی تفصیلات متعین ہوئی ہیں)

پس اگر ایصالِ ثواب سنتِ نبوی سے ''تواتر قدر مشترک'' سے ثابت ہے، اور امت کے عملی تواتر اور ائمہ دین کے فقہاء ومجتہدین، محدثین ومفسرین کے اتفاق نے اس کے ثبوت کو اور بھی زیادہ یقینی کر دیا ہے تو یقیناً وہ حق ہے۔ فماذا بعدالحق الاالضلال .

(۲)......کیا صدقۂ جاریہ والی حدیث سے ایصالِ ثواب کی نفی ہوتی ہے؟

ایصالِ ثواب کے منکرین ایک شبہ صدقۂ جاریہ والی مشہور حدیث کے ذریعے سے ''جس میں چند اعمال کے علاوہ دوسرے اعمال کا سلسلہ ختم ہونے کا ذکر ہے'' یہ کیا کرتے ہیں کہ:

> اس حدیث نے حتمی طور پر یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کو صرف تین ذرائع سے فائدہ پہنچ سکتا ہے، اور ان تین ذرائع کے علاوہ شریعت اسلامیہ میں کوئی اور ذریعہ موجود نہیں (عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں صفحہ ۱۲۸، تالیف: حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، اشاعت ہفتم ربیع الاول ۱۴۱۷ھ، ناشر: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی)

یہ بہت پرانا اعتراض ہے جو معتزلہ کی طرف سے چلا آ رہا ہے، اور علماء ومحدثین ہر دَور میں اس کا جواب دیتے آ رہے ہیں۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں عمل کے منقطع ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، بحکمِ الٰہی

وفضلِ الٰہی دوسرے کے عمل سے منتفع ہونے کی نفی نہیں کی گئی، ورنہ تو دعا، استغفار اور نمازِ جنازہ بھی دوسرے کا عمل ہے، اور ان اعمال سے منتفع ہونا ایک مسلّمہ مسئلہ ہے۔ [1]

[1] چنانچہ ملاعلی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

وَاَمَّا الْحَدِيْثُ فَيَدُلُّ عَلَىٰ انْقِطَاعِ عَمَلِهٖ وَنَحْنُ نَقُوْلُ بِهٖ، وَاِنَّمَا الْكَلَامُ فِيْ وُصُوْلِ ثَوَابِ غَيْرِهٖ، وَالْمُوْصِلُ الثَّوَابَ اِلَى الْمَيِّتِ هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى سُبْحَانَهٗ، لِاَنَّ الْمَيِّتَ لَا يَسْمَعُ بِنَفْسِهٖ وَالْقُرْبُ وَالْبُعْدُ سَوَاءٌ فِيْ قُدْرَةِ الْحَقِّ سُبْحَانَهٗ (شرح ملا على القارى على الفقه الاكبر ص ۱۳۰)

اور علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

انقطع عمله إلا من ثلاث لم يقل :إنه لم ينتفع بعمل غيره .فإذا دعا له ولده كان هذا من عمله الذى لم ينقطع، وإذا دعا له غيره لم يكن من عمله، لكنه ينتفع به(الفتاوىٰ الكبرىٰ لابن تيمية، ج۳ص ۳۱، كتاب الجنائز، قولهٗ تعالىٰ وأن ليس للانسان الا ماسعى)

نیز فرماتے ہیں کہ:

والميت أيضا يرحم بصلاة الحى عليه، كما قال :ما من مسلم يموت فيصلى عليه أمة من المسلمين يبلغون أن يكونوا مائة ويروى أربعين، ويروى ثلاثة صفوف، ويشفعون فيه، إلا شفعوا فيه -أو قال إلا غفر له - فالله تعالى يثيب هذا الساعى على سعيه الذى هو له، ويرحم ذلك الميت بسعى هذا الحى لدعائه له، وصدقته عنه، وصيامه عنه، وحجه عنه.

وقد ثبت فى الصحيح عن النبى -صلى الله عليه وسلم -أنه قال :ما من رجل يدعو لأخيه دعوة إلا وكل الله به ملكا، كلما دعا لأخيه دعوة قال الملك الموكل به :آمين. ولك بمثله (الفتاوىٰ الكبرىٰ لابن تيمية، ج۳ص ۳۲، كتاب الجنائز، قولهٗ تعالىٰ وأن ليس للانسان الا ماسعى)

اور تہذیب الفروق میں ہے کہ:

إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلخ ونحوه مما ورد فى ذلك بأنه -صلى الله عليه وسلم - لم يقل انقطع انتفاعه.

وإنما أخبر عن انقطاع عمله، وأما عمل غيره فهو لعامله فإن وهبه له فقد وصل إليه ثواب عمل العامل لا ثواب عمله هو فالمنقطع شىء والواصل إليه شىء آخر، وكذلك الحديث الآخر وهو قوله -عليه السلام -إن مما يلحق الميت من حسناته وعمله بعد موته عملا عمله ونشره أو ولدا صالحا تركه أو مصحفا ورثه أو مسجدا بناه أو بيتا لابن السبيل بناه أو نهرا أكراه أو صدقة أخرجها من ماله فى صحته وحياته تلحقه من بعد موته فإنه لم ينف أن يلحقه غير ذلك من عمل غيره وحسناته (تهذيب الفروق والقواعد السنية فى الأسرار الفقهية علىٰ انواع البروق فى انواع الفروق، ج۳ص ۲۲۲،الفرق بين قاعدة مايصل الى الميت وقاعدة مالايصل)

(۳)......قیامت میں ایصالِ ثواب کے متعلق سوال نہ ہونے کا شبہ

ایصالِ ثواب کے منکرین کا ایک اعتراض یہ ہے کہ انسان سے قیامت کے دن صرف اُسی کے عمل کا سوال ہوگا، مَرنے والوں کے لیے ایصالِ ثواب کے بارے میں ہرگز سوال نہ ہوگا؛ لہٰذا ایصالِ ثواب ایک بے فائدہ عمل ہوا۔

یہ اعتراض سراسر غلط ہے؛ کیونکہ ایصالِ ثواب کے دو پہلو ہیں، ایک اس کا عملی پہلو، اور دوسرے اس پر عقیدہ کا پہلو۔

اور اگرچہ قیامت کے دن ایصالِ ثواب کے بارے میں سوال نہ ہو، لیکن اس سے ایصالِ ثواب کی نفی لازم نہیں آتی، جس طرح بہت سے اعمال مستحب ونفلی درجے کے ہیں کہ اگر کوئی ان اعمال کو انجام نہ دے تو اُس پر قیامت کے دن مؤاخذہ نہ ہوگا؛ لیکن اس وجہ سے اُن اعمال کے عظیم الشان اجروثواب اور فضائل کی نفی لازم نہیں آتی۔

یہ بحث تو صرف ایصالِ ثواب کو عملی طور پر انجام دینے نہ دینے کے اعتبار سے ہے، اور ایک مسئلہ ایصالِ ثواب کے ثبوت اور عدمِ ثبوت کا ہے، اور یہ بات اپنے مقام پر ہم نے ذکر کردی ہے کہ ایصالِ ثواب کا ثبوت قدرِ مشترک تواتر سے ہے، جس پر اہلِ السنۃ والجماعۃ میں سے ہونے کے لیے عقیدہ رکھنا ضروری ہے، اور منکرینِ ایصالِ ثواب کا اس پر عقیدہ نہیں۔

لہٰذا اُن سے ایصالِ ثواب کے انکار کے عقیدے پر یقیناً قیامت کے روز سوال اور مؤاخذہ ہوگا۔

(۴)......اللہ تعالیٰ کے یہاں جزا وسزا تحریر نہ کیے جانے کا شبہ

ایصالِ ثواب کے منکرین کا ایک اعتراض یہ ہے کہ:

> اللہ تعالیٰ کے یہاں جزاء وسزا تحریر نہیں کی جاتی بلکہ اعمال وافعال تحریر کئے جاتے ہیں، یعنی کراماً کاتبین ہمارے افعال تحریر کرتے ہیں، ثواب وعذاب تحریر نہیں

کرتے، ثواب وعذاب کا فیصلہ تو قیامت کے روز سنایا جائے گا، اس لحاظ سے ''ایصالِ ثواب'' کی اصطلاح ایک احمقانہ اصطلاح ہے، ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ اپنی اس حرکت کو''ایصالِ عمل'' کے نام سے موسوم کرتے، حالانکہ آج تک کسی نے اس فرضی ایصال کو''ایصالِ عمل'' کے نام سے موسوم نہیں کیا، اور نہ اس کا کوئی دلدادہ یہ دعویٰ کرتا ہے، کہ ہم اپنے اعمال ایصال کررہے ہیں (عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں صفحہ ۲۰، تالیف: حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، اشاعت ہفتم ربیع الاول ۱۴۱۷ھ، ناشر :الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ایصالِ ثواب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ہی ایصالِ ثواب کرنے والا دوسرے کو ایصالِ ثواب کرنے کی درخواست کرتا ہے، اور اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔

اور اگر ایصالِ ثواب کے بجائے کوئی عمل دوسرے کی نیابت میں انجام دیا جائے، تو اُس میں دوسرے کی طرف سے عمل بھی ادا ہوتا ہے، اور ایصالِ ثواب و نیابت میں یہی فرق ہے، جس کا اپنے مقام پر ہم نے ذکر کردیا ہے۔

لہٰذا ایصالِ ثواب کو ایصالِ عمل کا نام دینے کا اعتراض کرنا لاعلمی و نادانی کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اعمالِ صالحہ پر بندوں سے اجر وثواب کا وعدہ فرمایا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نیک عمل پر اجر وثواب عطا فرماتے ہیں، اور اس کا اصل فیصلہ تو قیامت کے دن ہی سنایا جائے گا لیکن نیک عمل کے برکات وانوارات تو عالَمِ برزخ بلکہ عالَمِ دنیا میں ہی ملنا شروع ہوجاتے ہیں؛ لہٰذا جس طرح اپنے نیک عمل کی برکات سے خود بندہ عالَمِ برزخ میں مستفید ہوتا ہے، اسی طرح دوسرے کے نیک عمل سے بھی مستفید ہوسکتا ہے۔ [1]

---

[1] البحرالرائق میں ہے کہ:

وذكر اليمنى فى شرح الشهاب فى بحث إنما الأعمال بالنيات أن الثواب هو الحاصل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۵)......کیا ایصالِ ثواب سے ایصالِ عذاب کا ہونا بھی لازم آتا ہے؟

ایصالِ ثواب کے منکرین ایک اعتراض یہ کیا کرتے ہیں کہ اگر ایصالِ ثواب کو ثابت مانا جائے تو پھر ایصالِ گناہ کو بھی ثابت ماننا پڑے گا، کیونکہ دونوں کا اصول ایک ہی ہے، اور

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بأصول الشرع.والحاصل بالمكملات يسمى أجرا؛ لأن الثواب لغة بدل العين والأجر بدل المنفعة فالمنفعة تابعة للعين، وقد يطلق الأجر ويراد به الثواب وبالعكس اهـ(البحر الرائق،ج۲ص۱۹۹، كتاب الجنائز، باب دفن الميت بلاصلاة)

تفسیر آلوسی میں ہے کہ:

ثم المراد من -الأجر -الثواب الذى وعدوه على الإيمان والعمل الصالح(تفسير روح المعانى، ج ۱ ص ۲۸۱،سورة البقرة)

تفسیر البحر المحیط میں ہے کہ:

الأجر :مصدر أجر يأجر، ويطلق على المأجور به، وهو الثواب(تفسير البحر المحيط ج ۱ص۳۸۷، سورة البقرة)

الموافقات للشاطبی میں ہے کہ:

لا يقال أن الثواب لا يملك كما يملك المال لأنه إما أن يكون فى الدار الآخرة فقط وهو النعيم الحاصل هنالك والآن لم يملك منه شيئا وإما أن يملك هنا منه شيئا حسبما اقتضاه قوله تعالى (من عمل صالحا من ذكر أو أنثى وهو مؤمن فلنحيينه حياة طيبة) الآية فذلك بمعنى الجزاء فى الآخرة أى أنه ينال فى الدنيا طيب عيش من غير كدر مؤثر فى طيب عيشه كما ينال فى الآخرة أيضا النعيم الدائم فليس له أمر يملكه الآن حتى تصح هبته وإنما ذلك فى الأموال التى يصح حوزها وملكها الآن

لأنا نقول هو وإن لم يملك نفس الجزاء فقد كتب له فى غالب الظن عند الله تعالى واستقر له ملكا بالتمليك وإن لم يحزه الآن ولا يلزم من الملك الحوز

وإذا صح مثل هذا فى المال وصح التصرف فيه بالهبة وغيرها صح فيما نحن فيه فقد يقول القائل ما ورثته من فلان فقد وهبته لفلان ويقول إن اشترى لى وكيلى عبدا فهو حر أو هبة لأخى وما أشبه ذلك وإن لم يحصل شىء من ذلك فى حوزه وكما يصح هذا التصرف فيما بيد الوكيل فعله وإن لم يعلم به الموكل فضلا عن أن يحوزه من يد الوكيل يصح أيضا التصرف بمثله فيما هو بيد الله الذى هو على كل شىء وكيل فقد وضح إذا مغزى النظر فى هبة الثواب والله الموفق للصواب(الموافقات للشاطبى ج۲ص۴۰۲،۴۰۳،كتاب المقاصد، النوع الرابع :فى بيان قصد الشارع فى دخول المكلف تحت أحكام الشريعة)

دونوں میں فرق کرنا درست نہیں۔

یہ اعتراض بھی ایصالِ ثواب کی حقیقت سے ناواقفیت پر مبنی ہے، کیونکہ ایصالِ ثواب کی اصل بنیاد اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اور فضل کی بنیاد پر ایصالِ ثواب تو درست ہے، ایصالِ گناہ درست نہیں۔

جس طرح قرآن مجید میں مُردوں کے لیے دعا واستغفار سے مستفید ہونے کا ذکر ہے، بددعا کے نقصانات سے متأثر ہونے کا ذکر نہیں۔

اسی طرح ایصالِ ثواب وایصالِ عذاب کے فرق کو بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ [1]

(۶)......کیا ایصالِ ثواب اختلافی عمل ہے؟

ایصالِ ثواب کے منکرین ایک اعتراض یہ کیا کرتے ہیں کہ ایصالِ ثواب ایک جائز عمل ہے، اور اگر کسی چیز کے سنت وبدعت ہونے میں اختلاف ہو تو اس کے بدعت ہونے کو ترجیح ہوتی ہے، اور کیونکہ ایصالِ ثواب کے اندر اختلاف ہے، نیز اس میں بہت سی بدعات بھی پیدا ہوگئی

---

[1] ویحتمل ان یکون قوله تعالیٰ وان لیس للانسان الا ماسعیٰ(النجم ۳۹)خاصا فی السیئة بدلیل ما فی صحیح مسلم ، عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: قال الله عزوجل : اذا هم عبدی بحسنة ولم یعملها کتبتها له حسنة، فان عملها کتبتها له عشرالی سبعمائة ضعف، واذا هم بسیئة ولم یعملها لم اکتبها علیه، فان عملها کتبتها سیئة واحدة، والقرآن دال علی هذا قال الله تعالیٰ من جاء بالحسنة فله عشر امثالها (الانعام : ۱۶۰) وقال تعالیٰ :مثل الذین ینفقون اموالهم فی سبیل الله کمثل حبة انبتت سبع سنابل فی کل سنبله مائة حبة(البقرة ۲۶۱)وقال فی الایة الاخریٰ: کمثل جنة بربوة(البقرة ۲۶۵) وقال :من ذاالثی یقرض اللّٰه قرضا حسنافیضعفه له اضعافا کثیرا(البقرة ۲۴۵)وهذا کله تفضل من الله تعالیٰ،وطریق العدل :وان لیس للانسان الا ماسعی ،الا ان اللّٰه عزوجل یتفضل علیه بما لم یجب له کما ان زیادة الاضعاف فضل من کتب لهم بالحسنة الواحدة عشرا الی سبعمائة ضعف الی الف الف حسنة، کماقیل لابی هریرة :اسمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول : ان الله لیجزی عن الحسنة الواحدة:الف الف حسنة فقال : سمعته یقول: ان الله لیجزی علی الحسنة الواحدة :الفی الف حسنة، فهذا تفضل ، وقد تفضل اللّٰه علی الاطفال بادخالهم الجنة غیرعمل ، فما ظنک بعمل المؤمن عن نفسه او عن غیره (التذکرة فی احوال الموتیٰ وامور الآخرة للامام القرطبی المالکی ص ۷۹،۸۰)

ہیں؛ لہٰذا اسے بدعت تصور کرتے ہوئے ممنوع قرار دینا چاہئے۔

جواب یہ ہے کہ اہلُ السنۃ والجماعۃ کے نزدیک تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ ایصالِ ثواب قرآن وسنت، اجماعِ امت اور شرعی قیاس سے ثابت ہے، اس اعتبار سے چند جزئیات سے قطع نظر نفسِ ایصالِ ثواب کا مسئلہ اہلُ السنۃ والجماعۃ میں متفق علیہ ہے۔

لہٰذا اس کو مختلف فیہ مسئلہ قرار دے کر مذکورہ اُصول جاری کرنا درست نہیں۔

جہاں تک بدعات کے پیدا ہونے کا تعلق ہے تو اس سے انکار نہیں، لیکن اگر ایک متفق علیہ نظریے کا انکار کیا جائے تو اس کی تردید لازم ہے، اور ایسے وقت بدعات ومنکرات کی نشاندہی اور اُن سے بچنے کی تلقین بھی ضروری ہے۔

(۷)......کیا دَورِ نبوت وصحابہ میں ایصالِ ثواب کا عمل نہ تھا؟

ایصالِ ثواب کے بعض منکرین کی طرف سے ایک شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ اگر ''ایصالِ ثواب'' اور دوسرے کو نفع پہنچانے کا طریقہ صحیح ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے دور میں اس پر عام طور سے عمل کیا جاتا، حالانکہ یہ ثابت نہیں کہ اس دَور میں ایصالِ ثواب کا عام طور پر معمول ہو اور لوگ عام طور سے ایسا کرتے ہوں۔

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے دور میں فوت شدہ لوگوں کی طرف سے اور ان کی نفع رسانی کے لئے صدقہ وخیرات کرنے، قربانی کرنے، غلام آزاد کرنے، یہاں تک کہ روزہ نماز اور حج کرنے کے مختلف واقعات صحیح سند کے ساتھ ثابت ہیں (جن کا ہم نے اپنے مقام پر ذکر کر دیا ہے) اور اس مسئلہ کے ثبوت کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

دوسرے صحابۂ کرام سے اس قسم کے واقعات کا عام طور سے منقول نہ ہونا اس بات کی ہرگز دلیل نہیں کہ وہ اس کو کرتے ہی نہ تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ جن کاموں میں اعلان واظہار اور تداعی مطلوب ہو مثلاً فرض نمازوں کا جماعت سے مسجدوں میں پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، حج کرنا، قربانی کرنا، نمازِ جنازہ ادا کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

تو یہ کام چونکہ علی الاعلان کئے جاتے ہیں، اس لئے ایک دوسرے کو ان کا علم ہونا اور پھر نقل کیا جانا بھی ظاہر ہے، لیکن جن کاموں کی یہ حیثیت نہیں ہے مثلاً غریب پڑوسیوں اور غریب عزیزوں قریبوں کا تعاون اوران کے ساتھ نیکی کرنا، یتیموں اور بیواؤں کی خبر لینا وغیرہ وغیرہ جن کو اظہار کئے بغیر اخفا کے ساتھ کرنا بہتر ہوتا ہے تو ان کاموں کا اظہار واشتہار نہ ہونا اور دوسروں کے علم میں نہ آنا اوران واقعات کی نقل وروایت کا کم ہونا، اس مسئلہ کے تقاضے کے عین مطابق ہے، اور آج بھی شریعت کا تقاضا یہی ہے کہ اس قسم کے اعمال دوسروں کے سامنے اظہار کے بجائے مخفی طریقہ پر کیے جائیں۔

بہرحال یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اس طرح کے اعمال کے کرنے کا ثبوت بہت زیادہ نہیں ملتا اور یہ ''ایصالِ ثواب'' ہی کی خصوصیت نہیں ہے۔

مومنین ومومنات کے لئے دعا واستغفار جو قرآن سے ثابت ہے، بالخصوص والدین کے لئے رحمت ومغفرت کی دعا کا حال بھی یہی ہے کہ صحابۂ کرام سے یہ عمل عام طور پر کثرت کے ساتھ منقول نہیں۔

تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہوگا کہ قرآن مجید میں صاف حکم ہونے کے باوجود عام صحابہ اس پر عمل نہیں کیا کرتے تھے؟ ہاں دین کی حقیقت سے ناواقف طبقوں میں آج کل جس طرح اعلان اور تداعی کے ساتھ اجتماعی طور سے ''ایصالِ ثواب'' کے نام سے بہت سی رسمیں ادا کی جاتی ہیں، تو ان کے متعلق یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ اگر صحابہ وتابعین کے دور میں ان طریقوں سے ایصالِ ثواب ہوتا تو ضرور منقول ہوتا، کیونکہ اعلان وتداعی کے ساتھ اجتماعی طور پر جو کام کیے جاتے ہیں، ان کا نقل ہوکر ہم تک پہنچنا ضروری ہے، لیکن ہماری بحث تو ایصالِ ثواب اور

دوسروں کو نفع رسانی کے لئے عمل کرنے کے اس پہلو سے ہے، جو اخلاص کے ساتھ کسی رسم ورواج کے بغیر انجام دیے جائیں۔

بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جو چند متفرق واقعات احادیث سے معلوم ہوتے ہیں وہ بھی اس وجہ سے نقل وروایت میں آگئے ہیں کہ کسی صحابی نے مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے جواب دیا اسی طرح صحابی سے سوال کیا گیا اور انھوں نے جواب دے دیا یا کوئی اور ایسا ہی محرک پیش آگیا تو اظہار کر دیا گیا۔

(۸)......ایصالِ ثواب کے شبہ میں بعض مادّی مثالوں کی حیثیت

بعض منکرینِ ایصالِ ثواب کی طرف سے ایصالِ ثواب کا انکار کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ خود کوئی نیک عمل کر کے اس کا ثواب دوسرے کو پہنچانا ایسا ہی ناقابل فہم اور غیر معقول ہے جیسا کہ خود کھانا کھا کر اللہ سے یہ عرض کرنا کہ جو کھانا میں نے کھایا ہے اس سے فلاں بھوکے کا پیٹ بھر جائے یا سردی کے موسم میں خود گرم کپڑے اوڑھ کر یہ کہنا کہ ان کپڑوں کی گرمی فلاں ننگے شخص تک پہنچ جائے۔

مگر اوّلاً تو ایصالِ ثواب کے مسئلہ میں اس طرح کی مادی مثال پیش کرنا ہی غلط ہے، خاص طور پر جب کوئی مسئلہ شرعی دلائل سے ثابت ہوجائے تو اس کے مقابلہ میں اس طرح کے مادّی فلسفے چلانا نامناسب بلکہ بددیانتی کی بات ہے۔

بھلا اس میں کون سی قابلِ اشکال بات ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بندے کو یہ اجازت دیں کہ آپ اپنی دعا، استغفار، اور صدقہ ونیک اعمال سے دوسرے کو مستفید کرنا چاہیں تو اس کی اجازت ہے، تو اس میں کیا چیز مانع ہے؟ اور اگر پھر بھی کوئی نہ مانے تو اسے قرآن مجید سے دوسروں کے لیے ثابت شُدہ دعا واستغفار اور بلکہ نمازِ جنازہ کا بھی انکار کر دینا چاہیے۔ [1]

---

[1] وأما حوالة المخلوق على الخالق فأمر آخر لايصح قياسها على حوالة العبيد بعضهم على

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

(۹)......کیا ایصالِ ثواب قرآن مجید کی آیات کے خلاف ہے؟

ایصالِ ثواب کے بعض منکرین کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کی رُو سے ایک انسان کا عمل کسی دوسرے کے کام نہیں آ سکتا، اور ایصالِ ثواب کی بنیاد اسی پر ہے۔

چنانچہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی لکھتے ہیں کہ:

مسئلہ ایصالِ ثواب کی اصل بنیاد یہ ہے کہ ایک انسان کا عمل کسی دوسرے کے کام آ سکتا ہے یا نہیں؟ یہ تمام مسئلہ صرف اسی بنیاد پر موقوف ہے، اور اگر یہ بنیاد ہی سِرے سے غلط ہے، یا اس بنیاد میں کچھ کجی ہے تو ظاہر ہے کہ اس پر تعمیر شدہ عمارت بھی غلط ہوگی، بلکہ ایسی عمارت ہمہ وقت خطرے کا سبب بنی رہے گی، ہم افسوس کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ وہ طبقہ جو ایصالِ ثواب کا قائل ہے وہ سرے سے بنیاد ہی کو نظر انداز کئے ہوئے ہے (عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں ص۷، تالیف: حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی، اشاعت ہفتم ربیع الاول ۱۴۱۷ھ، ناشر: الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی)

نیز لکھتے ہیں کہ:

جس عمل میں مَرنے والے کا کوئی دَخل نہ ہو، اس کا اجرا سے ہرگز ہرگز نہیں مل سکتا، جیسا کہ قرآن کی لاتعداد آیات اس کی شہادت دے رہی ہیں، جن میں سے بیشتر ہم نے سابقہ صفحات میں پیش کی ہیں۔ ہمارا یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں، بلکہ اس کی سب سے اہم دلیل تو قرآن کا وہ اصول ہے جو ہم نے سابقہ صفحات میں پیش کیا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بعض، وهل هذا إلا من أبطل القياس وأفسده والذى يبطله إجماع الأمة على إنتفاعه بأداء دينه وما عليه من الحقوق وإبراء المستحق لذمته والصدقة والحج عنه والنص الذى لاسبيل إلى رده ودفعه وكذالك الصوم وهذه الاقيسة الفاسدة لاتعارض نصوص الشرع وقواعده (الروح لابن القيم، صفحه ۱۲۹، المسألة السادسة عشرة)

ہے (ایضاً صفحہ ۱۲۷، درذیل صدقۂ جاریہ)

پھر اس سلسلہ میں ایصالِ ثواب کے منکرین کی طرف سے ایصالِ ثواب کے انکار پر قرآن مجید کی کئی آیات پیش کی جاتی ہیں، ایک آیت جس کو وہ اپنے دعوے میں نصِ قطعی سمجھتے ہیں، وہ یہ ہے کہ:

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّامَاسَعٰی (سورہ نجم آیت نمبر ۳۹)

ترجمہ: ''انسان کے لئے بس وہی ہے جو اس نے سعی کی اور کمایا''

مگر یہ طبقہ اپنے اس دعوے کو قرآن مجید کی مختلف آیات کی طرف منسوب کر کے اسی کے ساتھ اس کا بھی قائل ہے کہ ایک مسلمان کی مَرنے والے کے لیے دعا، استغفار کرنا اور نمازِ جنازہ وغیرہ پڑھنا درست ہے، اور اس سے میت کو نفع وفائدہ ہوتا ہے۔ لہٰذا جس دعوٰی کی بنیاد پر ایصالِ ثواب کا انکار کیا جارہا ہے، اس کی رُو سے تو میت کے لئے دعا واستغفار اور نمازِ جنازہ کے عمل کا بھی انکار لازم آتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ منکرینِ ایصالِ ثواب کا مذکورہ دعوٰی درست نہیں ہے، اور اس کی بنیاد پر قرآن مجید سے ثابت شدہ دعا واستغفار اور صحیح وکثیر احادیث سے ثابت شدہ نمازِ جنازہ کا بھی انکار لازم آتا ہے۔ [1]

بہت سے علماء وفقہاء نے اس اعتراض کا تفصیل سے جواب دیا ہے، اور کئی ایسے اعمال کا ذکر کیا ہے، جو انسان کے اپنے نہیں ہوتے، مگر اس کے باوجود وہ انسان ان سے منتفع ہوتا ہے۔ [2]

[1] لیس فی الآیة، ولافی الحدیث ان المیت لاینتفع بدعاء الخلق له ،وبما یعمل عنه من البر بل ائمة الاسلام متفقون علی انتفاع المیت بذالک، وھذا ممایعلم بالاضطرار من دین الاسلام ، وقد دل علیه الکتاب والسنة والاجماع، فمن خالف ذالک کان من اھل البدع (الفتاویٰ الکبریٰ ج۳ص۲۷، کتاب الجنائز، قوله تعالیٰ وان لیس للانسان الا ماسعی)

[2] دخول أولاد المؤمنین الجنة بعمل آبائهم وانتفاع الغلامین الیتیمین اللذین قال اللہ فی قصتهما (وکان أبوهما صالحا) بصلاح أبیهما.

والنفع بالجار الصالح فی المحیاوالممات کما فی الأثر ورحمة جلیس أهل الذکر وهو لم یکن منهم ولم یجلس لذالک، بل لحاجة عرضت له والأعمال بالنیات.

وقوله تعالیٰ لنبیه (وما کان اللہ لیعذبهم وأنت فیهم)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور قرآن وحدیث سے ثابت شدہ ایسے بہت سے اعمال ہیں جن کو شمار میں لانا بھی مشکل ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقوله تعالىٰ (ولولا رجال مؤمنون ونساء مؤمنات)

وقوله تعالىٰ (ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض) فقد رفع الله العذاب عن بعض الناس بسبب بعض وماذالک إلا لانتفاعهم بأعمال غيرهم الصلاحة (تهذيب الفروق والقواعد السنية فى الأسرار الفقهية علىٰ انواع البروق فى انواع الفروق، ج۳ص ۲۲۲ ،الفرق بين قاعدة مايصل الى الميت وقاعدة مالايصل)

[1] فصل فى انتفاع الإنسان بعمل غيره:

قال الشيخ تقى الدين أبو العباس أحمد بن تيمية:

من اعتقد أن الإنسان لا ينتفع إلَّا بعمله فقد خرق الإجماع، وذلک باطل من وجوه كثيرة:

أحدها :أن الإنسان ينتفع بدعاء غيره وهو انتفاع بعمل الغير.

ثانيها :أن النبى -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -يشفع لأهل الموقف فى الحساب ثم لأهل الجنة فى دخولها.

ثالثها :لأهل الكبائر فى الخروج من النار، وهذا انتفاع بسعى الغير.

رابعها :أن الملائكة يدعون ويستغفرون لمن فى الأرض، وذلک منفعة بعمل الغير.

خامسها :أن الله تعالى يُخرِج من النار من لم يعمل خيرًا قط بمحض رحمته، وهذا انتفاع بغير عملهم.

سادسها :أن أولاد المؤمنين يدخلون الجنة بعمل آبائهم وذلک انتفاع بمحض عمل الغير.

سابعها :قال تعالى فى قصة الغلامين اليتيمين :(وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا)فانتفعا بصلاح أبيهما وليس من سعيهما.

ثامنها :أن الميت ينتفع بالصدقة عنه وبالعتق بنص السنة والإجماع، وهو من عمل الغير.

تاسعها :أن الحج المفروض يسقط عن الميت بحج وليه بنص السنة، وهو انتفاع بعمل الغير.

عاشرها :أن الحج المنذور أو الصوم المنذور يسقط عن الميت بعمل غيره بنص السنة، وهو انتفاع بعمل الغير.

حادى عشرها :المدين قد امتنع -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -من الصلاة عليه حتى قَضى دينَه أبو قتادة ، وقضى دينَ الآخر عليٌّ بن أبى طالب، وانتفع بصلاة النبى -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -، وهو من عمل الغير.

ثانى عشرها :أن النبى -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -قال لمن صلى وحده " :ألا رجلٌ يتصدق على هذا فيصلى معه" فقد حصل له فضلُ الجماعة بفعل الغير.

ثالث عشرها :أن الإنسان تبرأ ذمته من ديون الخلق إذا قضاها قاض عنه، وذلک انتفاع بعمل الغير.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا ایصالِ ثواب کے عقیدے کو قرآن مجید کی آیات کے مخالف قرار دینا درست نہیں۔

جہاں تک سورہ نجم کی اس آیت کا تعلق ہے کہ:

لَيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى (سورہ نجم آیت نمبر ۳۹)

ترجمہ: ''انسان کے لئے بس وہی ہے جو اس نے سعی کی اور کمایا''

تو یاد رکھیے کہ بڑے بڑے محدثین، مفسرین اور فقہائے امت نے اس آیت کے ہوتے ہوئے بھی ایصالِ ثواب کی حقیقت کو تسلیم کیا ہے، اور اس آیت سے مطلق ایصالِ ثواب کے انکار کی دلیل پکڑنے والوں کو مفصل ومدلل انداز میں جوابات دیے ہیں، کیونکہ ایصالِ ثواب کے انکار پر یہ آیت بہت پہلے معتزلہ فرقہ پیش کرتا رہا ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

رابع عشرها :أن من عليه تبعات ومظالم إذا حلل منها سقطت عنه، وهذا انتفاع بعمل الغير.

خامس عشرها :أن الجار الصالح ينفع في المحيا والممات كما جاء في الأثر، وهذا انتفاع بعمل الغير.

سادس عشرها :أن جليس أهل الذكر يرحم بهم، وهو لم يكن منهم، ولم يجلس لذلك بل لحاجة عرضت له، والأعمال بالنيات، فقد انتفع بعمل غيره.

سابع عشرها :الصلاة على الميت والدعاء له في الصلاة انتفاع للميت بصلاة الحي عليه، وهو عمل غيره.

ثامن عشرها :أن الجمعة تحصل باجتماع العدد وكذلك الجماعة بكثرة العدد، وهو انتفاع للبعض بالبعض.

تاسع عشرها :أن الله تعالى قال لنبيه -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : -(وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ) وقال تعالى :(وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ)وقال تعالى :(وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ)

فقد رفع الله تعالى العذاب عن بعض الناس بسبب بعض، وذلك انتفاع بعمل الغير.

عشروها :أن صدقة الفطر تجب على الصغير وغيره ممن يَمونُه الرجل، فإنه ينتفع بذلك من يخرج عنه ولا سعي له فيها.

حادي عشريها :أن الزكاة تجب في مال الصبي والمجنون، ويثاب على ذلك ولا سعيَ له.

ومن تأمل العلم وجد من انتفاع الإنسان بما لم يعمله ما لا يكاد يُحصى، فكيف يجوز أن نتأول الآية الكريمة على خلاف صريح الكتاب والسنة وإجماع الأمة؟(جامع المسائل لابن تيمية، فصل في انتفاع الانسان بعمل غيره ، ج۵ص ۲۰۱تا ۲۰۶)

لیکن ہم تفصیلات سے بچتے ہوئے صرف اس پہلو سے غور کریں گے کہ اس آیت میں لفظِ ''انسان'' پر جو''ل'' ہے، یہ کیا ملکیت کے لئے ہے یا انتفاع کے لئے؟

پہلی صورت میں یعنی اگر حرفِ لام کو ملکیت کا مانا جائے، تو آیت کا مطلب اور مفاد یہ ہوگا کہ ''انسان صرف اپنی ہی سعی ومحنت اور اپنی ہی کمائی کا مالک ہے، دوسروں کی محنت اور کمائی کا وہ مالک نہیں اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ ''ایصالِ ثواب'' کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ انسان چونکہ اپنی سعی وعمل کا مالک ومختار ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے یہ حق دیا ہے کہ وہ یہ دوسرے کو ہدیہ کردے۔

بہرحال اس آیت میں لفظِ انسان پر حرفِ ''ل'' کو اگر ملکیت کا مانا جائے تو ''ایصالِ ثواب'' کے لئے یہ آیت مخالف تو کیا ہوتی کچھ مؤید اور موافق ہی ہوگی اور اہلِ علم کو معلوم ہے کہ عربی میں ''ل'' کا استعمال زیادہ تر ملکیت ہی کے لئے ہوتا ہے اور قرآنِ مجید میں اس کا بیشتر استعمال اسی معنی میں ہوا ہے۔ [1]

اور اگر دوسری صورت اختیار کی جائے یعنی ''ل'' کو انتفاع کے لئے لیا جائے تو آیت کا مطلب اور مفاد یہ ہوگا کہ:

''انسان کو اپنی سعی ومحنت سے نفع ہوتا ہے اور اس کی اپنی ہی کمائی اس کے کام آتی ہے''

تو اس صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ یہ حصر اور دوسرے کی سعی سے فائدہ ہونے کی نفی صرف

---

[1] ملاعلی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

والجواب ان الآیة حجة لنا ،لان الذی اھدی ثواب عملہ لغیرہ سعی فی ایصال الثواب الی ذالک الغیر ،فیکون لہ ماسعی بھذہ الآیة ولایکون لہ ماسعی الا بوصول الثواب الیہ، فکانت الآیة حجة لنا لا علینا(شرح ملا علی قاری علی الفقہ الاکبر ص ۱۳۰)

وقال البیضاوی فی توجہ الآیة انہ ماجاء فی الاخبار من ان الصدقة والحج ینفعان المیت فلان الناوی لہ کالنائب عنہ وقال بعض العلماء فی توجیھھا ان انتفاع المؤمن بسعی غیرہ مبنی علی ایمانہ وھو سعی نفسہ فکان سعی غیرہ تابعا لسعی نفسہ قایما بقیامہ، واللہ تعالیٰ اعلم (التفسیر المظھری، جلد۹ صفحہ ۱۳۰، سورة النجم)

اضافی اور عرفی ہے، منطقی قسم کا حصرِ کلی نہیں ہے۔

اور آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کو اپنے ذاتی عمل کے سوا کسی دوسری چیز سے بالکل کوئی نفع ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ یہ قرآن مجید اور صحیح احادیث بلکہ دنیا کے مشاہدہ کے لحاظ سے بھی غلط ہوگا اور آخرت کے لحاظ سے بھی، چنانچہ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ایک شخص محنت کر کے کماتا ہے اور بہت سوں کو کھلاتا ہے، صدقہ وخیرات کرتا ہے، ہدیے دیتا ہے، جس سے بہت سے لوگ مستفید ہوتے ہیں۔

قرآن مجید بھی کمائی کرنے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس سے دوسرے حاجت مندوں اور فقراء ومساکین کو نفع پہنچائیں۔

اس کے علاوہ قرآن مجید بتلاتا ہے کہ ایک شخص فوت ہوجائے تو اس کے کمائے ہوئے مال ودولت میں سے اتنا ماں کو، اتنا باپ کو اتنا اتنا بیٹوں اور بیٹیوں وغیرہ کو ملے گا۔

قرآن مجید سے اس طرح کی اور بھی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ اس دنیا میں ایک کی سعی ومحنت سے دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے۔

اسی طرح آخرت کے متعلق بھی قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے نیک اعمال کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور اس کے فضل وکرم سے بہت سے مسلمانوں کو بحکمِ الٰہی دوسروں کی شفاعت کے ذریعہ نجات ودرجات کی بلندگی حاصل ہوگی۔

نیز انبیاء وصالحین اور فرشتوں تک کا ایمان والوں کے لئے مغفرت ورحمت کی دعائیں کرنا بلکہ خود اللہ تعالیٰ کا دعا واستغفار کے لئے حکم دینا بھی قرآن مجید ہی سے ثابت ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ دعائیں لغو اور بے کار نہ جائیں گی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوکر ایمان والوں کی مغفرت ورحمت اور درجات بلند ہونے کا ذریعہ بنیں گی اور یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ رحم وکرم فرمانا اور اعمال کی نپی تلی جزا کے علاوہ صرف اپنے فضل وکرم سے کچھ اور انعامات سے نوازنا بندہ کی اپنی سعی اور اپنی کمائی نہیں ہے۔

اسی طرح آخرت میں مقربین کی شفاعت اوراس دنیا میں زندوں کا دعا واستغفار کرنا یہ بھی دوسروں ہی کا فعل ہے اوران سب سے نفع پہنچنا قرآن مجید اورصحیح احادیث سے ثابت ہے۔

پس یہ قاعدہ کلیہ کہ کسی انسان کو اپنی سعی ومحنت کے علاوہ کسی دوسری چیز سے کوئی نفع نہیں پہنچتا، دنیا کے لحاظ سے بھی اور آخرت کے لحاظ سے بھی قرآن مجید ہی کے ذریعہ سے غلط ہونا ثابت ہوا۔ [1]

---

[1] بذل المجہود میں ہے کہ:

مَنْ اِعْتَقَدَاَنَّ الْاِ نْسَانَ لَایَنْتَفِعُ اِلَّابِعَمَلِهٖ فَقَدْخَرَقَ الْاِجْمَاعَ فَاِنَّ الامة قَدْاَجْمَعُوْاعَلٰی اَنَّ الْاِنْسَانَ یَنْتَفِعُ بِدُعَاءِ غَیْرِهٖ وَهُوَاِنْتِفَاعٌ بِعَمَلِ الْغَیْرِوَاَیْضاً اَنَّهٗ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ یَشْفَعُ لِاَهْلِ الْمَوْقَفِ فِی الْحِسَابِ ثُمَّ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ فِیْ دُخُوْلِهَا ثُمَّ لِاَهْلِ الْکَبَائِرِ فِی الْاِخْرَاجِ مِنَ النَّارِ وَهُوَ اِنْتِفَاعٌ بِسَعْیِ الْغَیْرِ وَکَذَاکُلُّ نَبِیٍّ وَصَالِحٍ لَهٗ شَفَاعَةٌ وَذَالِکَ اِنْتِفَاعٌ بِعَمَلِ الْغَیْرِ وَاَیْضاً اَلْمَلٰئِکَةُ یَدْعُوْنَ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ وَذَالِکَ مَنْفَعَةٌ بِعَمَلِ الْغَیْرِ وَاَیْضاً اَنَّهٗ تَعَالٰی یَخْرُجُ طَائِفَةً مِّنَ النَّارِ مِمَّنْ لَمْ یَعْمَلْ خَیْراً قَطُّ بِمَحْضِ رَحْمَتِهٖ وَهٰذَا اِنْتِفَاعٌ مِنْ غَیْرِ سَعْیِهِمْ وَاَیْضاً اَوْلَادُ الْمُوْمِنِیْنَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِعَمَلِ اٰبَآئِهِمْ وَذَالِکَ اِنْتِفَاعٌ بِمَحْضِ عَمَلِ الْغَیْرِ وَکَذَالِکَ الْمَیِّتُ یَنْتَفِعُ بِالصَّدَقَةِ عَنْهُ وَبِالْعِتْقِ عَنْهُ بِنَصِّ السُّنَّةِ وَالْاِجْمَاعِ وَهُوَمِنْ عَمَلِ غَیْرِهٖ وَاَنَّهٗ یَسْقُطُ الْحَجُّ الْمَفْرُوْضُ عَنِ الْمَیِّتِ بِحَجِّ وَلِیِّهٖ عَنْهُ بِنَصِّ السُّنَّةِ وَکَذَا تَبْرَءُ ذِمَّةُ الْاِنْسَانِ مِنْ دُیُوْنِ الْخَلْقِ اِذَا قَضَاهَا عَنْهُ قَاضٍ وَذَالِکَ اِنْتِفَاعٌ بِعَمَلِ الْغَیْرِ وَکَذَالِکَ الصَّلٰوةُ وَالدُّعَاءُ لَهٗ فِیْهَا یَنْتَفِعُ بِهَا الْمَیِّتُ وَهِیَ مِنْ عَمَلِ الْغَیْرِوَنَظَائِرُ ذَالِکَ کَثِیْرَةٌ لَاتُحْصٰی کذا فی شیخ زاده (بذل المجهود، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی الصدقة عن المیت، جلد۵ صفحه ۱۰۰، ۱۰۱)

ترجمہ: جس کا یہ عقیدہ ہو کہ انسان کو اپنے ذاتی عمل کے سوا اور کسی چیز سے کوئی نفع نہ ہوگا وہ امت کے اجماع کے مخالف ہے کیونکہ ساری امت کا ان چند اصولوں پر اتفاق ہے انسان کو دوسروں کی دعا سے فائدہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ غیر ہی کے عمل سے انتفاع کی صورت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حساب چکانے کے لئے تمام اہل محشر کی سفارش فرمائیں گے۔ نیز مستحقین جنت کے حق میں داخلہ جنت کی اور بہت سے بڑے گناہگاروں کے لئے دوزخ سے نکالنے کی بھی شفاعت فرمائیں گے اور ظاہر ہے کہ لوگوں کے لئے دیگر انبیاء وصالحین کا شفاعت کرنا بھی ایک مسلمہ مسئلہ ہے اسی طرح اس دنیا کے مسلمانوں کے لئے فرشتوں کا دعا واستغفار کرنا اوراس سے لوگوں کو فائدہ پہنچنا (جو ثابت شدہ امر ہے) دوسرے کے عمل سے انتفاع ہی کی ایک جزئی ہے نیز (احادیثِ کثیرہ کی بنیاد پر) یہ بھی مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنی رحمت سے کچھ ایسے لوگوں کو بھی جہنّم سے نکالے گا جن کے پاس (ادنیٰ درجہ ایمان کے علاوہ) کوئی نیک عمل نہ ہوگا اور بلاشبہ یہ بھی اپنی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لہٰذا سورہ نجم کی اس آیت میں لفظ ''للانسان'' میں ''ل'' کو اگر انتفاع کے لئے بھی مانا جائے تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ اس آیت کا مقصد انسان کی اپنی سعی کے علاوہ ہر چیز کے نافع ہونے کی نفی کرنا نہیں ہے بلکہ خاص طور سے ان چند غلط فہمیوں کو دُور کرنا مقصود ہے جن میں بہت سی قومیں اور بہت سے گروہ اُس وقت مبتلا تھے اور اب تک مبتلا ہیں۔

مثلاً بنی اسرائیل سمجھتے تھے کہ ہم چونکہ نبیوں کی اولاد ہیں اس لئے ہم کوئی عمل بھی کریں، بہر حال جنت میں جائیں گے یا مثلاً مشرکینِ عرب کا خیال تھا کہ ہمارے دیوتاؤں کا جو اللہ سے خاص تعلق ہے، یہ ہماری نجات کا ذریعہ ہوجائے گا اور اسی طرح عیسائی سمجھتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سولی پر چڑھ کر ہم سب کی طرف سے کفارہ ادا کر چکے ہیں، اس لئے ان کی یہ قربانی ہماری نجات کے لئے کافی ہے، ہندوستان میں بھی برہمن پنڈت آج تک اسی قسم کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں۔

اور آج کل دوکاندار پیروں، فقیروں کے مرید بھی یہی سمجھتے ہیں، کہ ہمارے پیر صاحب کا نماز پڑھنا اور نیک اعمال کرنا ہماری طرف سے کافی ہے، اور اس طرح کے کئی واقعات بھی مشہور ہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ذاتی سعی وعمل کے سوا سے ہی انتفاع کی صورت ہے ایسے ہی یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ اہل ایمان کے بچے بھی اپنے والدین کے نیک اعمال کی وجہ سے ان کے ساتھ جنت میں جائیں گے اور یہ بھی غیر ہی کے عمل سے انتفاع ہوا۔ اسی طرح اگر میت کی طرف سے صدقہ خیرات کیا جائے یا غلام آزاد کیا جائے تو اس کا نافع ہونا بھی سنتِ صریحہ اور اجماع سے ثابت ہے۔ نیز میت کی طرف سے اگر اس کا ولی حج کردے تو میت کی جانب سے حج کا ادا ہوجانا بھی سنتِ صریحہ سے معلوم ہوا ہے۔ ایسے ہی کسی آدمی پر قرض ہو اور اس کی طرف سے کوئی دوسرا ادا کردے تو مقروض کی طرف سے ادا ہوجانا اور اس کا بری ہوجانا بھی شریعتِ اسلامیہ میں ایک ثابت شدہ مسئلہ اور امت کا مسلمہ ہے اور یہ بھی دوسروں ہی کے سعی وعمل سے انتفاع ہوا۔ پھر اس سب کے علاوہ مُردوں پر نماز جنازہ پڑھنا اور اس میں ان کے لئے مغفرت ورحمت کی دعا کرنا اور ان کے حق میں اس کا نافع ہونا ایک مسلمہ امر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بھی دوسروں ہی کے عمل سے انتفاع کی صورت ہے اور ان کے علاوہ بھی اس کی بہت سی مثالیں ہیں جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا'' (بذل)

تو ''ل'' کو انتفاع کے لئے ماننے کی صورت میں اس آیت کا منشاء اس قسم کے توہمات اور بے اصل خیالات کی نفی کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ آدمی اس قسم کی غلط فہمیوں اور جھوٹی امیدوں میں مبتلا نہ رہے کہ میرے باپ دادا یا میرے بزرگ اور پیشوا چونکہ نیک اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے تھے یا ہیں، اس لئے ان کے تعلق اور ان کی برکت کی وجہ سے میں بھی بخشا جاؤں گا اور ان کے نیک اعمال مجھے بھی جنت میں لے جائیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اپنے دوسرے اقارب سے جو کچھ فرمایا تھا اس کا مفہوم یہ ہے کہ:

اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، کیونکہ میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، سوائے اس کے کہ تمہارے ساتھ رحم کا تعلق ہے، جس کو میں (حقوق کی ادائیگی کرکے) تَر کروں گا۔ [1]

اور اس طرح کا اضافی وعرفی حصر ہر زبان کے محاورے میں اور خاص طور پر قرآن مجید میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔

چنانچہ ہم اپنی روزمرہ کی بول چال میں یہ الفاظ کہا کرتے ہیں کہ مثلاً ''میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا'' ''میں اس کے سوا کچھ نہیں کہتا'' ''میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا'' ''میرے پاس اس چیز کے سوا کچھ نہیں ہے'' ''میرے پاس سوائے فلاں شخص کے کوئی نہیں آیا'' ''میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کرسکتا''

اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں جو ہماری زبانوں پر روزمرہ آتی رہتی ہیں اور اس قسم کے جملوں

---

[1] عن أبی هريرة، قال: لما أنزلت هذه الآية (وأنذر عشيرتک الأقربين)، دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم قريشا، فاجتمعوا فعم وخص، فقال: يا بنی كعب بن لؤی، أنقذوا أنفسكم من النار، يا بنی مرة بن كعب، أنقذوا أنفسكم من النار، يا بنی عبد شمس، أنقذوا أنفسكم من النار، يا بنی عبد مناف، أنقذوا أنفسكم من النار، يا بنی هاشم، أنقذوا أنفسكم من النار، يا بنی عبد المطلب، أنقذوا أنفسكم من النار، يا فاطمة، أنقذی نفسک من النار، فإنی لا أملک لكم من الله شيئا، غير أن لكم رحما سأبلها ببلالها (مسلم، رقم الحديث ۳۴۸" ۲۰۴)

کا کوئی بھی عقل مند شخص یہ مطلب نہیں لیتا کہ بولنے والا اس کلام یا کام کے علاوہ دنیا جہان کے سارے کلاموں اور کاموں کی نفی کر رہا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں بھی تلاش کرنے سے اس کی کئی مثالیں مل سکتی ہیں۔

ان میں سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱)......ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَاعَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّاالْبَلاَغُ الْمُبِيْنُ (سورہ نور آیت نمبر ۵۴)

ترجمہ: ''رسول کے ذمہ سوائے صاف صاف اور کھلی کھلی تبلیغ کے اور کچھ نہیں''

ظاہر ہے کہ اگر اس آیت میں کلی حصر مانا جائے اور کہا جائے کہ رسول کے ذمہ سوائے تبلیغ کے اور کوئی کام نہیں، تو بالکل غلط ہوگا، کیونکہ سب جانتے ہیں کہ نبی کے ذمہ نماز روزہ حج وغیرہ دوسرے فرائض بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے اس آیت میں بھی لازماً ویسا ہی حصر اضافی وعرفی ماننا پڑے گا، جیسا کہ ہم نے سورۂ نجم کی مذکورہ آیت میں پیش کیا۔

اور مطلب اس آیت کا یہ ہوگا کہ کسی کو مومن وصالح بنا دینا رسول کے ذمہ نہیں بلکہ بس پیغامِ ہدایت پہنچا دینا ان کا کام ہے۔

اس مضمون کی کئی آیتیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔

(۲)......دوسری مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ:

اِنَّمَا يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (سورہ انبیاء، آیت نمبر ۱۰۸)

ترجمہ: ''میری طرف تو بس یہ ہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود، بس ایک ہی معبود برحق ہے''

اس آیت میں بھی اگر منطقی قسم کا کلی حصر مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ توحید کے علاوہ اور کسی چیز کے حکم کی وحی بھی نبی پر نہیں آتی تھی، حالانکہ یہ غلط ہے، بلکہ ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے، اس

لئے یہ حصر بھی اضافی اور عرفی ہی ہے، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ الٰہ اور معبود ہونے کے بارے میں مشرکین کے جو باطل خیالات تھے، ان کی نفی مقصود ہے۔

یہ مضمون بھی قرآن مجید میں کئی مقامات پر آیا ہے۔

(۳)......اس اضافی اور عرفی حصر کی تیسری مثال قرآن مجید کی زبان میں ملاحظہ فرمائیں؛ چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے کہ:

قُلْ لَّآاَجِدُ فِيْمَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّماً عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْدَمًا مَّسْفُوْحاً اَوْلَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْفِسْقاً اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ (سورہ انعام، آیت نمبر ۱۴۵)

ترجمہ: ’’آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس جو وحی بھیجی گئی ہے میں اس میں کوئی حرام غذا نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لئے سوائے اس کے کہ وہ مردار جانور ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا وہ جانور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا ہو‘‘

اس آیت میں بھی اگر کلی حصر مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ شریعتِ اسلامیہ میں ان چار چیزوں کے علاوہ اور سب چیزوں کا کھانا جائز ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ بلی، کتے، سارے درندے پرندے، حشرات الارض وغیرہ وغیرہ میں سے کسی کا کھانا بھی حرام نہیں۔

حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور سب کے نزدیک یہاں بھی حصر اضافی ہی ہے اور صرف ان چیزوں کی حرمت کی نفی مقصود ہے جن کو مشرکینِ عرب نے اپنی توہم پرستی سے حرام مان رکھا تھا۔

یہ مضمون بھی قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے۔

(۴)......اضافی حصر کی چوتھی مثال قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت ہے:

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَاِلَّا نَذِيْرٌمُّبِيْنٌ (سورہ اعراف آیت نمبر ۱۸۴)

ترجمہ: ’’کیا ان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ان کے پاس بھیجے ہوئے رسول کو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو سوا اس کے کچھ نہیں کہ صاف صاف ڈرانے والا ہے‘‘

اس آیت کے آخری جزو میں بھی اگر کلی حصر مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ رسول صرف نذیر (یعنی ڈرانے والے) ہیں اور اس ڈرانے کے سوا ان کا کوئی کام اور کوئی وصف نہیں ہے، حالانکہ قرآن مجید ہی ان کے اور بہت سے کام اور بہت سے اوصاف بیان کرتا ہے۔

مثلاً یہ کہ وہ بشیر ہیں، شاہد ہیں، خاتم النبیین ہیں، رحمۃ للعالمین ہیں، مزمّل ہیں مدثّر ہیں۔ مومنین کے ساتھ رؤف ہیں رحیم ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پس یہاں بھی حصر اضافی ہی ہے، یعنی کفار ومشرکین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو غلط فہمیاں تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ جو بہتان لگاتے تھے، اس آیت سے ان کی نفی کرنا مقصود ہے نہ کہ تمام دوسری واقعی صفات کی نفی کرنا۔

یہ مضمون بھی قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے۔

(۵)......قرآن مجید میں قیامت کے دن کے متعلق ایک مقام پر فرمایا گیا ہے کہ:

لَا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ (سورہ بقرۃ آیت نمبر ۲۵۴)

ترجمہ: ’’نہ اس دن میں کوئی خرید وفروخت ہوگی نہ کوئی دوستی ہوگی اور نہ کوئی شفاعت‘‘

حالانکہ ایمانی دوستی اور للہی محبت کا قیامت کے دن کارآمد ہونا اور بحکمِ الٰہی ایمان والوں کے لئے شفاعت کا ہونا خود قرآن مجید سے ثابت ہے اس لئے اس آیت میں بھی اسی دوستی اور اسی شفاعت کی نفی کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقررہ قانون اور اس کی مرضی کے خلاف ہو۔

پس ان ہی آیات کی طرح ایصالِ ثواب کے منکرین کی طرف سے ''وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی'' اوراس جیسی دوسری پیش کی جانے والی آیات کے متعلق بھی سمجھنا چاہئے کہ ان میں حصر اور نفی کلی نہیں ہے اوران کا مطلب اور مفاد یہ نہیں ہے کہ انسان کی اپنی سعی ومحنت کے علاوہ کوئی بھی دوسری چیز اس کے کام نہیں آسکتی؛ کیونکہ یہ مطلب خود قرآن مجید کی کئی آیات کے خلاف ہے۔

یہاں تک جو کچھ بحث کی گئی ہے اگرچہ اس کا تعلق سورہ النجم کی آیت ''وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی'' سے تھا، لیکن اسی سے ان تمام دوسری آیات کا مطلب بھی واضح ہوجاتا ہے جو منکرینِ ایصالِ ثواب کی طرف سے اس کے علاوہ پیش کی جاتی ہیں، مثلاً ایک مقام پر ہے کہ:

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (سورہ بقرۃ آیت نمبر ۲۸۶)

ترجمہ: ''ہر نفس کے لئے وہی ہے جو اس نے کمایا ہے اوراس پر انہی گناہوں کا وبال ہے جو اس نے کیے''

اور مثلاً ایک مقام پر ہے کہ:

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ. لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ (سورہ توبۃ آیت نمبر ۱۷)

ترجمہ: ''قیامت کے دن ہر نفس کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا، اُس دن کوئی ظلم نہ ہوگا''

اور ایک جگہ ارشاد ہے کہ:

لَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (سورہ یٰس آیت نمبر ۵۴) [1]

ترجمہ: ''تم کو صرف تمہارے اعمال ہی کا بدلہ دیا جائے گا''

اور ایک مقام پر ارشاد ہے کہ:

---

[1] أن هذه الآية أصرح في الدلالة على أن سياقها إنما ينفي عقوبة العبد بعمل غيره وأخذ بجريرته فإن الله سبحانه قال (فاليوم لاتظلم نفس شيئا ولاتجزون إلا ما كنتم تعملون) فنفى أن يظلم بأن يزاد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

Contact us: idaraghufran@yahoo.com Ph: +92515507530

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا (سوره جاثية آيت نمبر ۱۵)

ترجمہ: ''جوکوئی نیک عمل کرے گا تو وہ اپنے لئے کرے گا اور جو برائی کرے گا تو اسی پر اس کا وبال ہوگا''

تو یہ اور ان جیسی اور بھی جو آیات منکرینِ ایصالِ ثواب کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اس عدل والے قانون کا اظہار مقصود ہے کہ آدمی اپنے ہی اعمال کے ثواب وعذاب کا ذمہ دار ہے کسی کے نسبی رشتہ یا روحانی تعلق کی بنیاد پر دوسروں کی نیکی سے وہ اپنی نجات کی امیدیں نہ باندھے اور نہ یہ امید رکھے کہ میرے گناہوں کی سزا کسی اور پر ڈال دی جائے گی۔ اور اسی طرح یہ بھی نہ سمجھے کہ بے گناہ کیے یا گناہ کے حساب سے زیادہ کسی کو سزا دی جائے گی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ عليه في سيئاته أو ينقص من حسناته أو يعاقب بعمل غيره ولم ينتف أن ينتف بعمل غيره ولا على وجه الجزاء فإن انتفاعه بما يهدى إليه ليس جزاء على عمله وإنما هو صدقة تصدق الله بها عليه وتفضل بها عليه من غير سعى منه بل وهبه ذالک على يد بعض عباده لا على وجه الجزاء (الروح لابن القيم، صفحه ۱۲۹)

[1] گزشتہ تفصیل سے ایصالِ ثواب کے مشہور منکر جناب تمنا عمادی صاحب کے ایصالِ ثواب کو قرآن کے مخالف قرار دینے کی اس کوشش کا بھی جواب ہوگیا، جو انہوں نے تقابل کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

قرآنِ مبین	ایصالِ ثواب کا قائل
(۱) انسان کا حق اپنی ہی سعی پر ہے۔	(۱) انسان کا حق دوسرے کی سعی وعمل پر بھی ہے۔
(۲) جو شخص بھی کوئی نیک عمل کرتا ہے، اس کا نفع اسی کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے، دوسرے کو نہیں۔	(۲) یہ ممکن ہے کہ اگر کوئی شخص ایک عمل نیک کرے اور اس کا ثواب کسی دوسرے کو بخش دے
(۳) ہر شخص اپنی کمائی میں گرو ہے، اللہ تعالیٰ ہی اپنے بیان کردہ قرآنی اصول کے مطابق اس رہن کو توڑ سکتا ہے، کوئی شخص بطور خود کسی ایسے طریقے سے جس کو اللہ تعالیٰ نے بتایا اس رہن کو نہیں توڑ سکتا	(۳) اللہ تعالیٰ کے باندھے ہوئے عقد رہن کو ایسے طریقے سے جس کو قرآن مبین میں نہیں بتایا گیا ہے ہم بطور خود اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے توڑ سکتے ہیں

(ضمیمہ ''عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں'' مؤلفہ تمنا عمادی ص ۲۳۸)

تمنا عمادی صاحب کا یہ تقابل درست نہیں ہے، کیونکہ ایصالِ ثواب کے قائل یہ نہیں کہتے کہ انسان کا حق دوسرے کی سعی وعمل

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہر حال ان آیات میں بھی جہاں جہاں حصر کیا گیا ہے وہ حصر اضافی اور عرفی ہی ہے اور اُن سے ایصالِ ثواب کی نفی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

پر ہے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہر انسان کا اپنی سعی پر حق ہے، اور اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس سعی کا ثواب دوسرے کو بخشنے اور ایصال کرنے کا اختیار دیا ہے، لہٰذا نمبر ا کا تقابل درست نہیں۔

اس طرح ایصالِ ثواب کے مدعی حضرات کا موقف ہے کہ جو شخص بھی کوئی نیک عمل کرتا ہے، اس کا نفع اسی کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے، دوسرے کو نہیں، البتہ اگر خود وہ شخص اپنے عمل سے دوسرے کو منتفع کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے، لہٰذا نمبر ۲ کا تقابل بھی درست نہیں۔

اور اسی طرح جو نمبر ۳ میں تقابل کیا ہے، وہ بھی درست نہیں، اور یہ استدلال دراصل انہوں نے سورہ طور کی آیت نمبر ۲۱ سے کیا ہے۔

حالانکہ اس آیت سے ایصالِ ثواب کے انکار پر استدلال کسی طرح درست نہیں، بلکہ خود اس آیت کا پہلا حصہ ایصالِ ثواب کی بنیاد کے ثبوت کی دلیل ہے، چنانچہ پوری آیت یہ ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ . كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ (سورة طور ۲۱)

اس آیت میں واضح کر دیا گیا کہ ہر انسان اپنے عمل میں محبوس ہوگا، کسی دوسرے کا گناہ اس کے سر نہیں ڈالا جائے گا، جس طرح کہ صالحین کی اولاد کا صالحین کی خاطر سے درجہ بڑھا دیا جائے گا، یہ عمل حسنات میں تو ہوگا، لیکن سیئات میں ایک کے گناہ کا اثر دوسرے پر نہ پڑے گا، تو اس آیت کے شروع میں مؤمنین صالحین کی اولاد کا اپنے آباء کے اعمال کی برکت سے جنت میں داخل اور درجات کا بلند ہونا مذکور ہے، اور یہ دوسرے کے عمل سے انتفاع ہے (کذا فی معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۱۸۱)

پس رہن کو توڑنا اس صورت میں تو ہے جب کہ ایصالِ گناہ کا دعویٰ کیا جائے، اور ایصالِ ثواب کی صورت میں رہن کو توڑنے کے کوئی معنیٰ نہیں۔ چنانچہ تفسیر ابنِ کثیر میں ہے کہ:

عن ابنِ عباس فی قول اللہ عزوجل (والذین آمنوا واتبعتهم ذریتهم بایمان الحقنا بهم ذریتهم) قال: هم ذریة المؤمن، یموتون علی الایمان: فان کانت منازل آبائهم، ارفع من منازلهم الحقوا بآبائهم، ولم ینقصوا من اعمالهم التی عملو شیئا .... وقوله (کل امرئ بما کسب رهین) لما اخبر عن مقام الفضل، وهو رفع درجة الذریة الی منزله الآباء من غیر عمل یقتضی ذالک، اخبر عن مقام العدل، وهو انه لایؤاخذ احدا بذنب احد، بل (کل امرئ بما کسب رهین) ای مرتهن بعمله، لایحمل علیه ذنب غیره من الناس، سواء کان ابا او ابنا، کما قال: "کل نفس بما کسبت رهینة الا اصحاب الیمین فی جنات یتساء لون عن المجرمینَ: المدثر ۳۸–۴۱" (تفسیر ابنِ کثیر، ج۷ص ۴۰۲ تا ۴۰۴ ملخصاً، سورة الطور)

واضح رہے کہ یہ آیات جن سے منکرین ایصالِ ثواب سہارا حاصل کرتے اور دلیل پکڑتے ہیں ان کے متعلق جو کچھ اوپر عرض کیا گیا ہے اس کے علاوہ بھی بہت کچھ کہا جاسکتا ہے، اور کہا گیا ہے۔

لیکن طوالت اور تفصیل کے خوف سے ان تفصیلات سے بچتے ہوئے صرف مذکورہ بحث ہی کو کافی سمجھا جاتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور اس کی اتباع کرنے اور باطل سے نجات کی توفیق عطا فرمائیں، اور ناحق چیزوں سے بچنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

فقط

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم

محمد رضوان

مؤرخہ ۲۴/ شعبان ۱۴۲۹ھ۔ 27/ اگست 2008ء بروز بدھ

نظرِ ثانی واضافہ مع تخریج وتحقیق

۳/ ذی الحجہ/ ۱۴۳۳ھ 21/ اکتوبر/ 2012ء، بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی

⌘